www.urduchannel.in

حالی اور شبلی کے تنقیدی نظریات کا تقابلی مطالعہ

شہناز اختر

اردو چینل
www.urduchannel.in

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

حالی اور شبلی کے تنقیدی نظریات

کا

تقابلی مطالعہ

(تلخیص)

مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی

نگران
پروفیسر اے۔ایم۔کے شہریار

پیش کردہ
شہناز اختر

شعبۂ اردو

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ

A.M.U.
T-4888

۱۹۹۶ء

www.urduchannel.in

تلخیص

زیرِ نظر تحقیقی مقالے کا موضوع "حالی اور شبلی کے تنقیدی نظریات کا تقابلی مطالعہ" ہے۔ کسی خاص زمانے کی ادبی تخلیقات کی قدر و قیمت متعین کرنے سے پہلے اس عہد کے عام ادبی مذاق کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ ادبی تخلیقات کی طرح تنقید پر بھی اس اصول کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس مقالے میں ہم نے کوشش کی ہے کہ اُردو تنقید کے پس منظر اور تنقیدی اصول و نظریات کی باقاعدہ کتابوں کے وجود میں آنے سے پہلے اُردو تنقید کے اہم مراحل سے بحث کی جائے۔ حالی اور شبلی کے وقیع نظریات و تصورات کے سامنے آنے سے پہلے اُردو تنقید کسی نہ کسی شکل میں موجود تھی، اُردو تنقید کے مختلف ادوار کا بیان کرتے ہوئے ہم نے حالی اور شبلی کی ناقدانہ صلاحیت پر نظر ڈالی ہے اور ادب کے ان معماروں کی ادبی تربیت، مزاج اور علم و عرفان کا جائزہ لیا ہے۔

جدید اُردو تنقید کی ابتدا حالی سے ہوتی ہے اور مقدمہ شعر و شاعری کو اُردو تنقید کا پہلا منشور قرار دیا جاتا ہے۔ حالی کے تنقیدی نظریات کو اُن کے نقادوں نے سامنی تنقید کا نام دیا ہے

www.urduchannel.in

جس کا جائزہ لینے کی اس مقالے میں کوشش کی گئی ہے۔

حالی کے معاصر نقادوں میں شبلی کا نام بھی غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ حالی کے یہاں افادیت کی جو لہر تیز ہوگئی تھی شبلی نے اسے اپنے جمالیاتی نظریہ تنقید سے گوارہ بنانے کی کوشش کی۔ اسی لیے حالی کی تنقید کے ساتھ ساتھ شبلی کی تنقید کا مطالعہ اور محاکمہ بھی ضروری ہے۔ حالی اور شبلی دونوں ہمارے ایسے بزرگ نقاد ہیں جنھوں نے آنے والی نسلوں کو بہت دور تک متاثر کیا ہے۔ بادی النظر میں دونوں کے تنقیدی خیالات میں زبردست اختلاف نظر آتا ہے مگر دونوں کے تنقیدی نظریات کو ایک دوسرے کا تکملہ بھی کہا جا سکتا ہے۔

شبلی اور حالی اپنے زمانے کے دو بڑے نابغہ تھے انھوں نے مغربی تنقید کے قدیم و جدید تصورات کا مطالعہ کیا اور اپنی تنقید میں انہی تصورات کو پیش نظر رکھا اس میں حالی اور شبلی دونوں کا انداز چند اختلافات کے ہوتے ہوئے بھی تقریباً یکساں ہے۔ شبلی اور حالی دونوں میں ہی بعض باتوں میں اتفاق موجود ہے اور بعض میں اختلاف۔ حالی نے مقدمہ شعر و شاعری، حیات جاوید اور یادگار غالب، شبلی نے شعر العجم اور موازنہ انیس و دبیر میں انہی خیالات و اصطلاحات کو واضح کیا ہے۔

www.urduchannel.in

اس مقالے کی تیاری میں دونوں بزرگ ناقدین حالی اور شبلی کی اہم تصنیفات میرے پیش نظر رہی ہیں۔ مثلاً شبلی کی شعر العجم، موازنہ انیس و دبیر، مکاتیب شبلی، مقالات شبلی، حیات سعدی اور حالی کی مقدمہ شعر و شاعری، یادگار غالب، حیات جاوید وغیرہ۔ سبھی نگارشات حالی اور شبلی کی تنقیدی بصیرت اور فنی صلاحیت کا جائزہ لینے میں معاون رہی ہیں اسکے علاوہ متعدد رسائل، مقالے اور مضامین سے مدد لی گئی ہے۔

یہ مقالہ چار ابواب پر مشتمل ہے پہلے باب میں حالی اور شبلی سے قبل اُردو تنقید کی صورت حال کا جائزہ لیا گیا ہے اور اُس پس منظر اور ماخذ پر روشنی ڈالی گئی ہے جن سے ان ناقدین نے اثر قبول کیا اور اپنے بنیادی افکار کی تشکیل کی۔ اُردو تنقید کی باضابطہ اور باقاعدہ کتاب مقدمہ شعر و شاعری حالی کی کوشش کا ثمرہ ہے۔ اس کے بعد موکلتہ الاراکتاب شبلی کی شعر العجم مانی جاتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان دو تصانیف سے پہلے اُردو میں تنقید کا وجود نہیں تھا۔ اُردو کے ابتدائی دور پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ تنقیدی خیالات و نظریات بہت پہلے پیدا ہو چکے تھے یہ اور بات ہے کہ باقاعدہ شکل سے محروم تھے۔ اسطرح تنقید کا باقاعدہ طور پر آغاز حالی اور شبلی ہی سے ہوتا ہے مقدمہ شعر و شاعری اور شعر العجم یہی دو کتابیں ہیں جن میں پہلی بار باضابطہ طور پر تنقیدی اصول مرتب

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

کیے گیے جو آج بھی ہماری رہنمائی کر رہے ہیں۔

دوسرے باب میں حالی کے نظریہ شعر سے بحث کی گئی ہے ان کے تصورات میں اخلاقیات کا عنصر کس طرح غالب رہا ہے، شاعری اور سوسائٹی کے ایک دوسرے پر اثرات، شخصی و جمہوری حکومت میں شاعری کی صورت حال، شعر کی تعریف، شاعری کی ضروری شرائط، نئی شاعری کی بنیاد، شعر میں قافیہ و بحر کی ضرورت، قوت متخیلہ، مطالعہ کائنات کی ضرورت، تفحص الفاظ، آمد اور اورد، ابن خلدون کے نظریات پر حالی کی رائے، اساتذہ کے کلام سے شاعر کو کیا مدد ملتی ہے تخیل کے لئے قوت ممیزہ کی پابندی وغیرہ کے سلسلے میں حالی کے نظریات وضاحت سے پیش کیے گیے ہیں۔ اس کے علاوہ شاعرانہ کلام میں کن اوصاف کا ہونا شرط ہے، سادگی، اصلیت اور جوش کا مفہوم، مبالغہ کا جواز، نیچرل شاعری پر حالی کی رائے، غزل کی اصلاح، نیز دیگر اصناف سخن کی موجودہ صورت حال پر حالی کے اصلاحی نکات و مشورے پیش کیے گیے ہیں۔

شبلی کا نظریہ شعر تیسرے باب میں پیش کیا گیا ہے۔ معمولی فرق کے ساتھ تقریباً انھیں موضوعات پر بحث کی گئی ہے جو حالی کے نظریہ شعر کے تحت بیان کیے گیے تھے۔ سیاسی و مادی حالات کے شاعری پر اثرات، خطابت اور شاعری کا فرق، مواد اور ہیئت، محاکات، شاعرانہ

تصویری، شاعری میں تاثیر پیدا کرنے کے اصول، تخیل کے نکات و حدود، مبالغہ، تشبیہ و استعارات کی ضرورت، الفاظ، تراکیب اور اسلوب کو معنی پر ترجیح، فصاحت و بلاغت کے پہلو، عملی تنقید کے بنیادی اصول وغیرہ موضوعات پر شبلی کے تصورات کا واضح بیان ہے۔

چوتھے باب میں حالی اور شبلی کی تنقید کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ ان دونوں ناقدین کے افکار کو معروضی انداز میں اس طرح پیش کیا جائے کہ ایک دوسرے سے بہتر یا فروتر نہ معلوم ہو۔ چند بنیادی اختلافات کے ہوتے ہوئے فن تنقید کے میدان میں یہ دونوں ایک دوسرے کے ممد و معاون رہے ہیں۔ اور یہ دونوں ہی بزرگ اردو تنقیدی ادب کے محسن ہیں۔ بہر حال تقابلی جائزہ میں حالی اور شبلی کی تنقید میں مماثلت اور اختلاف کے پہلو مختلف موضوعات کے تحت ظاہر کر دیے گئے ہیں۔ انھوں نے پرانے طرز شاعری کو کس حد تک قابل اصلاح سمجھا۔ حالی کے یہاں اخلاق اور افادیت پر زور ہے تو شبلی کے یہاں جمالیاتی پہلو پر۔ حالی غزل میں بڑی حد تک اصلاح چاہتے ہیں اس میں مقصدیت اور اخلاق کو شامل کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ شبلی غزل کے روایتی حسن کو برقرار رکھنے کے حامی ہیں۔ حالی عربی شاعری سے اور شبلی فارسی شاعری کے اصول و نظریات سے متاثر نظر آتے ہیں

www.urduchannel.in
szlibrary.wordpress.com

مغربی ادب کے اصولوں کو مثال و نمونہ بنانے کے ساتھ ان کے اطلاق میں اختلاف ہے۔

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

HALI AUR SHIBLI KE TANQEEDI NAZARYAT
KA
TAQABULI MUTALA

DISSERTATION SUBMITTED FOR THE DEGREE OF

DOCTOR OF PHILOSOPHY

IN

URDU

BY

SHAHNAZ AKHTAR

Under the Supervision of
Prof. A. M. K. Shaharyar

DEPARTMENT OF URDU
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH (INDIA)

1996

www.urduchannel.in
szlibrary.wordpress.com اورنگ زیب قاسمی

حالی اور شبلی کے تنقیدی نظریات کا تقابلی مطالعہ

مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی

نگراں
پروفیسر اے۔ایم۔کے شہریار

پیش کردہ
شہناز اختر

شعبۂ اردو
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ
سنہ ۱۹۹۶ء

www.urduchannel.in

اورنگ زیب قاسمی

T4888

www.urduchannel.in

ترتیب

۱۔ مقدمہ ——— ۱

۲۔ حالی اور شبلی سے قبل اردو تنقید کی صورتِ حال ——— ۷

۳۔ حالی کا نظریۂ شعر ——— ۳۷

۴۔ شبلی کا نظریۂ شعر ——— ۱۰۰

۵۔ حالی اور شبلی کی تنقید کا تقابلی جائزہ ——— ۱۹۸

۶۔ کتابیات ——— ۲۲۱

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

مقدمہ

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

مقدمہ

جدید اردو تنقید کی ابتدا حالی سے ہوتی ہے اور "مقدمہ شعر و شاعری" کو اردو تنقید کا پہلا منشور قرار دیا جاتا ہے۔ حالی کے تنقیدی نظریات کو ان کے نقادوں نے سائنسی تنقید کا نام دیا ہے جس کا جائزہ لینے کی اس مقالے میں کوشش کی گئی ہے۔

حالی کے معاصر نقادوں میں شبلی کا نام بھی غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ حالی کے یہاں افادیت کی جو لہر تیز ہو گئی تھی شبلی نے اسے اپنے جمالیاتی نظریۂ تنقید سے گوارہ بنانے کی کوشش کی۔ اسی لئے حالی کی تنقید کے ساتھ ساتھ شبلی کی تنقید کا مطالعہ اور محاکمہ بھی ضروری ہے۔ حالی اور شبلی دونوں ہمارے ایسے بزرگ نقاد ہیں جنھوں نے آنے والی نسلوں کو بہت دور تک متاثر کیا ہے۔ بادی النظر میں دونوں کے تنقیدی خیالات میں زبردست اختلاف نظر آتا ہے مگر دونوں کے تنقیدی نظریات کو ایک دوسرے کا تکملہ بھی کہا جا سکتا ہے جس کا جائزہ لینے کی اس مقالے

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

میں کوشش کی گئی ہے۔ اس مقالے کی تیاری میں دونوں بزرگ ناقدین حالی اور شبلی کی اہم تصنیفات میرے پیش نظر رہی ہیں مثلاً شبلی کی شعر العجم، موازنہ انیس و دبیر، مکاتیب شبلی، مقالات شبلی، حیات سعدی، اور حالی کی مقدمہ شعر و شاعری، یادگار غالب، حیات جاوید وغیرہ۔ یہ سب ہی نگارشات حالی اور شبلی کی تنقیدی بصیرت اور فنی صلاحیت کا جائزہ لینے میں معاون رہی ہیں اس کے علاوہ متعدد رسائل، مقالے اور مضامین سے مدد لی گئی ہے۔

یہ مقالہ چار ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں حالی اور شبلی سے قبل اردو تنقید کی صورت حال کا جائزہ لیا گیا ہے اور اس پس منظر اور ماخذ پر روشنی ڈالی گئی ہے جن سے ان ناقدین نے اثر قبول کیا اور اپنے بنیادی افکار کی تشکیل کی۔ ان کی تنقید میں مغربی و مشرقی ادب کی کس حد تک آمیزش پائی جاتی ہے، کس قسم کے سیاسی، معاشی، تہذیبی و ادبی حالات ان کے پیش نظر تھے۔

دوسرے باب میں حالی کے نظریۂ شعر پر بحث کی گئی ہے۔

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

ان کے تصورات میں اخلاقیات کا عنصر کس طرح غالب رہا ہے، شاعری اور سوسائٹی کے ایک دوسرے پر اثرات، شخصی و جمہوری حکومت میں شاعری کی صورت حال، شعر کی تعریف، شاعری کی ضروری شرائط، نئی شاعری کی بنیاد، شعر میں قافیہ و بحر کی ضرورت، قوت متخیلہ، مطالعۂ کائنات کی ضرورت، تلخص الفاظ، آمد اور آورد، ابن خلدون کے نظریات پر حالی کی رائے، اساتذہ کے کلام سے شاعر کو کیا مدد ملتی ہے، تخیل کے لئے قوت ممیزہ کی پابندی وغیرہ کے سلسلے میں حالی کے نظریات وضاحت سے پیش کئے ہیں۔ اس کے علاوہ شاعرانہ کلام میں کن اوصاف کا ہونا شرط ہے، سادگی، اصلیت اور جوش کا مفہوم، مبالغہ کا جواز، نیچرل شاعری پر حالی کی رائے، غزل کی اصلاح نیز دیگر اصناف سخن کی موجودہ صورت حال پر حالی کے اصلاحی نکات و مشورے وغیرہ پیش کئے گئے ہیں۔

شبلی کا نظریۂ شعر تیسرے باب میں پیش کیا گیا ہے معمولی فرق کے ساتھ تقریباً انھیں موضوعات پر بحث کی گئی ہے جو حالی کے نظریہ شعر کے تحت بیان کئے گئے تھے۔ سیاسی و مادی حالات کے شاعری پر اثرات،

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

خطابت اور شاعری کا فرق، مواد اور ہیئت، محاکات، شاعرانہ مصوری، شاعری میں تاثیر پیدا کرنے کے اصول، تخیل کے نکات و حدود، مبالغہ، تشبیہ و استعارات کی ضرورت، الفاظ، تراکیب اور اسلوب کو معنی پر ترجیح، فصاحت و بلاغت کے پہلو، عملی تنقید کے بنیادی اصول وغیرہ موضوعات پر شبلی کے تصورات کا واضح بیان ہے۔

چوتھے باب میں حالی اور شبلی کی تنقید کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ ایسی کوئی کوشش نہیں کی گئی ہے کہ ان دونوں ناقدین میں کسی ایک کو ترجیحی حیثیت و مرتبہ کا حامل ثابت کیا جائے بلکہ اس جائزہ میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ چند بنیادی اختلافات کے ہوتے ہوئے بھی فن تنقید کے میدان میں یہ دونوں ایک دوسرے کے ممد و معاون رہے ہیں اور یہ دونوں ہی بزرگ اردو تنقید کی ادب کے محسن ہیں۔ بہرحال تقابلی جائزہ میں حالی اور شبلی کی تنقید میں مماثلت و اختلاف کے پہلو مختلف موضوعات کے تحت ظاہر کر دئے گئے ہیں۔ انھوں نے پرانے طرز شاعری کو کس حد تک قابل اصلاح سمجھا۔ حالی کے یہاں اخلاق اور افادیت اور شبلی کے یہاں جمالیات کے

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

عنصر غالب رہے ہیں۔ حالی غزل میں بڑی حد تک اصلاح چاہتے ہیں اس میں مقصدیت شامل کرنا چاہتے ہیں۔ شبلی غزل کی رنگینی برقرار رکھنے کے حامی ہیں مقصدیت کو زیادہ اہمیت ان کے یہاں نہیں دی جاتی۔ حالی عربی شاعری سے اور شبلی فارسی شاعری سے اپنے نظریات اخذ کرتے ہیں۔ مغربی ادب کو معاون بنانے کے ساتھ ساتھ مقاصد میں اختلاف ہے۔ حالی اور شبلی کی تنقید پر چنیدہ اہل قلم حضرات کی آرا بھی پیش کر دی گئی ہیں۔

آخر میں کتابیات کے عنوان سے ان کتب و رسائل کی فہرست ہے جو مقالے کی تیاری کے سلسلے میں میرے زیر مطالعہ رہے ہیں اور جن میں بعض کے حوالے بھی شامل کیے گئے ہیں۔

یہ مقالہ محترم پروفیسر شہریار صاحب کی نگرانی میں لکھا گیا ہے ان کے خلوص اور رہنمائی کے لئے میں ان کی تہہ دل سے شکر گذار ہوں۔

میں اپنے والدین، اپنے شریک حیات الیف۔ یو۔ رحمان صاحب کی احسان مند ہوں جنہوں نے مقالے کی ترتیب

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

کے سلسلے میں میری ہمت افزائی کی اور ہر طرح کے تعاون کے جذبے کا اظہار کیا۔

ساتھ ساتھ مولانا آزاد لائبریری کے اراکین اور شعبہ کے سیمینار انچارج کی ہمدردی اور تعاون کی بھی میں شکر گذار ہوں۔

شہناز اختر

شہناز اختر
(ریسرچ اسکالر)
شعبہ اردو
مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

۱۹۹۶ء

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

حالی اور شبلی سے قبل اُردو تنقید کی صورت حال

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

حالی اور شبلی سے قبل اردو تنقید کی صورت حال۔

کسی خاص زمانے کی ادبی تخلیقات کی قدر و قیمت متعین کرنے سے پہلے اس عہد کے عام ادبی مذاق کا جائزہ لینا ضروری ہے ادبی تخلیقات کی طرح تنقید پر بھی اس اصول کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس مقالے میں ہم نے کوشش کی ہے کہ اردو تنقید کے پس منظر اور تنقید کی اصول و نظریات کی باقاعدہ کتابوں کی حیثیت میں آنے سے پہلے تنقید کے مراحل سے بحث کی جائے۔ حالی اور شبلی کے وقیع نظریات و تصورات کے سامنے آنے سے پہلے اردو تنقید کسی شکل میں موجود تھی۔ اردو تنقید کے مختلف ادوار کا بیان کرتے ہوئے ہم حالی اور شبلی کی ناقدانہ صلاحیت پر نظر ڈالیں گے اور ادب کے ان معماروں کی ادبی تربیت مزاج اور علم و عرفان کا جائزہ لیں گے۔

اردو تنقید کی باضابطہ اور باقاعدہ کتاب "مقدمہ شعر و شاعری" حالی کی کوشش کا ثمرہ ہے اس کے بعد معرکتہ الآرا کتاب شبلی کی "شعر العجم" مانی جاتی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان دو تصانیف سے پہلے اردو میں تنقید کا وجود نہیں تھا۔ اردو کے ابتدائی دور پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ تنقیدی خیالات و نظریات بہت پہلے پیدا ہو چکے تھے یہ اور بات ہے کہ یہ اشارات بے ربط منتشر اور اصول و ضوابط کی باقاعدہ شکل سے محروم تھے۔ اور نہ ہی کوئی کتاب اس موضوع پر لکھی گئی تھی۔ یہ ابتدائی تنقید کے مظاہرے مختلف جگہ ملتے ہیں۔

اردو ادب میں تنقیدی شعور بہت حد تک آزاد کی کوششوں سے پیدا ہوا۔ آزاد اولین نقاد ہیں جنھوں نے اردو شاعری کے حسن و قبح پر روشنی ڈالی۔ ان کی کتاب "آب حیات" کو اردو تنقید کی تاریخ میں نقش اول کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کی اس اہمیت کے پیش نظر مختلف نقطہ ہائے نظر کے تحت اسے مطالعہ کا موضوع بنایا گیا۔ جس کے نتیجے میں مختلف حقائق سامنے آئے۔ آب حیات پر مختلف انداز میں تبصرے کئے گئے ہیں۔ لیکن اکثر ان تنقیدی نظریات کا جائزہ نہیں لیا گیا ہے جن پر آب حیات کی بنیاد ہے۔ آب حیات میں شاعری کی تنقید اس کی ماہیت اس کے اصول و ضوابط اس کے اغراض و مقاصد پر مفصل بحث اور باقاعدہ بحث نہیں کی گئی ہے اس طرح تنقید کا باقاعدہ طور پر آغاز حالی اور شبلی ہی سے ہوتا ہے۔ "مقدمہ شعر و شاعری" اور "شعر العجم" یہی دو کتابیں ہیں جن میں پہلی بار باضابطہ طور پر تنقیدی اصول مرتب کئے گئے۔ جو آج بھی ہماری رہنمائی کر رہی ہیں۔

اردو ادب کے قدیم ادبی اور شعری سرمایہ کے مطالعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قدیم ابتدائی دور میں ایک تنقیدی شعور تو تھا۔ لیکن اس تنقیدی شعور پر جمالیات کا اثر ہے۔ شعر کو پسند اور ناپسند کرنے کا معیار بھی جمالیاتی نظریہ کے تحت ہوتا تھا۔ دراصل ان کا مقصد کسی شاعرانہ کلام کا مکمل تنقیدی جائزہ پیش کرنا نہیں ہوتا تھا۔ ان کا مقصد اپنی پسند اور ناپسند کے مطابق کسی شاعرانہ کلام کا انتخاب اور اس پر رائے دینا ہوتا تھا۔ اگر ہم ان کے بیان

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

کسی مربوط اور مکمل تنقیدی نقطۂ نظر کی تلاش کریں تو یہ لا حاصل ہوگا کیونکہ ارادتاً تنقیدی نظریات پیش نہیں کئے جاتے تھے بلکہ تنقید کی عناصر تو ان میں غیر شعوری طور پر پیدا ہو گئے تھے۔ اساتذہ فن شاعری، اس کی ماہیت، لوازمات اور حسن و قبح کا احساس ضرور رکھتے تھے جس کا اظہار مختلف صورتوں میں کیا گیا ہے۔ یہ تنقید کی اصول و ضوابط تذکروں، تقاریظ، دواوین کے دیباچوں، شعرا کے کلام، اساتذہ کی اصلاحوں میں، مشاعروں کی داد میں پائے جاتے ہیں۔

تذکروں میں تنقید۔

اردو ادب میں تذکروں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ ہمارے ادب کا بیش قیمت سرمایہ ہیں اردو تنقید کے پس منظر کے بارے میں جاننے کے لئے قدیم شعرا کے تذکروں کا مطالعہ ضروری ہے کیونکہ ابتدائی تنقیدی اشارات ان تذکروں میں ہی ملتے ہیں۔ حالی اور شبلی کی تنقیدی و تحقیقی اہمیت سے واقف ہونے کے لئے اردو شعرا کے تذکروں کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ تنقید کی تاریخ، اس کے ادوار اور ارتقا کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں تذکرہ نگاری کے سرمایہ سے بہت کچھ مدد لی گئی ہے۔

اردو شاعری میں تذکرہ نویسی کا رواج فارسی تذکروں کی بنیاد پر ہوا۔ اردو شاعری کے تذکرے فارسی شاعروں کے طرز میں لکھے گئے۔ اردو شعرا کے تذکروں میں فارسی تذکرہ نویسوں کی طرح شعرا کی زندگی کے متعلق چند سطریں لکھی جاتی ہیں۔ اور اگر مناسب

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

سمجھتے ہیں تو کلام پر رائے بھی پیش کر دیتے ہیں اور نمونہ کلام کے طور پر کچھ اشعار لکھ دیئے جاتے ہیں اور آخر میں کلام کا انتخاب بھی پیش کرتے ہیں۔ اصول کے لحاظ سے ان میں فارسی تذکرہ نویسی کی تقلید کی گئی ہے۔ بکثرت بعض تذکرے تو فارسی زبان میں لکھے گئے ہیں عبادت بریلوی کا خیال ہے۔

"بات یہ ہے کہ ان لکھنے والوں کے سامنے سوائے فارسی تذکروں کے اور کوئی نمونہ نہیں تھا۔ دوسرے یہ کہ ان کے نزدیک ان تذکروں کی شخصیت بڑی حد تک نجی، شخصی اور ذاتی تھی۔ ذرائع نشر و اشاعت موجود نہیں تھے اور شعر و شاعری کا چرچا عام تھا چنانچہ اس شعر و شاعری کے ذوق عام ادبی گروہ بندی اور اردو مشاعرے کے رسم و رواج میں تذکرہ نگاری کے فن اور مشغلے کو بہت تقویت دی چنانچہ ایک صدی کے اندر تذکرے معرض وجود میں آگئے۔ بیاض نویسی بھی تذکرے کی طرح ایک مقبول عام شغل تھا۔ جو لوگ عمدہ تذکرے نہ لکھ سکتے تھے وہ اپنے ذوق کی تشفی کے لئے بیاض اشعار بنا لیتے تھے جس میں اپنی پسند کے اشعار اور غزلیں شاعر کے نام اور مختصر حالات کی قید سے جمع کر لیتے تھے۔ لیکن بیاض کے لئے کوئی خاص ترتیب نہیں ہوتی تھی۔ جس جامع

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

اور مرتب نے پسند کیا مرتب کر لیا شعرا کے کلام کا عمدہ
انتخاب بھی ایک دلچسپ چیز تھی بہت سے صاحبانِ ذوق
قدیم جدید شعراء کے کلام کا انتخاب ایک خاص ترتیب کے
ماتحت بھی کر لیا کرتے تھے جس کے ساتھ نہایت مختصر حالات
شعرا کے دے جاتے تھے مگر بعض اوقات صرف نام دیا
دیا جاتا تھا" [1]

ظاہر ہے کہ تذکرہ نویسی کے آغاز میں بیاض نویسی کا بیان کرنا بھی مناسب ہے اردو ادب سے ذوق رکھنے والے اپنی پسند کے مطابق کسی شاعر کا کلام اور اس کے مختصر حالات زندگی اپنی بیاضوں میں درج کر لیتے تھے جس میں اپنی پسند کے اشعار اور انتخاب تحریر کرتے تھے۔ ادب کی تاریخ میں گارساں دتاسی نے اپنی کتاب "ہندوستانی ادب کی تاریخ" اور "خطبات" میں ان بیاضوں اور انتخاب کو تذکروں کی فہرست میں شامل کیا ہے اس سلسلے میں نثار ردولوی لکھتے ہیں۔

"یہ تذکرے عموماً ایک طرح کے ہیں ان میں کہیں کہیں

---

[1] اردو تنقید کا ارتقا۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی ص ۸۵-۸۶

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

معمولی اختلاف تو ضرور نظر آتا ہے لیکن وہ اختلاف
اصولی نہیں ہے۔ بعض تذکروں میں تنقیدی شعور بھی نظر
آتا ہے لیکن عام طور پر تذکرے عملی تنقید کو نہیں پہنچتے
ذوق اور وجدان ہی ان کا رہنما ہوتا ہے اچھے اور برے کے
امتیاز کے لئے ان کے انداز کو تنقیدی شعور سے تعبیر
کیا جا سکتا ہے" [1]

ان تمام تذکروں میں کچھ مشترک چیزیں نظر آتی ہیں ایک تو شاعر کے مختصر حالات اس کے کلام پر مختصر تبصرہ اور پھر تیسرے کلام کا انتخاب یہ تینوں باتیں تمام تذکروں میں نمایاں ہیں۔ ان تذکروں میں جو تنقید کی عنصر موجود ہے اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اختر انصاری کی رائے ہے۔

"..... اس کا تعلق ہمیشہ زبان و الفاظ، محاورہ و روزمرہ، بندش و ترکیب اور قافیہ و وزن، یعنی شعر کے خارجی پہلوؤں سے ہوتا ہے تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ تذکرے اپنے تنقیدی افلاس اور شعور کی تہہ بائیگی

---

[1] ۔ جدید اردو تنقید اصول و نظریات ڈاکٹر شارب ردولوی ص ۱۷۷

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

کے باوجود بعض تنقیدی مفروضات کی آئینہ داری کرتے ہیں اور یقیناً
تذکرہ نویسوں کے ذہن میں بھی ادب و فن کے کچھ معیار تھے جن کی رہبری
میں وہ شعرا کے کلام پر رائے زنی کرتے تھے،، [1]

یہ تذکرے جس ماحول میں لکھے گئے اس ماحول کے معیاروں کے مطابق ہی ان کو پرکھنا ہوگا۔ ورنہ ان کی اہمیت کا اندازہ کرنا مشکل ہے ادب کے جدید پیمانے اس قدیم سرمائے کو ناپنے کے لئے مناسب نہیں ہیں۔ ان میں جدید اسالیب کو تلاش کرنا بے کار ہے۔ بہرحال ان تذکروں کی اپنی تاریخی، ادبی اور تنقیدی اہمیت ہے اس سلسلے میں ابواللیث صدیقی کا خیال ہے۔

"ہمیں تذکروں پر تنقیدی و تحقیقی قلم اٹھاتے وقت اس بات کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ ایک ایسے عہد، ماحول اور ادبی فضا میں لکھے گئے ہیں جس میں نقد شعر اور سخن فہمی کا معیار آج کے معیار سے بالکل مختلف تھا۔۔۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی کے مذاقِ ادب، طرز تنقید اور انداز تذکرہ نگاری کو بیسویں صدی عیسوی کے نقطہ نگاہ سے جانچنا کسی طرح مناسب نہیں،، [2]

---

[1] حالی اور نیا تنقیدی شعور۔ اختر انصاری ص ۱۹ - ۲۰

[2] معیار شعر و سخن ابواللیث صدیقی بحوالہ فن تنقید اور اردو تنقید نگاری۔ نورالحسن نقوی ص ۱۰۰

www.urduchannel.in

تذکرہ نویسی کا مقصد کسی شاعر کے کلام کا مکمل تنقیدی جائزہ پیش کرنا نہیں ہوتا تھا۔ ان کا مقصد تو اپنی پسند اور ناپسند کے مطابق کلام کا انتخاب اور اس پر رائے دینا ہوتا تھا۔ ان تذکروں میں کسی مربوط اور مکمل تنقیدی نقطۂ نظر کی تلاش مناسب نہیں معلوم ہوتی۔ یہ تذکرے ارادتاً تنقیدی نہیں ہوتے تھے بلکہ تنقیدی عناصر تو ان میں غیر شعوری طور پر پیدا ہو گئے ہیں۔

اب یہ ظاہر ہے کہ شعراء کے تذکرے لکھنے والوں کے سامنے بعض معیار تھے۔ مختلف تذکرہ نگاروں نے اپنے اپنے معیار کے مطابق شعراء کے کلام پر اپنی رائے ظاہر کی ہے۔ اس سلسلے میں میرؔ کا نکات الشعرا اہمیت رکھتا ہے اور یہ شعراء کا سب سے قدیم تذکرہ ہے۔ جو ۱۱۶۵ھ میں تصنیف کیا گیا۔ اس میں مختلف شعراء کا ذکر مختصر طور پر کیا گیا ہے ساتھ ہی شعراء کے کلام پر بے لاگ رائے دی گئی ہے۔ بعض جگہ ان کی تنقید جارحانہ بھی ہوگئی ہے لیکن اس تذکرے میں بہت زیادہ اختصار ہے سنین کی طرف توجہ نہیں دی ہے اس کے باوجود اس کتاب کو غیر معمولی قدر و منزلت حاصل ہے۔ اور اس کی ادبی اہمیت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ میرؔ نے تقریباً تمام اہم شاعروں کے کلام پر اپنی تنقیدی رائیں دی ہیں۔ آرزو کی شاعری پر میرؔ نے حسب ذیل رائے دی ہے۔

"شاعر زبردست قادر سخن عالم فاضل تا حال ہمچو ایشاں بہندوستاں جنت نشان بہم نرسیدہ بلکہ بحث در ایران میرود۔ شہرہ آفاق در سخن فہمی طاق، صاحب تصنیفات دہ پانزدہ کتب درسالہ و دیوان و مثنویات۔ حاصل کمالات اوشاں از حیزۂ بیان بیرونست۔ ہمہ دوستاداں مضبوط فن ریختہ ہم شاگرداں آں بزرگوارند" لے

سودا کی شاعری پر یہ تبصرہ کیا ہے۔

"غزل و قصیدہ و مثنوی و قطعہ و مخمس و رباعی ہمہ را خوب میگوید شعرائے ہندی اوست بسیار خوشگواست۔ ہر شعرش طرف لطف رستہ رستہ درچمن بندی الفاظش گل معنی دستہ دستہ ہر مصرع برجستہ اش مرا سرد آزاد بندہ پیش فکر عالیش طبع عالی شہر بندہ شاعر ریختہ چنانچہ ملک الشعرائے ریختہ اور اشا بر قصیدہ در ہجواست گفتہ بہ تضحیک روزگار، دو ہزار حد مقدر دراد صفحتہا بکار بردہ" ۲ے

لے نکات الشعراء۔ میر تقی میر ص ۱۴
۲ے " " " ص ۳۲ تا ۳۳

www.urduchannel.in

خواجہ میر درد کی شاعری پر حسب ذیل رائے دی ہے۔

"جوشش بہار گلستان سخن، عندلیب خوش خوان چمن این فن زبان گفتگو یش گرہ کشائے مائل زلف شام مدعا۔ مصرع نوشتہ اش بر صفحہ کاغذ از گل صبح خوشنما۔ طبع سخن پرداز او سرد مائل چمنستان انداز ست۔ در کوچہ باغ تلاش بطرلق گل گشت قدم رنجہ میفرماید۔ در چمن شورش لفظ رنگیں چمن چمن۔ گلچیں خیال او را گل معنی دامن دامن۔ شاعر زور آور ریختہ، در کمال علاقگی وارستہ، خلیق، متواضع، آشنائے درست" [1]

میر انعام اللہ یقین کے بارے میں تحریر کرتے ہیں۔

"بعد از ملاقات این قدر معلوم شد کہ ذائقہ شعر فہمی مطلق ندارد شاید از ہمیں راہ مردمان گمان ناموزونی در حق او داشتہ باشند۔ مجھے بر این اتفاق دارند کہ شاعری او خالی از نقص نیست۔ چراکہ شاعر این قسم کم فہم نمیباشد" [2]

سید عبداللہ میر کی نکات الشعراء کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"جس طرح انگریزی ادب میں جانسن کے تذکرۃ الشعراء کو غیر معمولی قدر و منزلت حاصل ہے اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ میر تقی میر کے تذکرہ نکات الشعراء کی فنی اور ادبی اہمیت کو بھی تسلیم کیا جاتا ہے"۔ [3]

آگے لکھتے ہیں۔

"تذکرہ میر کی امتیازی خصوصیت اس کی تلخ تنقید ہے وہ اندھی اور بہری عقیدت جو ہر قدیم مشرقی اخلاق کا ایک جزو ہے اور وہ عام رواداری جو اکثر حالات میں ہیرو کے معائب بیان کرنے سے سوانح نگاروں کو روکتی ہے۔ نکات الشعراء میں عموماً مفقود ہے" [4]

اس سلسلے میں میر حسن کی کتاب تذکرہ شعرائے اردو کا بیان کرنا بھی مناسب ہے۔ اس میں بھی اسی طرح کی تنقیدی آرا پائی جاتی ہیں۔ اس میں شعراء کی شخصیت و سیرت کے نقشے کھینچنے میں تعریف و توصیف سے کام لیا ہے اس میں

---

[1] نکات الشعراء۔ میر تقی میر ص ۵۲
[2] " " " ص ۸۵
[3] شعرائے اردو کے تذکرے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ ص ۲۷
[4] " " " ص ۳۱

www.urduchannel.in

تنقید کا عنصر برائے نام ہے۔ سنوں کی طرف خاص توجہ دی ہے۔ اس تذکرہ میں جرأت، انشا، سودا، میر تقی میر وغیرہ کے کلام پر رائے پیش کی ہے۔

میر حسن درد کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"۔۔۔۔ طنطنۂ فضل و کمال و دبدبۂ جاہ و جلالش بہ افلاک رسیدہ، و طناب خیمۂ فکر عالیش چوں شعاع مہر از مشرق تا بہ مغرب کشیدہ (میدان بیان او وضع و طرز معانی او بدیع) ۔۔۔۔" ۱

سودا کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"سودا استاد استادان کامل و نادر، سر آمد شعرائے زماں، در میدان نزاکت بیان فکرش بجولاں چوں مہر گرم تاز است و در عرصہ لطافت و قدرت و متانت سخن بازوئے فطرت او چوں تیر راست، انداز است۔ فلک از علو مرتبہ فکرش انگشت ہلال بہ دندان پروین گرفتہ و خورشید از سمو منزلت خاک قدم طبعش را بجاروب مژگاں رفتہ" ۲

میر کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔

"۔۔۔۔ میر رفعت رواق کاخ بیانش از طاق سپہر برتر و گوہر کان ضمیرش از جوہر مہر عالی گوہر، فکر عالیش در عین خوش آئی و طبع روانش در عین شادابی، چراغ نثرش روشن و ساخت نظمش گلشن، تحریرش چوں در خوش آب و آبدار سخنش بے حساب صیقل فکرش ۔۔۔۔" ۳

شیفتہ کا گلشن بے خار بھی تذکرہ نگاری میں اہمیت کا حامل ہے اس کی اہمیت کا راز اس کے تنقیدی عنصر میں ہے مرزا علی لطف کے تذکرہ "گلشن ہند" کو تاریخی اہمیت حاصل ہے اس میں تنقیدی عنصر برائے نام ہے کریم الدین کا تذکرہ "طبقات الشعرائے ہند" ایک اہم تذکرہ ہے۔ اس میں اردو شاعری کی ابتدا اور ارتقاء پر بحث کی ہے اس میں ۹۶۴ شعراء کا ذکر ملتا ہے۔ عبدالحی بدایونی کا تذکرہ "شمیم سخن" ۱۲۸۹ھ میں لکھا گیا اس میں زبان اردو اور نظم اردو کے ارتقاء کا بیان ہے اسی طرح مصحفی کا تذکرہ ہندی، فتح علی حسینی گردیزی کا تذکرہ "ریختہ گویاں"، شفیق اورنگ آبادی کا "چمنستان شعراء"، قائم کا "مخزن نکات" ان سب میں تنقیدی شعور پایا جاتا ہے۔ اور یہ تذکرے اردو ادب میں تنقید کے آغاز کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان میں تنقیدی اشارے بھی ملتے ہیں جو جدید تنقید کے فن میں بھی کافی اہمیت رکھتے ہیں۔

---

۱ تذکرہ شعرائے ہندی۔ میر حسن ص ۱۳۳
۲ " " " ص ۱۲۱
۳ " " " ص ۲۸۱

اردو شعراء کے کلام میں تنقیدی اشارے

اردو شعراء کے کلام میں تنقیدی عنصر بہت کم ملتا ہے پھر بھی جگہ جگہ تنقیدی اشارے پائے جاتے ہیں اردو کے قدیم شعراء کے زمانے سے ہی تنقیدی خیالات ظاہر کئے جانے لگے تھے۔ اس سلسلہ میں ملا وجہی کی مشہور مثنوی قطب مشتری ۱۶۰۸ء قابل ذکر ہے اس میں بہت سے تنقیدی اشارے پیش کئے گئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اچھا شعر کسے کہتے ہیں اور شعر کے فن میں کن چیزوں کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ روانی اور سلاست شعر کے حسن کو بڑھا دیتے ہیں تسلسل کا ہونا اشعار کی خوبی ہے الفاظ اور معنی میں مطابقت ہونا چاہیے۔ اساتذہ کے طریقوں کو اپنانا از حد ضروری ہے الفاظ مناسب اور محل کے مطابق ہونا چاہئیے الفاظ سے شعر کا اثر بڑھ جاتا ہے ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ کم سے کم الفاظ ہوں لیکن اس کے معنی بہت گہرے ہوں وہ شعر تعریف کے قابل ہے جو دل پر فوراً اثر کرے جوش اور خاص طور کا جذبہ پیدا کردے شعر کا معیار اونچا ہونا چاہئیے اس کے ساتھ ہی نزاکت اور جدت بھی ضروری ہے شاعرانہ خوبیاں صنائع بدائع وغیرہ جب تک شعر میں نہ ہوں وہ پسند نہیں کیا جائے گا ان کے چند اشعار درج ذیل ہیں

کہتا ہوں تجھے پند کی ایک بات   کہ ہے فائدہ اس منے دھات دھات

جو بے ربط بولے تو بتیاں بیس   بھلا ہے جو یک بیت بولے سلیس

سلاست نہیں جس کرے بات میں   پڑا جائے کیوں جز لیکر ہات میں

جسے بات کے ربط کا نام نیں   اسے شعر کہنے سوں کچ کام نیں

تو لی نکو کر بولنے کا ہوس   اگر خوب بولے تو یک بیت بس

ہنر ہے تو کچ نازکی برت یاں   کہ موٹاں نہیں باندتے رنگ کیاں

www.urduchannel.in

دو کچ شعر کے فن میں مشکل اچھے ۔ کہ لفظ ہور معنی یو سب مل اچھے
اسی لفظ کو شعر میں لیائیں تول ۔ کہ لیایا ہے استاد جیسی لفظ کوں
اگر خام ہے شعر کا نکلوں چھند ۔ چنے لفظ لیا ہور معنی بلند
رکھیا ایک معنی اگر زور ہے ۔ ولے کچ مزہ بات کا ہور ہے
اگر خوب محبوب جیوں سور ہے ۔ سنوارے تو نورٌ علیٰ نور ہے
اگر لاک عیباں اچھے نار میں ۔ ہنر ہود سے خوب سنگار میں
ہنر مشکل اس شعر میں پوچ ہے ۔ کہ تھوڑے اچھیں حرف معنی سوے
یو سریے شعر کہنے یوں سب شعر میں ۔ کہ بولاں کدھر ہور معنی کہیں
جو کرنا نکیسکا ہنر دیکھ کر ۔ ہنر وند اسے ہیں کہتے ہے ہنر
نوا دل نے لیانا ہے مشکل کہنا ۔ کہ آساں ہے دیکھ کر بولنا
ہنر وند اس کوں کہیا جائے گا ۔ جکوئی اپنے دل تے نوا لیائے گا
اگر کس نے نقل خاص کچ جاننا ۔ اسے دل میں استاد کر ماننا
دل دیوانا ہوں اس رنگین بات کا ۔ کہ ہر دل میں جیوں ہو کرے ٹھارا
مری بات سن بات اس دھات بول ۔ کہ جیوں کوں خوشی ہور دل کوں ملول
نکو بول مضموں نو ہور کا ۔ کہ کالا ہے دو جگ میں منہ چور کا
شعر کر کہ کئی لوگ جوڑے ہیں ۔ بڑے بہت ہور خوب تھوڑے ہیں [1]

---

[1] قطب مشتری ملا وجہی ص ۱۴ — ۱۷

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

ولی دکنی کی شاعری میں شعر گوئی پر کئی اصول و ضوابط کا بیان ہے۔ مثلاً یہ کہ شعر سننے والے کے دل پر اثر پیدا کرے بلند خیالات و مضمون آفرینی اور فارسی اساتذہ مثلاً انوری کے انداز و طریقے کو اپنائے ولی کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں ؎

مرے سخن میں فکر سوں کر اے ولی نگاہ ۔ ہر بیت مجھ غزل میں ہے انتخاب کی

ولی تجھ شعر کو سنکر ہوئے ہیں مست اہل دل ۔ اثر ہے شعر میں تیرے شراب پر تگالی کی

اے ولی مجھ سخن کوں وہ پوچھے ۔ جس کوں حق نے دیا ہے فکر رسا

ہم پاس آکے بات نظیری کی مت کہو ۔ رکھتے نہیں نظیر اپس کی سخن میں ہم

دکھن میں تیرے شعر سن شوقی ہوئے ترے ولی ۔ جس کے لگ گیا ہے دل کے تئیں خوش شعر تجھ دیوان کا

یہ ریختہ ولی کا جاکر اسے سناؤ ۔ رکھتا ہے فکر روشن جو انوری کی مانند

ہر جا ہے گر اہل ہوس طالب تئیں مجھ شعر کے ۔ جن کو سخن کی بوجھ نہیں انکوں سوں کیا غرض

شاعروں میں اپس کا نام کیا ۔ جب ولی نے کیا یو دیوان جمع

دکھنی زباں میں شعر سب لوگاں کہے ہیں اے ولی ۔ لیکن نہیں بولا کوئی یک شعر خوشتر زیں نمط

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

بانگ بلند بات یہ کہتا ہوں اے ولی   اس شعر پر بجا ہے اگر مجکوں ناز ہے ۱ـہ

مجھ شعر کی روانی سینا جب سوں اے ولی   نم ناک ہے تد ہاں ستی دامن سحاب کا ۲ـہ

یہ ریختہ ولی کا جا کر اسے سناؤ   رکھتا ہے فکر روشن جو انوری کے مانند ۳ـہ

ولی شعر میرا سراسر ہے درد   خط و خال کی بات ہے خال خال (۱)

راہ مضمون تازہ بند نہیں   تا قیامت کھلا ہے باب سخن (۲)

اے ولی لگتا ہے ہر دل کو عزیز   شعر تیرا بس کے شوق انگیز ہے (۳)

ہر سخن تیرا لطافت سوں ولی   مثل گوہر زینت ہر گوش ہے (۴)

اے ولی صاحب سخن کی زباں   بزم معنی کی شمع روشن ہے (۵)

---

(۱) مطالعہ ولی نثار احمد ردولوی ص ۱۱۶
(۲) " " ص ۱۲۱
(۳) " " ص ۱۶۵
(۴) " " ص ۱۶۶
(۵) " " ص ۱۶۹

۱ـہ مطالعہ ولی (تنقید و انتخاب ڈاکٹر نثار احمد ردولوی ص ۵۱
۲ـہ " " ص ۸۲
۳ـہ " " ص ۱۰۴

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

ہاشمی کی مثنوی یوسف زلیخا میں بھی کچھ تنقیدی خیالات ملتے ہیں اس میں سلاست پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اور اسی کو شاعری کا معیار تسلیم کیا ہے۔

سلیس بول قصہ ہے گو ہوش مند — سلیس کون کو من عاقلاں سب پسند
سلیس بولنا بارکی کا ہے کام — سلیس کون تو عزت ہے جگ میں تمام

ابن نشاطی کی مثنوی 'پھول بن' میں شاعر نے کچھ تنقیدی اصول بتائے ہیں جس میں کئی شاعرانہ خوبیوں پر زور دیا گیا ہے۔ اس میں اساتذہ کے نقش قدم پر چلنے کی ہدایت کی گئی ہے مثلاً یہ اشعار ؎

رہے تازہ چمن پیرستہ میرا — شگفتہ ہے سدا گلدستہ میرا
لطافت میں ہے جیوں خوباں کی ابرو — ہر اک مصرع جو ہے برجستہ میرا

سخن کوں فہم سوں کرتا ہے توں خوب — سلاست بات کا دھرتا ہے توں خوب
سخن کو توں سنگارن جانتا ہے — سخن کوں تیرے ہر کئی مانتا ہے ؎

ہر اک مصرع اوپر ہو کر بحر خوب — رکھیا ہیں قافیہ لا مستند خوب

ولے استاد سوں تشبیہ دیتا — جو سو بات کو میں نظم کہتا۔
مری ہے نظمیں انشا کے دھاتاں — رہے انشاں کے دھاتاں اور باتاں
اگرچہ شاعری کا فن ہے عالی — ولے کیا کام آوے بات خالی
کہے ہے شعر کوں کر خیر و حکمت — کہ یو ہے شرط کچ ہونا نصیحت
اول بارے نصیحت اس میں اچھنا — نصیحت نہیں تو صفت اس میں اچھنا ؎

؎ پھول بن ابن نشاطی ص ۱۸۳
؎ 〃 〃 ص ۱۶۹ تا ۱۷۲

www.urduchannel.in

سراج اورنگ آبادی حسن کلام پیدا کرنے کے لیے اپنے اشعار میں کئی شاعرانہ خوبیوں کی طرف توجہ دلاتے ہیں ان کے مطابق دردمندی اور اثر آفرینی شعر کو اونچا درجہ عطا کرتی ہے۔ شعر سنکر ایسا محسوس ہونا چاہیے کہ یہ کسی قدرتی جذبہ سے پیدا ہوا ہے اور بناوٹ کے بغیر بڑی سادگی سے کہا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ذیل میں کچھ اشعار درج ہیں ؎

ہر مصرعہ موزوں ترا سلک گہر ہے اے سراج — بازار عالم میں نہیں کوئی تجھ سخن کا جوہری ۵۱
اثر ہے درد جگر کا مرے سخن میں سراج — عجب نہیں ہے اگر ہوئے یار کوں مرغوب ۵۲

حاتم کے کلام میں بھی تنقیدی خیالات ملتے ہیں انھوں نے صاف و شستہ زبان کو ضروری بتایا ہے۔ ابہام سے پاک شاعری پر زور دیا ہے۔ مثلاً

مصور کا اک ہر مو قلم ہو — بنے نہیں تو بھی تصویر سخن کو ۵۳

ان دنوں سبکو ہوا ہے صاف گوئی کا تلاش — نام کو چرچا نہیں حاتم کہیں ابہام کا ۵۴

رات دن جاری ہے عالم میں مرا فیض سخن — گو کہ ہوں محتاج پر حاتم ہوں ہندوستاں کے بیچ ۵۵

سودا وہی کلام پسند کرتے ہیں جو دل پر اثر کرے۔ الفاظ و معنی کی اہمیت پر بھی زور دیا ہے ذیل کے اشعار سے ان کے تنقیدی خیالات پر روشنی پڑتی ہے۔

نہیں آفاق میں دل کشی سخن بے تاثیر — گر اثر ہو تو کریں دل کو مسخر اشعار ۵۶
بے اثر جس کے سخن ہوئیں وہ شہر کیلئے — پڑھے گو مالک بہ مالک اپنے مکرر اشعار
آوے جو منھ میں وہ نکالے کسی کے حق میں — پر نہ نکلیں کبھی جذ دان کے باہر اشعار
حق کی امداد ہے مقبول سخن کا ہونا — یوں تو کہتے ہیں کبھی بہتر و بدتر اشعار ۵۷

---

۵۱ انتخاب سراج اورنگ آبادی مرتب محمد حسن ص ۲۱ — ۵۶ کلام سودا ڈاکٹر خورشید الاسلام ص ۱۴۳
۵۲ " " " ص ۳۸ — ۵۷ " " " ص ۱۴۲
۵۳ انتخاب حاتم مرتبہ ڈاکٹر عبدالحق ص ۲۳۰
۵۴ " " " ص ۷۹
۵۵ " " " ص ۱۲۴

www.urduchannel.in

کامل فن سخن کو کہتے ہیں اسکو اکمل　　پرورش لفظ کی منظور جسے ہو اول
پر نہ یاں تک کہ عبارت ہی کو کر دے مہمل　　اعتقاد ان کا ہے یوں وہ جو کئی ہیں اجمل
مو نہ ہو پرورش شانہ میں تو ہو موسل[1]

استاد کی ان کے ہے انہوں کو یہ نصیحت　　لفظی نہ تناسب ہو تو کچھ مت کرو تحریر
میر تقی میر نے اپنے اشعار میں بناوٹ سے بچنے کی ہدایت کی ہے۔ شعر کی خوبی یہ ہے کہ جو کچھ دل میں آتا ہے اس کو ویسے ہی کہہ دے۔ جس سے قدرتی جذبہ کا اظہار ہو اور تصنع سے پاک ہو۔ ابہام کو برا سمجھتے ہیں۔ ذیل کے اشعار سے ان کے تنقیدی خیالات ظاہر ہوتے ہیں۔

جو کچھ دل میں آتا ہے کہتے ہیں وہی　　زباں مرے دل کی مگر ترجمان ہے
میر شاعر بھی اور کوئی تھا　　دیکھتے ہو نہ بات کا اسلوب
غزل پر یاں کوئی موضوع کرد　　شامل کرو دل جگر خون کرد
گر دیکھوگے تم طرز کلام اس کی نظر کو　　اے اہل سخن میر کو استاد کروگے

شمالی ہند اور دکن کے شعراء کی طرح لکھنؤ کے شاعروں نے بھی تنقیدی اشارات اپنے کلام میں پیش کئے ہیں۔ ناسخ اور آتش کے اشعار میں بھی تنقیدی عناصر پائے جاتے ہیں۔ یہ رنگین اور فصیح کلام کو اونچا درجہ دیتے ہیں۔ اور بھی بہت سے شاعروں کے یہاں اس قسم کے تنقیدی خیالات ظاہر کئے گئے ہیں اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اردو شعراء میں ابتدائی زمانے سے ہی ایک خاص شعور موجود تھا۔ اور شاعری کا ایک معیار بنا لیا گیا تھا۔ کچھ خاص خوبیاں حسن کلام کے لئے ضروری سمجھی گئی تھیں اور اسی کے مطابق کلام پیش کیا جاتا تھا۔

اساتذہ کی تنقیدی اصلاحیں۔

ابتدا ہی سے اساتذہ اپنے شاگردوں کے کلام پر اصلاح کیا کرتے تھے۔ اس کا خاص مقصد یہ تھا۔ کہ شاگردوں کو ایک خاص قسم کی تربیت دی جائے۔ جس کی بنا پر وہ اپنی شاعرانہ صلاحیت سے پورا فائدہ اٹھا سکیں۔ اور اپنی غلطیوں سے بچیں اس طرح کی اصلاح سے شاگرد فن شاعری کی تمام

---

[1] کلام سودا　ڈاکٹر خورشید الاسلام　ص ۱۷۵

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

خوبیوں اور خامیوں سے واقف ہو جاتا تھا۔ الفاظ کا مناسب استعمال، صحیح زبان اور سارے نشیب و فراز سمجھا دیے جاتے تھے ظاہر ہے یہ اصلاح اسی وقت ہو سکتی تھی جبکہ استادہ تنقیدی شعور کے حامل ہوتے استاد محاوروں اور زبان کی شستگی کی باریکیوں سے واقف ہوتے تھے۔ بہت سے اشعار کسی معمولی لفظ کے استعمال کی وجہ سے اپنا اثر کھو دیتے تھے لیکن کسی استاد کی اصلاح کے بعد وہی شعر اعلیٰ درجہ کے مانے جاتے تھے۔ فصاحت اور بلاغت کے لحاظ سے بھی بعض الفاظ کا استعمال بڑی باریکبینی چاہتا ہے جو کسی استاد کی اصلاح کے بغیر ممکن نہیں مناسب لفظ کے استعمال سے شعر اعلیٰ درجہ کا ہو جاتا ہے اور شعر کی خوبی میں زمین آسمان کا فرق ہو جاتا ہے شاعری پر اصلاح کچھ تنقیدی اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کی جاتی ہے اس طرح اردو تنقید میں استادوں کی اصلاح جو شاگردوں کے کلام پر دی جاتی تھی اس کی اہمیت رہی ہے تنقیدی نقطہ نظر سے اصلاح سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شعر میں کیا غلطی ہے الفاظ صحیح اور موقع محل کے مطابق ہیں یا نہیں۔ زبان محاورے کے لحاظ سے غلط تو نہیں ہے انداز بیان کیسا ہے اور فنی طور سے ایسی خامی تو نہیں ہے جس سے کلام میں تاثیر پیدا نہ ہو سکی اس طرح تنقید کے میدان میں اصلاح کی بڑی اہمیت رہی ہے اور اس کی بنیاد پر تنقید کے ایسے قواعد و ضوابط بنائے گئے جو آج بھی اہمیت رکھتے ہیں۔

تقاریظ اور دیباچوں میں تنقیدی عناصر۔

اردو کے ابتدائی دور میں لکھی ہوئی کتابوں پر جو تقاریظ اور دیباچے لکھے گئے ان میں

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

جگہ جگہ کچھ تنقیدی عناصر بھی ملتے ہیں مثلاً فائز دہلوی کے دیوان میں جو دیباچہ تحریر کیا گیا ہے اس کا ایک اقتباس درج ذیل ہے جس میں شعر کی ضروری خوبیاں بیان کی گئی ہیں۔

"شعر کی ہر قسم کے لئے ضروری ہے کہ بدیع ہو اور قافیے درست معانی لطیف، الفاظ شیریں اور عبارت صاف ہو، تاکہ سمجھنے میں مشکل نہ پیدا ہو اور عبارتوں میں تکلف نہ ہونا چاہیے اور حرف زائد سے پاک ہونا چاہیے اور شاعر کو چاہیے کہ اسے نظم کی ترتیب سے شناسائی ہو اور تشبیہات کے قانون سے اور استعارات و محاورات کے فن سے اور تاریخ سے باخبر ہو اور حکماء کے کلام کا اتباع کرے اور اس کا طباع سلیم الفاظ رکیک کو پہچان لے اور تشبیہات کاذب، اشارات مجہول، ایہامات ناخوش، اوصاف غریب، استعارات بعید، مجازات نادرست اور تکلفات و مطبوع سے اجتناب کرے اور غیر ضروری کو کم کر دے اور لایعنی کا اضافہ نہ کرے اور اساتذہ کی تراکیب پر غور کرے تاکہ وہ رموز و رسم سے واقف ہو جائے اور اصطلاحوں سے باخبر رہے اور ان کی گہرائیوں سے مطلع ہو جائے تاکہ ان پر عبور حاصل ہو جائے اگرچہ شعر گوئی اس پر موقوف نہیں ہے لیکن شاعر کے لئے ان سب کا جاننا ضروری ہے"[1]

---

[1] خطبہ دیوان کلیات فائز (قلمی) - بحوالہ اردو تنقید کی تاریخ مسیح الزماں ص ۴۸

اس دیباچے میں جو تنقیدی اصول بتائے گئے ہیں ان کو مختصر طور پر اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے لطافت اور جدت شعر کو حسن عطا کرتے ہیں۔ اشعار میں قافیہ اور دیگر قواعد سخن کا لحاظ رکھنا چاہیے ایسے الفاظ ہوں جو عام آدمی کی سمجھ سے باہر ہوں اساتذہ کی ہدایات اور ان کے مقرر کردہ راستے سے پوری طرح واقفیت ہونا چاہئے۔ بھدے اور گھٹیا قسم کے الفاظ سے بچنا لازم ہے الفاظ کا انتخاب موقع محل کا لحاظ کرتے ہوئے کیا جائے تشبیہات، استعارات ایہام، غلط محاورے، صنائع بدائع کا بے موقع استعمال یہ سب سخن کی خوبی اور تاثیر کو زائل کرتے ہیں اس سلسلے میں باقر آگاہ کے دیوان کو پیش کیا جا سکتا ہے جس کے دیباچہ میں کچھ تنقیدی نکات پیش کئے گئے ہیں اس دیباچے کا ایک اقتباس درج ذیل ہے۔

"قصیدہ کب تک ابیات ہیں کہ مطلع رکھیں اور وزن قافیہ میں متحد ہوئیں اور بارہا بیت (غالباً بارہ بیت) سے تجاوز کریں اکثر تو اس کی حد نہیں لیکن نزدیک متاخرین کے مستحسن یہ ہے کہ ابیات اس کی ایک سو بیس سے زیادہ نہ ہوں وہ اغلب مدح میں ہوتا ہے اور مذمت یا فخر و نصیحت میں معنی قصیدہ کے مغز غلیظ یعنی قوی ہے جب قصائد میں معانی و مضامین جلیل و متعین درج ہوتے ہیں اور ذائقہ طبع سلیم کو لذت دیتے ہیں اس نام سے مسمیٰ ہو اور آخر قصیدہ مدحیہ قطعہ دعائیہ لانا لازم و اولیٰ ہے" [۴]

---

[۴] دیباچہ دیوان آگاہ بحوالہ اردو تنقید کی تاریخ مسیح الزماں ص ۱۷

www.urduchannel.in

اس بیان میں جو تنقیدی نکات ملتے ہیں وہ اس دور میں بھی صحیح اور مشعل راہ ہیں موجودہ تنقید نگار کچھ اس قسم کا راستہ بتاتے ہیں۔ اب ہم یہ مان سکتے ہیں کہ اردو کے ابتدائی شعرا کا کلام اور اس پر تقاریظ دیباچے ایک خاص معیار کو متعین کرتے ہوئے لکھے گئے۔ باقر آگاہ کی مثنوی گلزار عشق عرف قصہ اخوان شاہ و روح افزا کا جو دیباچہ تحریر کیا گیا ہے اس میں شعرا کے کلام کی حسن و قبح کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔

"بعد ازیں مخفی نہ رہے تمام ریختہ گویوں میں سودا اعتبار نمایاں پایا یعنی اس قدر اس کے باب میں دفتر اغراق کا کھولتے ہیں کہ اس بیچارے کو سب شعرائے ریختہ گو بلکہ تمام ادبار فارسی سے افضل و برتر بولتے ہیں اور واعجبا بل واحسرتا ملک الشعرا نصرتی کو نہیں مانتے اور قدر اس کے سحر حلال کی نہیں جانتے بڑی دستاویز ان کی یہ ہے کہ زبان اس کی کج مج ہے زہے دریافت و خوشا سخن فہمی و عجب سمجھ آیا نہیں جانتے کہ اتفاق سے شعرائے عرب و عجم و ہند کے معنی جان سخن آبدار اور لباس مستعار ہے تعصب کو ایک طرف رکھ کر سب کلیات سودا کو بغور ملاحظہ کر کے انتخاب کرے اور اُن سبھوں کو ایک داستان گلشن عشق یا علی نامہ سے مقابلہ دیوے تا انداز سے اس کی بواقعی واقف ہوئے سودا کو چھوڑ دے جس شاعر ناری گو

سے چاہے خواہ قصائد میں خواہ مثنوی میں اسے موازنہ میں لادے بالفعل ہی مہرو ماہ یکتائے فن طرازی عاقل خاں رازی کے بستن قصہ منیر وبد مالتی کا گلشن عشق سے مواجہہ کر دیکھیے تا معنی مثل دکھنی کے ہاتھ کنگن کو آرسی کیا خوب سمجھے۔۔۔ باوجود ان سب مراتب کے ہم انصاف کرتے ہیں کہ مرزا رفیع سودا قصائد و غزل میں بڑا سخن تراش و صاحب تلاش ہے محاورہ شستہ اوصاف میں یگانہ زمانہ اور شوق مزاج و رنگینی طبیعت میں ہرکسی افسانہ پر افسوس کہ ہمچو ہائے رکیک سے آشنا۔۔۔ تھا" [1]

اس طرح یہ بات واضح ہے کہ باقر آگاہ نے جو تنقیدی نکات اپنے دیباچوں میں پیش کئے ہیں وہ اردو ادب میں اہمیت رکھتے ہیں ان کا ایک خاص نظریہ شاعری میں خیال کو اولیت دینا ہے شاہ حاتم کے دیوان زادہ کی مثال بھی پیش کی جا سکتی ہے اس کے مقدمہ میں اصلاح کی جانب توجہ دلائی گئی ہے۔ ذیل کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

"دریں دلا از دہ دوازدہ سال ۔۔۔ اکثر الفاظ از نظر انداختہ لسان عربی و فارسی کہ قریب الفہم و کثیر الاستعمال باشد و روزمرہ دہلی کہ مرزا

---

[1] دیباچہ مثنوی گلزار عشق نسخہ قلمی مملوکہ نصیر الدین ہاشمی بحوالہ اردو تنقید کی تاریخ سید مسیح الزماں ۔ص ۷۷ - ۷۸

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

مان ہند (د) فصیح گویاں رند درمہاورہ (محاورہ) دارند منظور داشتہ
زباں ہر دیار نا بہ ہندوی کہ آں را بھاکا گویند موقوف نمودہ کردہ نقوط محوش روزمرہ
کہ عام فہم و خاص پسند بود اختیار کردہ / نمودہ شمہ ازاں الفاظ کہ تعقید دارد
بہ بیان می آرد چنانچہ عربی و فارسی مثلاً تسبیح را تسبی و صحیح را معنی و بیگانہ
را بگانہ و دیوانہ را دوانہ و مانند آں اطور عامہ یا متحرک را ساکن و
ساکن را متحرک چنانچہ مرض را مرض و مانند آں یا الفاظ ہندی کہ نین
و جاب ذت دلبہ وغیرہ انچہ باشد یا الفاظ مار ومور وازیں قبیل کہ بر خود
قباحتے لازم آید بجائے سی ستی یا ایدھر یا ادھر و کدھر یا کیدھر کہ
دراں زیادتی حرف باشد یا بجائے پر پہ یا یہاں را یاں وہاں رواں
کہ در مخرج تنگ بود یا کسرہ و فتح و ضم در قافیہ یا قافیہ را فارسی یا را ہندی
چنانچہ گھوڑا و بورا و شہر و سہر و مانند آں مگر ہائے ہوز را بدل کردن بہ
الف کہ از عام تا خاص درمہاورہ دارند شدہ دریں امر بہ متابعت جمہور
مجبور است چنانچہ شدہ را شد او پردہ را پردہ و آنچہ ازیں قبیل باشد دایں قاعدہ
را ناکجا شرح دہد غرض کہ خلاف محاورہ وغیر مصطلح و غلطی روزمرہ و نقصان
فصاحت را دخل نہ باشد العاقل تکفی الاشارۃ ۔۔"۔ [1]

---

[1] دیباچہ دیوان زادہ (قلمی) کتب خانہ رام پور بحوالہ اردو تنقید کی تاریخ۔ مسیح الزماں ص ۵۵-۵۶

www.urduchannel.in

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدائی دور میں ہی شعر و سخن کی طرف خیال مبذول ہو گیا تھا یہ احساس پیدا ہو گیا تھا کہ الفاظ دقیق اور مشکل استعمال نہ کئے جائیں بلکہ عام آدمی کے لئے جو مانوس ہوں ان کو رواج دیا جائے یعنی ایسی چیز پیش کی جائے جو عام آدمی کی دسترس سے باہر نہ ہو اس سلسلے میں مرزا حاتم علی بیگ مہر کی مثنوی کا حوالہ دینا بھی مناسب ہے جس پر مرزا غالب نے تقریظ لکھی ہے جس میں تنقید کی عناصر پائے جاتے ہیں۔

" اللہ اللہ المطلق کو آفریدگار نے کیا بنایا اور کیا سرمایہ دیا ہے اور امور دینی میں سے کسی امر کا شہود اور مصالح دنیوی میں سے کسی مصلحت کا وجود بلکہ اکثر بہ مثل اسم النظم فرض کیجئے تو اس کی بھی نمود جب تک اس لطیفہ فہمی کا شمول نہ ہو عالم امکان میں ممکن نہیں مسائل حکیمانہ کی مستی نزہات ندیمانہ کی مستی درد و درماں کے مدارج کا اظہار افسانہ و افسوس کے مقاصد کا مدار شکر و شکایت کا عنوان نفرین و آفرین کا بیان، رد و قبول کی حکایت، ہم و شکست کی روایت، طرف دنحو کی راز دانی، نثر و نظم کی گل افشانی جو کچھ اگلوں نے کہا ہے جو کچھ اب کوئی کہہ رہا ہے اور جو کچھ آگے کہیں گے اور قیامت تک کہتے رہیں گے جو کچھ متعلق نیک و بد تو و کہن سے ہے وابستہ نطق دشمن سے ہے اب سمجھتے ہیں۔ کہ

سخن از روئے مثل کہا ہے چشمہ ہے ندی ہے سیل ہے دریا ہے
کہیں روانی کس زور کا پانی اس کا چڑھاؤ اس کی رفتار اس پر کسی کا زور
کسی کا اختیار جدھر منہ کیا ادھر ایک نالہ بہا دیا۔ دریا کی لہر کیا گھوڑے
کی باگ ہے کس کے ہاتھ میں ہو ہوا ہاں اہل خرد کو اٹھالینا چاہیے جو
لطف جس بانے میں ہو۔ یہ مثنوی کہ مجموعہ دانش و آگہی ہے اگرچہ اس کو
سفینہ کہہ سکتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت ایک بحر ہے کہ سخن سے
ادھر کو بھی ہے۔ سخن ایک معشوقہ پری پیکر ہے تو طبع شعرا اس کا لباس
اور مضامین اس کا زیور ہے دیدہ وروں نے تماشا یہ سخن کو اس کا
لباس اور اس زیور میں رو کش راہ تمام پایا ہے اس رو سے
اس مثنوی نے شعاع نام پایا ہے کہیں یہ نہ سمجھنا کہ یہاں مہر سے
مراد آفتاب ہے یہ شعاع اس کی مہر ہے جو ذرہ خاک راہ پراعراب
ہے سچ تو یہ ہے کہ سخن اور روشن ضمیر میر مرزا حاتم علی مہر سخن طرازی میں
یہ سفینہ ہے اور از روئے انصاف اس طرح کہ ادھر سے لاف نہ ادھر
سے گزاف سچ مچ صاف یہ مہر اپنے ہم نام مہر میں ہم چشم اور ہے سب

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

جانتے ہیں کہ غالب کا شیوہ درویشی و آزاد روی ہے مہر کے حسنِ
گفتار اور میرے صدق اظہار پر برہان قاطع بہ مثنوی میں فن تاریخ معمے
سے بیگانہ ہوں حرف حسن خداداد معنی کا دیوانہ ہوں مثنوی طرز تحریر
دل پزیر ہوئی اس سے یہ تقریظ دل پزیر تحریر ہونی چاہیے یوں کہ کوئی کاتب
کسی وقت میں اس تقریظ کو مثنوی سے جدا نہ کرے ہاں گنجائش اس
کی ہے کہ کس زمانے میں سہو و غفلت سے یا مرد واقع ہو بیاں ہم
کہتے ہیں کہ خدا نہ کرے" [1]

غالب نے اس مثنوی کو جس معیار سے تقریظ کے قابل سمجھا ہے اس کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے اس کی زبان اور بیان میں جو روانی ہے وہ قابل توصیف ہے اس میں اثر آفرینی پائی جاتی ہے شاعر کی تمام خوبیاں اپنے کمال پر پائی جاتی ہیں اس مثنوی میں عقل و دانش کے نکات بھی ملتے ہیں اس تقریظ میں غالب کے خیالات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے تنقیدی نظریات کیا تھے ان سے کچھ اصول و ضوابط حاصل کئے جا سکتے ہیں مثلاً اس زمانے میں الفاظ کی اہمیت زیادہ تھی۔ اس وقت کی تنقید پسند اور ناپسند کے مطابق ہوتی تھی انہیں اصولوں کے مطابق قدیم شعرا کے کلام کا درجہ متعین کیا جاتا تھا یہ اصول عربی اور فارسی میں بھی ملتے تھے قدیم

---

[1] تقریظ بر مثنوی حاتم علی مہر۔ غالب ص ۲۲۹-۲۳۰

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

اردو تنقید کے اصول عربی اور فارسی کے ہی اصول ہیں عربی اور عجمی نقادوں کے مطابق شعر کے حسن و قبح کو موضوع نہیں بلکہ انداز بیان ظاہر کرتا ہے یعنی اسلوب کسی شعر کے درجے کو متعین کرتا ہے ابن جعفر نے مندرجہ ذیل مثال پیش کی ہے۔

"شاعر ایک بڑھئی ہے لکڑی کی اچھائی برائی

اس کے فن پر اثر انداز نہیں ہوتی" [1]

اس طرح وہ کہنا چاہتے ہیں کہ خراب لکڑی سے بھی ایک اونچے درجہ کا کاریگر اپنے فن کو پیش کر سکتا ہے وہی بات شاعری میں بھی درست ہے معمولی قسم کے مضمون کو قابل تعریف اور شاندار بنا سکتا ہے اور اس کے لئے وہ الفاظ کے انتخاب پر زور دیتا ہے اس سلسلے میں ابن خلدون کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

"الفاظ کو ایسا سمجھ جیسے پیالہ اور معانی کو ایسا سمجھ جیسے پانی پانی کو چاہو سونے کے پیالے میں بھر لو اور چاہے چاندی کے پیالے میں اور چاہو کانچ یا بلور یا سیپ کے پیالے میں اور چاہو مٹی کے پیالے میں پانی کی ذات میں کچھ فرق نہیں آتا۔ مگر

---

[1] نقد الشعر۔ قدامہ ابن جعفر بحوالہ مراۃ الشعر ص ۱۰

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

سونا چاندی وغیرہ کے پیالے میں اس کی قدر بڑھ جاتی ہے
اور مٹی کے پیالے میں کم ہو جاتی ہے اسی طرح معانی کی قدر
ایک فصیح اور ماہر کے بیان میں زیادہ ہو جاتی ہے اور غیر
فصیح کے بیان میں گھٹ جاتی ہے ،، [1]

مشاعرے اور تنقید کی شعور

اردو شاعری کے آغاز سے ہی مشاعروں کا دور دورہ شروع ہو گیا تھا مشاعرہ ایک ادبی محفل ہوتی ہے جس میں شعر و سخن کے رسیا ایک جگہ پر بڑے ذوق و شوق سے یکجا ہوتے ہیں بڑے قاعدے اور ترتیب سے باری باری شعرا اپنا کلام پیش کرتے ہیں بعض اپنے ترنم سے کلام کو زیادہ موثر بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہر شاعر کے کلام کو سامعین بڑے غور سے سنتے ہیں جو شعر انہیں پسند آتا ہے اس پر خوب داد دی جاتی ہے اب سوال یہ ہے کہ سامعین شعروں کو پسند کرتے وقت کس معیار کو ذہن

---

[1] ابن خلدون - بحوالہ مقدمہ شعر و شاعری - حالی ص ۱۴۲

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

میں رکھتے ہیں اتنا تو ظاہر ہے کچھ اصول اور قواعد شعر کا درجہ تعین کرنے کے لئے ان کے ذہن میں ضرور ہوتے ہیں، چاہے وہ اصول باقاعدہ تحریری طور پر انہوں نے نہ لکھے ہوں یا نہ پڑھے ہوں کچھ اشعار پر اعتراض بھی کئے جاتے ہیں اور وہ کسی قواعد کی بنیاد پر ہی لئے جاتے ہیں اس طرح مشاعروں میں تنقید کا عنصر صاف طور پر پایا جاتا ہے جب کسی شعر پر اعتراض ہوتا ہے تو وہ ایک بحث کا موضوع بن جاتا ہے اور شعر و سخن سے واقفیت رکھنے والے لوگ اپنے اپنے طریقے پر شعر کی خامیاں بیان کرتے ہیں۔ اس طرح سے مشاعروں میں بھی تنقید کا عنصر موجود تھا اور اس کی بنیاد پر تنقیدی نظریات بنتے رہے جب کسی شعر کو پسند کیا جاتا تھا۔ تو اس کی خوبیوں کا ذکر بھی کیا جاتا تھا۔

یہی چیزیں تنقید کی ابتدائی شکل میں موجود تھیں نئے شاعروں کے کلام پر اعتراض ہونا اور ان کی خامیاں نکالنا تو سمجھ میں آسکتا ہے۔ لیکن اساتذہ بھی ان تنقیدی حملوں سے محفوظ نہیں تھے۔ لیکن جب اساتذہ کی کوئی خامی نکالی جاتی تھی تو وہ اس کو اپنی توہین سمجھتے تھے اور پورا زور لگاتے تھے کہ کسی طرح اس کا جواب دیا جائے اور ثابت کیا جائے کہ ان کے شعر میں کوئی بھی خامی نہ تھی وہ اعتراض کرنے والوں کو قائل کرنے کی پوری کوشش کرتے تھے اور دیگر اساتذہ کے پاس دوڑ دھوپ کرکے اپنے حق میں رائے حاصل کرنے کی کوشش

www.urduchannel.in

کرتے تھے فراق گورکھپوری نے تو مشاعروں میں اس قسم کی تنقید کو بہت کارآمد اور صحیح بتایا ہے اور اس کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے اس سلسلے میں ان کا اقتباس درج ذیل ہے۔

"میں اس خیال سے بہت کم متفق ہوں کہ مشاعروں کی تعریف یا شعر و شاعری کی صحبتوں کی تعریف تنقید نہیں ہے۔ لیکن اوقات یہ تنقید بہت پتے کی ہوتی ہے اور کئی موقعوں پر خطوط یا تذکروں یا عام بات چیت میں ضمنی طور پر شعر و ادب کے بارے میں جو باتیں قلم یا زبان سے اضطراری حالت میں نکل جاتی ہیں وہ تیر بہدف ہوتی ہیں اور ادب میں بالالتزام و تبصرہ لکھنے کا رواج بالکل نیا ہے لیکن قدما کا ایک تنقیدی شعور تھا ان کے کچھ جمالیاتی نظریے تھے بہرحال یہ تنقیدی روایت اردو ادب میں موجود تھی اور اس وقت بھی موجود ہے اور اس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔" ۱ے

بہت سے اہم شعرا مثلاً مرزا مظہر جان جاناں۔ مصحفی۔ ناسخ۔ آتش۔ ذوق جیسے اساتذہ پر بھی اعتراضات کئے گئے تھے اس طرح قدیم تنقیدی شعور شاعروں میں بھی تلاش کیا جا سکتا ہے۔

ان مثالوں سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ابتدائی دور میں شاعری کے لئے ظاہری بناوٹ اور طرز بیان کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ شاعری کے قواعد پر زیادہ سے زیادہ توجہ دی گئی۔ قدیم تنقید میں قافیہ بندی تشبیہات استعارات اور سلاست وغیرہ پر اصول وضع کئے گئے ہیں اور اسی بنیاد پر اشعار کی اصلاح لی جاتی تھی اساتذہ کے فن کو اپنا رہنما بنایا گیا تھا اور ان کے راستہ سے ہٹنے کو غلط سمجھا گیا تھا۔ اجتہاد کی گنجائش نہیں تھی۔ اپنی طرف سے کوئی ایجاد کرنا منع تھا۔ جا بجا یہ ہدایت ملتی ہے کہ اگر شاعری اعلیٰ درجہ کی چاہتے ہو تو اپنی طرف سے کچھ نہ کہو اور جیسا استادوں نے کہا ہے وہی بات کہو فائز دہلوی اور ملا وجہی نے واضح الفاظ میں وہی اصول شعر و سخن کے لئے پیش کیا ہے اس طرح قدیم تنقید شاعر کی رہنمائی کرتی تھی۔ قدیم شاعروں کے کلام کی روشنی میں شاعر جتنی مشق کرے گا اس کا فن اتنا ہی قابل تعریف ہوتا جائے گا۔ قابوس نامہ میں دقیق شعر کہنے سے منع کیا ہے اور نصیحت کی ہے کہ شاعر ایسا کلام نہ کہے جسے صرف وہی سمجھ سکتا ہو' عام فہم نہ ہو اور اس کو سمجھانے کے لئے کافی کوشش کرنا پڑے وہی خیالات اُلجھی۔ عروضی سمرقندی وغیرہ نے بھی ظاہر کئے ہیں۔ یہ بھی اسی کلام کو اونچا درجہ دیتے ہیں جو عام فہم ہو اور عام پسند ہو۔ اس کے لئے تاثیر ضروری خوبی ہے یہ خوبی اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب شاعر اپنے ابتدائی دور سے ہی اساتذہ کے کلام سے واقف ہو اور اساتذہ کے راستے پر برابر توجہ دیتا رہے جب اس میں شاعری کا ملکہ پوری طرح پیدا ہو جائے

۱ے انداز ے۔ فراق گورکھپوری ص ۱۱

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

اور کلام میں صفائی آجائے تو اسے قواعد عروض بھی پڑھنا چاہئیے۔ ہاشمی۔ ابن نشاطی اور دیگر اساتذہ تشبیہات و استعارات کے استعمال کے لئے زبان دانوں کی پیروی کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ آیاب اور اہم بات قابل ذکر ہے کہ قدیم اردو تنقید میں پسند اور ناپسند کا دخل بہت زور دار رہا ہے۔ اس میں تعصب کی جھلک بھی پیدا ہوئی ہے ذاتی تعلقات یا مخاصمت کی بنا پر تعریف یا تنقید کا جوہر دکھایا گیا ہے کسی شاعر سے کلام کی خوبیاں بڑھا چڑھا کر پیش کی ہیں اور اس کے اچھے اشعار زیادہ پیش کئے ہیں اور جس کا درجہ کم کرنا تھا اس کی شاعری کے خراب پہلوؤں کو نمایاں کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر محمد حسین آزاد نے ذوق کو مومن اور غالب سے بھی بہتر شاعر قرار دیا ہے اس کی وجہ ان کے ذاتی تعلقات ہی ہو سکتے ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہماری قدیم تنقید فن کے متعلق تاثراتی رویہ کی بنیاد پر قائم ہوئی ہے۔

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

حالی کا نظریۂ شعر

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

حالی کا نظریہ شعر

اردو تنقید کا باقاعدہ آغاز حالی کی "مقدمہ شعر و شاعری" سے ہوتا ہے حالی اردو کے وہ نقاد تھے جنھوں نے شاعری کے باقاعدہ اصولوں کو مرتب کیا اور جہاں جہاں ضرورت محسوس ہوئی مغربی مفکرین کے نظریات سے بھی استفادہ کیا۔

پہلی مرتبہ ۱۸۹۳ء میں یہ مقدمہ ان کے دیوان کے ساتھ شائع ہوا بعد میں اس کی حیثیت ایک الگ تصنیف کی ہوگئی اور اسے ان کے دیوان سے الگ ہی پڑھا جانے لگا۔ حالی کے نظریہ تنقید پر گفتگو کرتے وقت ہمیں ان محرکات کو سامنے رکھنا چاہیے۔ جن کے نتیجے کے طور پر حالی کی تنقید وجود میں آئی۔

حالی کی زندگی ایک مایوس اور زوال پزیر قوم کے فرد کی حیثیت سے شروع ہوئی ان کے جذبات پر قوم کی پستی نے بڑا اثر ڈالا۔ وہ ایسے ذرائع کی تلاش کیلئے بے چین ہو اٹھے جس سے قوم کے عام مزاج اور ذہن کو تبدیل کیا جائے اور ان کے لئے ایک ایسا راستہ متعین کیا جائے جو انھیں احساس کمتری، مایوسی اور بے عملی سے نجات دلا کر ترقی کے راستہ پر گامزن کر دے۔ انھوں نے سرسید اور علیگڈھ تحریک کو اس مقصد کیلئے موزوں اور مناسب پایا۔ چنانچہ وہ اس تحریک سے وابستہ ہوگئے اور سرسید کے قریبی ساتھیوں میں شمار ہوئے۔ سرسید کے خیالات و نظریات کو انھوں نے اپنے تصورات کی بنیاد بنایا سرسید کی طرح انھوں نے اس سچائی کو تسلیم کیا کہ مغربی تہذیب و نظریات اور علوم و فنون کے بغیر قومی ترقی

www.urduchannel.in

ناممکن ہے۔ ماضی کی یاد اب مستقبل کو نہیں بنا سکتی۔ انھیں ابتدا ہی سے مشرقی ادب کی کم مائیگی کا احساس ہو گیا تھا۔ ایک ملازمت کے سلسلے میں حالی نے انگریزی سے اردو میں ترجمے کئے اس طرح انھیں مشرقی ادب سے بیزاری اور بھی زیادہ ہو گئی۔ حالی نے لکھا ہے۔

"نواب شیفتہ کی وفات کے بعد پنجاب بکڈپو میں ایک آسامی مجھے مل گئی جسمیں مجھے یہ کام کرنا پڑتا تھا۔ کہ جو ترجمے انگریزی سے اردو میں ہوتے تھے انکی عبارت مجھکو درست کرنیکو ملتی تھی تقریباً چار برس میں نے یہ کام لاہور میں رہ کر کیا۔ اس سے انگریزی لٹریچر کے ساتھ فی الجملہ مناسبت پیدا ہو گئی اور لامعلوم طور پر آہستہ آہستہ مشرقی لٹریچر کی وقعت دل سے کم ہونے لگی" [1]

حالی نے محسوس کیا کہ قدیم شاعری جسمیں خیالی باتوں کا رجحان زیادہ تھا وہ عوام کی نظروں میں بے وقعت ہوتی جا رہی ہے حالی لکھتے ہیں۔

"قدیم طریقے کی شاعری (اگرچہ ابھی تک اس کا نعم البدل پیدا نہیں ہوا) روز بروز نظروں سے گرتی جاتی ہے نثر و نظم میں بجائے صنعت الفاظ اور محض خیالی باتوں کے سادگی اور حقیقت طرازی کیطرف طبیعتوں کا میلان زیادہ ہوتا جاتا ہے جو باتیں پہلے محاسن کلام میں داخل تھیں اب ان میں سے اکثر داخل عیوب سمجھی جاتی ہیں اگرچہ ہندوستان میں قدیم لٹریچر کا تسلط ابھی بہت کچھ باقی ہے اور پبلک کا مذاق عام طور پر نہیں بدلا مگر زمانے کا رخ قدیم شاہراہ سے یقیناً پھر گیا ہے اور آئندہ تمام قافلوں کو جو اس راہ میں قدم رکھنے والے ہیں زمانے کے ساتھ ساتھ چلنا ضرور ہے" [2]

---

[1] نقوش آپ بیتی نمبر ص ۲۸۴ [2] یادگار غالب حالی ص ۲۰۰

www.urduchannel.in

لاہور کے قیام کے زمانے میں انجمن پنجاب کے اہتمام سے ایک ماہوار مشاعرہ منعقد ہوتا تھا اس کا مقصد یہ تحریک تھی کہ شاعری کو حقیقت پسندی اور واقعیت و اصلیت کے راستہ پر لایا جائے اور مبالغے کو ترک کیا جائے یہ زمانہ اس تحریک کیلئے مناسب تھا مجموعۂ نظم حالی کے دیباچہ میں لکھا ہے۔

"یہ تحریک خوش قسمتی سے ایسے وقت شروع ہوئی جبکہ اردو زبان میں مغربی خیالات کی روح پھونکی جارہی تھی۔ لٹریچر میں بہت سی کتابیں اور مضامین انگریزی سے اردو میں ترجمے ہوگئے تھے اور ہوتے جاتے تھے۔ دلیسی اخباروں میں جن میں سائنٹفک سوسائٹی علیگڈھ کا اخبار خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے اکثر انگریزی آرٹیکلوں کے ترجمے ہونے لگے تھے ان اسباب سے مغربی طرز تحریر اور مغربی طرز بیان آہستہ آہستہ لوگوں کے دلوں میں گھر کرتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ۱۸۷۳ء میں سرسید احمد خاں نے پرچہ تہذیب الاخلاق جاری کیا جس کے سبب سے مسلمانوں کے خیالات میں جو لٹریچر کا صحیح مذاق رکھتے تھے بہت جلد ایک انقلاب عظیم پیدا ہوگیا اردو فارسی انشاء پردازی کا قدیم طریقہ ان کی نظر میں نہایت خفیف اور سبک معلوم ہونے لگا۔ اور اپنی شاعری کو وہ حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے اگرچہ مغربی شاعری کا کوئی عمدہ نمونہ اسوقت اردو زبان میں موجود نہ تھا اور نہ اتنک موجود ہے لیکن وہ جو مشہور ہے کہ "دیوانہ را ہوئے بس است" جدت پسند طبیعتوں پر جسقدر مغربی انشاء پردازی کی لے ابتک کھلی تھی وہی انکو لے اڑی" [1]

---

[1] مجموعہ نظم حالی دیباچہ ص ۱ تا ۱۳

www.urduchannel.in

حالی کی سعی و کوشش سے مغرب کے یہ خیالات مقبول ہو گئے کہ اردو ادب میں اصلیت، مقصدیت اور حقیقت پسندی اولین ضرورت ہے مشرق میں شاعری کا یہ حال تھا کہ شعر کی خوبی الفاظ کی دلکشی اور مبالغہ کو ہی مانا جاتا تھا۔ نئی ادبی تحریک سے خیالات میں تبدیلی آئی اور موضوع و مواد کو قابل قدر سمجھا جانے لگا۔ اب یہ عقیدہ بن گیا کہ ادب کو ملک اور سماج کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے پیش کیا جائے پسماندگی، جہالت اور احساس کمتری کو دور کرنے کیلئے مغربی علم وفن اور دستکاری سے روشناس کرایا جائے۔ پرانے نصاب تبدیل کئے جائیں۔ حالی نے قدیم ادبی نظریات کو جو ایک زمانے سے چلے آرہے تھے انھیں موجودہ زمانے میں ترقی کے لئے غیر موزوں اور نامناسب خیال کیا اسلئے انھوں نے قدیم نظریات میں اصلاح کی پوری کوشش کی۔ پرانے تصورات کو ناقابل قبول اور مضر بتاتے ہوئے حالی نے لکھا ہے۔

"ہماری شاعری زیادہ تر اب دو قسم کے مضامین میں منحصر ہے۔ عشقیہ یا مدحیہ عشقیہ مضامین اکثر غزل، مثنوی اور قصائد کی تشبیب میں باندھے جاتے ہیں اور مدحیہ مضامین زیادہ تر قصائد میں سو ان تینوں صنفوں میں شاعر کا کام یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو مضامین قدیم سے بندھتے چلے آتے ہیں اور جو بندھتے بندھتے بمنزلہ اصول مسلمہ کے ہو گئے ہیں انھیں کو ہمیشہ بے ادنیٰ تغیر باندھتا رہے اور ان سے سرمو تجاوز نہ کرے" [1]

شاعری کے اثرات سوسائٹی پر

حالی نے اپنے مقدمہ میں شعر کی تاثیر پر بہت زور دیا ہے۔ ان کے خیال کے مطابق شاعری کا

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری۔ حالی ص ۷۵

www.urduchannel.in

وصف انسان میں قدرتی عطیہ ہے اس لئے اسکی اہمیت اور ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا شاعر اپنے اس خداداد عطیہ کو مختلف طرح سے کام میں لا سکتا ہے جس طرح سے بیداری ایک بڑی خوبی ہے لیکن اسے ظلم و ستم اور قزاقی کیلئے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اور اپنے وطن کے دفاع کے لئے بھی۔ حالی نے اس بات پر زور دیا کہ شعر و سخن کو اپنے معاشرے کی ضرورت اور بدلے ہوئے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے مفید اور بامقصد بنانے کیلئے جد وجہد کی جائے۔

یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ شعر کا اثر بہ مقابلہ نثر کے کہیں زیادہ ہوتا ہے اور وہ انسان کے اخلاق و کردار پر بڑی حد تک اثر انداز ہوتا ہے۔ ناٹک، سوانگ، نقالی نے جب یورپ میں ترقی پائی تو اس سے سماج کو تہذیبی و اخلاقی فائدے حاصل ہوئے۔ موسیقی کے اثرات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ایک اچھے گانے اور باجے کو سنکر کسطرح لوگ وجد کرنے لگتے ہیں یہ ایک عام مشاہدے کی چیز ہے۔ فوج میں سپاہیوں کا دل بڑھانے کیلئے کسطرح باجے کا استعمال کیا جاتا ہے اور اس سے کسطرح سپاہیوں میں جوش پیدا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی جان نثار کیلئے بے اختیار میدان میں بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

تاریخ میں تو ایسے بے شمار حوالے مل سکتے ہیں۔ جب کسی مایوس، شکست خوردہ اور پست ہمت قوم کو شعراء نے باہمت، جفاکش اور دلاور قوم بنا دیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے دشمنوں پر غالب ہو گئے اور اپنی عزت و حرمت کو پھر سے حاصل کر لیا۔ حالی نے کئی تاریخی واقعات اس سلسلے میں پیش کئے ہیں جن سے حالی کی تاریخ سے واقفیت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ مثلاً انگلستان کی تاریخ کے حوالے سے ایک مثال پیش کی ہے۔

”شاعروں کے کلام سے ایڈورڈ کی اسقدر مزاحمت ہوئی کہ اسکو ایسی دقتیں

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

اٹھائی پڑیں کر فتح کے بعد اس نے ویلز کے تمام شاعروں اور نسابوں کو قتل کروا ڈالا۔ اگرچہ شاعری کا نتیجہ ویلز کے شاعروں کے حق میں بہت برا ہوا اور ملک کیلئے بھی کچھ مفید نہ ہوا لیکن بخوبی اس واقعہ سے شعر کی تاثیر اور کرامت ثابت ہوتی ہے" [1]

اسی طرح سے اور بھی مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ لارڈ بائرن کی نظموں نے یورپ کے لوگوں پر بے انتہا اثرات ڈالے جسکے نتیجہ میں یونان کو ترکی کی غلامی سے آزاد کرایا گیا شیکسپیئر کے ڈرامے ہر طبقہ اور مذہب کے لوگوں کیلئے فائدہ مند ثابت ہوئے۔

عرب کے شعراء نے وہاں کے معاشرے میں بڑا اہم مقام حاصل کیا تھا۔ اکثر وہ انتقام لینے اور غیرت دلانے کیلئے شعر و سخن سے کام لیتے تھے ایسے واقعات بھی بے شمار ہیں کہ شعر کو کسی محفل یا مجمع میں پڑھا گیا اور سننے والے کے دل میں وہی جذبات پیدا ہوگئے جو شاعر کا مقصد تھا۔ یہاں تک کہ ایک بار محفل سماع میں ایک صوفی منش کو اتنا وجد آگیا کہ انھوں نے اسی حالت میں جان دیدی اس سے شعر کے جادو کا ثبوت ملتا ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ کسی شعر کیلئے یہ ضروری نہیں کہ وہ ہر زمانے میں سامعین پر یکساں اثر پیدا کرے بعض شعر اس زمانے میں زیادہ موثر تھے جب علم و فن کی بے حد کمی تھی۔ حالی نے اس کیلئے میجک لینٹرن کا لفظ استعمال کیا ہے یہ لالٹین تاریکی میں زیادہ موثر ہوتی ہے۔

سائنس اور نئے نئے علوم نے بہت سے پرانے خیالات کو بے معنی اور بے جان بنا دیا ہے لیکن ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر پرانے خیالات اور تشبیہات اپنا اثر کھوتے جا رہے ہیں تو نئے نئے خیالات اور تشبیہات جنم لیتے جا رہے ہیں اسطرح تخیل کی پرواز برابر جاری ہے قدرت کا خزانہ ختم نہیں ہوا شعر سے روحانی فائدے اور اخلاقی صفات بھی پیدا ہوتی ہیں حالی نے لکھا ہے۔

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری۔ حالی ص ۷۰

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

"شعر اگرچہ براہِ راست علم و اخلاق کی طرح تلقین اور تربیت نہیں کرتا لیکن از روئے انصاف اس کو علم اخلاق کا نائب مناب اور قائم مقام کہہ سکتے ہیں اسی بنا پر صوفیائے کرام کے ایک جلیل القدر سلسلہ میں سماع کو جس کا جزو اعظم اور رکنِ رکین شعر ہے وسیلۂ قرب الٰہی اور باعث تصفیۂ نفس و تزکیۂ باطن مانا گیا ہے۔" [1]

ایک محقق نے لکھا ہے کہ دنیاوی معاملات میں مصروف رہنے کی وجہ سے کچھ انسانی طاقتیں خوابیدہ ہو جاتی ہیں۔ شعر انکو بیدار کرتا ہے اور ہمارے پاک خیالات کو جو خود غرضی کے عیب سے پاک ہوتے ہیں پھر سے آمادہ بہ عمل کر دیتا ہے شعر ہماری بزدلی، مردہ دلی کے مرض کو دور کرتا ہے ہمارے ذہن کو تیز کرتا ہے ہمارے اندر اعلیٰ جذبات پیدا کرتا ہے ہمیں ہمت اور مستقل مزاجی اور صبر و ضبط کی خوبیاں دیتا ہے۔ سوسائٹی کو خود غرضی، بے مروتی، بے حسی، کم حوصلگی جیسے مصائب کے جال سے نجات دلاتا ہے ہمیں باہمت، باعمل اور نیکی کے راستے کیلئے مستعد بناتا ہے۔ حالی کہتے ہیں۔

"تمام دنیا شعراء کا ادب اور تعظیم کرتی ہے جنھوں نے اس خاتم سلیمانی کی بدولت جو قوت متخیلہ نے ان کے قبضہ میں دی ہے انسان نے ایسی تحریک اور برانگیختگی پیدا کی ہے جو کہ خود نیکی ہے یا نیکی کی طرف لے جانے والی" [2]

بہر حال شعر کا اثر سوسائٹی پر اصلاحی بھی ہو سکتا ہے اور اسے نقصان پہنچانے کا ایک ذریعہ بھی ہو سکتا ہے۔ عوام کے رجحانات، عادات و اطوار وغیرہ میں تبدیلی آتی رہتی ہے اور اسی کے مطابق شاعر کا کلام بھی تبدیل ہو جاتا ہے یعنی دوسرے الفاظ میں سوسائٹی شعر پر اثر انداز ہوتی ہے حالی لکھتے ہیں۔

---

۱ مقدمہ شعر و شاعری - حالی ص ۱۵
۲ " " " ص ۱۶

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

"شاعری کی اصل ترقی کا مدار ملک کی تمام شائستگی اور تعلیم ہے کیونکہ شعراء کو جسقدر شائستہ اور نکتہ فہم مخاطب میسر آتے ہیں اسی قدر اُن کے خیالات شائستہ اور معقول ہوتے جاتے ہیں"۔ [1]

بعض شعراء مثلاً شفائی اور عبید زاکانی اپنے ماحول کے اثرات سے مجبور ہو گئے اور اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کو فضول اور نقصان دہ موضوعات پر صرف کرنے لگے اسی طرح بعض شعراء حرص و ہوس کا شکار ہو کر خوشامد کے راستہ پر گامزن ہو گئے جس سے انکی شاعری زوال پذیر ہو گئی۔

حالی نے شاعر کیلئے آزادی کا وصف ضروری قرار دیا ہے۔ یہی وہ خوبی ہے جسکی بنیاد پر شاعر کے کلام میں اصلیت، صداقت اور جوش پیدا ہو سکتا ہے۔ جب کوئی شاعر کسی امیر، نواب یا بادشاہ کی مدح کو شاعری کی بنیاد بنا لیتا ہے تو وہ جھوٹی شاعری کو ترویج و فروغ دیتا ہے اور انعام و اکرام کی توقع میں اپنی صلاحیت کو غلط طریقے سے صرف کرتا ہے۔ ایسی شاعری ایک وقتی مسرت ہی دے سکتی ہے۔ اُسے مقصدیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ ایک زمانے تک شاعری کو بادشاہوں وزیروں اور امراء کے یہاں رسائی کا وسیلہ سمجھا گیا۔ شعر کی خوبی کو اس انداز سے پیش کیا جاتا تھا کہ کذب و مبالغہ کے عیب کو نظر انداز کر دیا جائے۔ چوتھی صدی ہجری میں شاعری کی بنیاد اس عقیدے پر تھی۔ جھوٹ، مبالغہ شاعری کا ضروری عنصر بن گیا تھا۔ حالی کے الفاظ میں

"صاحب ابن عباد کے زمانے یعنی چوتھی صدی ہجری میں ہماری شاعری

---

[1] مقالات حالی جلد دوئم ۔ حالی ص ۱۲۱

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

محض ایک ذریعہ سلاطین و امراء کے تقرب کا سمجھی جاتی تھی یہ بھی معلوم ہوتا ہے

کہ جھوٹ اور مبالغہ شعر کے ذاتیات میں داخل ہوگیا تھا" [1]

شعراء کی قدر و منزلت

تاریخ کے مطالعہ کی بنا پر حالی نے شعراء کا مرتبہ نہایت بلند بتایا ہے تقریباً ہر ملک و قوم نے شاعروں کو باعزت مقام دیا اور ان کی حوصلہ افزائی کی ہے بالخصوص عربی معاشرہ میں شاعر کو قبیلے کا سب سے اہم فرد خیال کیا جاتا تھا قبیلے کے لوگ شاعروں کی تعریف میں اشعار کہا کرتے تھے اور انھیں اپنے خاندان، تہذیب اور زبان کو بلندی عطا کرنیوالا سمجھتے تھے شعراء کی ضرورت پوری کرنا اپنا فرض اخلاقی سمجھتے تھے عرب کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی شعراء کو عزت و احترام حاصل رہا ہے۔

قومی اور شخصی حکومت میں شاعری کی ترقی۔

قومی حکومت میں ایک بادشاہ یا ایک حاکم آمرانہ طرز سے حکومت نہیں کرتا ایسی حالت میں شاعر ترقی کرسکتا ہے وہ بغیر کسی خوف کے آزادی کے ساتھ اپنے جذبات کا اظہار کرسکتا ہے لیکن آمرانہ حکومت میں شاعر کو یا تو مدح سرائی کرنا پڑتی ہے یا حکومت کے خوف سے صرف انہیں خیالات کو شعر کا روپ دینا پڑتا ہے جو حکومت کی پالیسی کے لئے مضر نہ ہوں وہ اپنے دل کی سچی بات اور اصلی جوش کو ظاہر نہیں کرسکتا مثلاً خلیفہ مہدی نے مروان بن ابی حفصہ جیسے نامور شاعر کو نہایت ذلت کے ساتھ دربار سے نکلوا دیا تھا اسی طرح بعض شعراء حاکموں کی خلاف مرضی اشعار لکھنے پر موت کے گھاٹ اتار دیے گیے۔ حالی نے اس سلسلے میں تاریخی واقعات پیش کئے ہیں۔ مثلاً فردوسی کا واقعہ بتایا ہے یہ ایک با اصول اور آزاد طبیعت شاعر تھا۔ یہانتک کہ وہ بادشاہ وقت کی بھی پرواہ نہ کرتا تھا اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ اس سے برہم ہوگیا طرح طرح کے

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری۔ حالی ص ۱۹

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

الزامات لگائے گئے الفاظ سے محروم کیا گیا لیکن اس کے پائے استقلال میں جنبش نہ ہوئی اور دنیا نے اس کے شاہنامہ کو جو مرتبہ اور عزت دی اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس طرح غلامانہ ذہنیت اور خوشامد پسندی شاعری کیلئے نقصان دہ حالت ہوتی ہے سچی تعریف یا کسی ظالم کی مذمت شعر میں اصلیت اور صداقت پیدا کرتے ہیں اور لازمی طور سے انکو عوام پسند کرتے ہیں شاعر کے دل پر جو اثرات کسی واقعہ سے مرتب ہوتے ہیں اسکو شاعر قدرتی جوش کے ساتھ منتقل کرتا ہے چونکہ بات دل سے نکلتی ہے اس لئے اثر رکھتی ہے اور شعر مقبولیت پاتا ہے حالی نے اس بات کو ناپسند کیا ہے کہ صرف ان موضوعات کو ہی تختۂ مشق بنایا جائے جو پچھلے استادوں نے اپنائے تھے بلکہ شاعر کیلئے موضوعات، الفاظ، تشبیہات، استعارات وغیرہ کی کبھی کمی نہیں ہوسکتی۔

شاعری سوسائٹی کیلئے بعض حالات میں نہایت مضر ہوتی ہے جب معاشرہ میں کذب، لفاظی، لن ترانی کا دور دورہ ہوتا ہے تو شاعری کا معیار پست ہو جاتا ہے عوام کا مزاج بھی کچھ اس طرح کا بن جاتا ہے کہ وہ مبالغہ اور کذب بیانی کی تعریف و توصیف کرنے لگتے ہیں سادگی اور تاریخی واقعات سے جی چراتے ہیں۔ من گھڑت قصے پسند کئے جاتے ہیں تاریخی، علمی موضوعات کو ترک کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح تنزل پذیر قوم بداخلاقی کا شکار ہو کر پستی کی طرف مائل ہو جاتی ہے زبان، تہذیب و تمدن زوال پزیر ہو جاتے ہیں زبان میں نامناسب الفاظ شامل ہو جاتے ہیں۔ شاعری کے موضوعات میں تصرف نہیں ہوسکتا۔ ملک کے ادب پر اس قسم کی شاعری مضر اثرات پیدا کرتی ہے حالی کے الفاظ میں

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

"قدما کی تقلید کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جن لفظوں میں بقدر ضرورت شعرا انہوں نے تصرف کیا ہے ان کے سوا کسی لفظ میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا جو محاورے وہ جس پہلو پر برت گئے ہیں وہ دوسرے پہلو پر ہرگز نہیں برتے جا سکتے جو تشبیہیں ان کے کلام میں پائی گئی ہیں ان سے سر مو تجاوز نہیں کیا جا سکتا الغرض کسی ملک کی شاعری کو اس کے لٹریچر کے ساتھ وہی نسبت ہے جو قلب کو جسد کے ساتھ" [1]

حالی نے شاعری کی اہمیت پر بحث کے بعد اس کی اصلاح پر توجہ مبذول کی ہے اور تاریخ و ادب کے گہرے مطالعہ کے بعد شاعری کی اصلاح کیلئے بعض تجویزیں پیش کی ہیں ان کے مطابق جب سوسائٹی کا ماحول اور اس کا معیار پست ہو جاتا ہے تو اس کی اصلاح وقت طلب ہوتی ہے جس کے لئے عرصہ دراز کی ضرورت ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی شاعر اصلاح کیلئے کمر بستہ ہو جائے اور مذہبی یا مقصدی اور اخلاقی مضامین کو اپنے کلام میں پیش کرے تو سوسائٹی اپنے پست معیار کی بنا پر اس کی اصلاحی کوششوں کو قدر کی نگاہ سے نہ دیکھے۔ ایسے شاعر کی مثال ایک ایسے پیر کہن سے دی جا سکتی ہے جو کسی پھل دار پیڑ کا پودا لگائے اور یہ امید رکھے کہ آنے والی نسلیں اس سے فائدہ حاصل کریں گی۔ حالی نے گولڈ اسمتھ کا حوالہ دیا ہے جس نے اپنے زمانے کی روش کو چھوڑ کر نیچرل شاعری کو اپنایا تھا۔ حالی کے الفاظ میں گولڈ اسمتھ اپنی نظم سے اس طرح مخاطب ہوتا ہے

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری ۔ حالی ص ۲۷

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

"اے میری پیاری نظم تو ان موقعوں سے پہلی بھاگنے والی نظم ہے جہاں نفسانی خواہشوں کی طغیانی ہوتی ہے تو اس بے قدری کے زمانے میں بجائے اس کے کہ دلوں کو اپنی طرف مائل اور پاک شہرت حاصل کرے ہر جگہ سلامت کی جاتی ہے تیری بدولت تمام جلسوں میں مجھکو شرمندہ ہونا پڑتا ہے لیکن جب تنہا ہوتا ہوں تو تجھ پر فخر کرتا ہوں تو کمال کے طالبوں کی رہنما ہے اور نیکی کی دایہ پس خدا ہی تیرا نگہباں ہوگا خواہ وہ ٹورنو کی چوٹیاں ہوں یا ہیمبارکا کی تلہٹی اور خواہ وہ خط استوا کا نہایت گرم خطہ ہو یا قطب کی منجمد کرنیوالا جاڑا جہاں کہیں تجھ پر نکتہ چینی ہو تو وقت کا مقابلہ کیجیو یا بادمخالف کے جھکڑوں پر غالب آئیو اور اپنے دردناک نالوں سے سچ کی مدد کیجیو جسکو لوگ حقیر جانتے ہیں تو گمراہوں کی دولت کی حقارت کرنی سیکھا اور ان کو اس بات کا یقین دلاکر جو لوگ اپنے قدرتی ذریعوں پر بھروسہ کرتے ہیں اگرچہ وہ مفلس ہوں لیکن خوشحال ہوسکتے ہیں مگر جو ترقی تجارت سے ملک میں ہوسکتی ہے وہ بظاہر ایک زمانے تک دھوم دھام دکھلاتی ہے مگر بہت جلد آدمی کیطرح ٹھیر جاتی ہے جیسے کہ سمندر کی موجیں آخر اس بند کو برباد کردیتی ہیں جو کمال محنت ومشقت سے باندھا گیا ہو جو ملک اپنے قدرتی ذریعوں پر بھروسہ کرتے ہیں وہ زمانے کی سختیوں اور بربادیوں کا اس طرح

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

مقابلہ کرتے ہیں جیسے چٹانیں سمندر کی موجوں اور طغیانیوں
کا مقابلہ کرتی ہیں اور جہاں تھیں وہیں بدستور جمی رہتی ہیں" [1]

نئی شاعری کی بنیاد۔

شاعری کیلئے موزوں طبع ہونا، چند متعرف بحروں سے واقف ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے تشبیہات، استعارات اور عام قسم کے موضوعات بھی ضروری خیال کئے جاتے ہیں لیکن حالی صرف ان چیزوں کو کافی نہیں سمجھتے انھوں نے بامقصد شاعری کیلئے چند شرائط کو ضروری بتایا ہے جو درج ذیل ہیں۔

شعر کے لئے وزن کی ضرورت۔

حالی کے خیال میں جسطرح راگ الفاظ کا محتاج نہیں اسیطرح نفس شعر وزن کا محتاج نہیں۔ عرب کے لوگ شعر کے معنی یہ سمجھتے تھے کہ معمولی بول چال سے ہٹکر کوئی موثر بات کہی جائے ایسے فقرے اور مثالیں جو عام طور سے نہ بولے جاتے ہوں انکو اونچا درجہ دیا جاتا تھا جب رسول خدا ؐ نے قرآن شریف کے اعلیٰ اور شاندار کلام کو پیش کیا تو بعض لوگ جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا وہ اسے شاعر کا کلام کہنے لگے حالانکہ قرآن شریف میں وزن کا کوئی لحاظ نہیں پایا جاتا ہے۔ طوسی نے لکھا ہے کہ عبری اور سریانی اور قدیم فارسی میں شعر کیلئے وزن کو ضروری خیال نہیں کیا جاتا تھا۔ وزن کا لحاظ اور اہتمام سب سے پہلے عربی شعراء نے کیا۔

بہر حال شعر کو موثر بنانے کیلئے وزن کی ضرورت کو مانا گیا ہے حالی نے یورپ کے ایک محقق کا قول

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری - حالی ص ۲۰-۲۹

www.urduchannel.in

اس طرح درج کیا ہے

"اگرچہ وزن پر شعر کا انحصار نہیں ہے اور ابتدا میں وہ مدتوں اس زیور سے معطل رہا ہے۔ مگر وزن سے بلا شبہ اس کا اثر زیادہ تیز اور اس کا منتر زیادہ کارگر ہو جاتا ہے۔" ؎۱

کیا قافیہ شعر کیلئے ضروری ہے۔

وزن کی طرح قافیہ بھی اردو شاعری میں ضروری مانا گیا ہے۔ مگر حالی نہ تو نظم کیلئے ضروری سمجھتے ہیں نہ ہی شعر کیلئے۔ یونانیوں کے یہاں بھی قافیہ کو اہم نہیں سمجھا گیا۔ یورپ میں بھی بلینک ورس بہت مقبول ہوا اس میں قافیہ کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا۔ قافیہ اور وزن شعر کی خوبی میں اضافہ کرتے ہیں اور اس قسم کے شعر زیادہ پسند کئے جاتے ہیں بعض اوقات اس کی پابندیوں کے سبب شاعر اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ صنائع بدائع کی کثرت شعر کی اہمیت کم دیتی ہے شاعر کو قافیہ، الفاظ وغیرہ پر کافی توجہ کرنی پڑتی ہے اور اکثر وہ اپنی اس فکر و توجہ کی بنا پر اپنے خیال کو حسب منشاء ادا نہیں کر پاتا ہے۔ حالی نے وزن اور قافیہ کو اس حد تک غیر ضروری سمجھا ہے کہ انہیں شعر کی ماہیت سے خارج قرار دیا ہے۔

"وزن اور قافیہ جن پر ہماری موجودہ شاعری کا دار و مدار ہے اور جن کے سوا اس میں کوئی خصوصیت ایسی نہیں پائی جاتی جس کے سبب سے شعر کا اطلاق کیا جا سکے یہ دونوں شعر کی ماہیت سے خارج ہیں۔" ؎۲

؎۱ مقدمہ شعر و شاعری - حالی ص ۲۱
؎۲ " " " ص ۳۳

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

شعر کی تعریف ۔ شعر کی کوئی تعریف مکمل طور پر بیان نہیں کی گئی ۔ بہرحال لارڈ میکالے نے جو شعر کی تعریف کی ہے اسکو حالی نے زیادہ موزوں خیال کیا ہے ۔ لارڈ میکالے کی اس تعریف کو حالی نے اسطرح لکھا ہے ۔

"شاعری جیسا کہ دو ہزار برس پہلے کہا گیا تھا ایک قسم کی نقالی ہے جو اکثر اعتبارات سے مصوری، بت تراشی اور ناٹک سے مشابہ ہے مگر مصور، بت تراش اور ناٹک کرنیوالے کی نقل شاعر کی نسبت کسقدر کامل تر ہوتی ہے شاعر کی نقل کس چیز سے بنی ہوئی ہے؟ الفاظ کے پرزوں سے اور الفاظ ایسی چیز ہیں کہ اگر ہومر اور ڈنٹی جیسے صناع بھی ان کو استعمال کریں تو بھی سامعین کے تخیلہ میں اشیائے خارجی کا ایسا صحیح اور ٹھیک نقشہ نہیں اتار سکتے جیسا موقلم چینی کے کام دیکھکر ہمارے خیال میں اترتا ہے ۔ لیکن شاعری کا میدان وسیع اسقدر ہے ۔ کہ بت تراشی، مصوری اور ناٹک یہ تینوں فن اس کی وسعت کو نہیں پہنچ سکتے ۔ بت تراشی فقط صورت کی نقل اتار سکتا ہے ۔ مصور صورت کے ساتھ رنگ کو بھی جھلکا دیتا ہے اور ناٹک کرنیوالا بشرطیکہ شاعر نے اس کے لئے الفاظ مہیا کر دئے ہوں صورت اور رنگ کے ساتھ حرکت بھی پیدا کر دیتا ہے مگر شاعری باوجود یہ کہ

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

اشیائے خارجی کی نقل میں تینوں فنون کا کام دے سکتی ہے اسکو تینوں سے اس بات میں فوقیت ہے کہ انسان کا بطون صرف شاعری ہی کی قلمرو ہے نہ وہاں مصوری کی رسائی ہے نہ بت تراشی کی اور نہ ناٹک کی مصوری اور ناٹک وغیرہ انسان کے خصائل یا جذبات اسقدر ظاہر کر سکتے ہیں جسقدر کہ چہرہ یا رنگ اور حرکت سے ظاہر ہو سکتے ہیں اور یہ بھی ہمیشہ ادھورے اور نظر فریب نمونے ان کیفیات کے ہوتے ہیں جو فی الواقع انسان کے بطون میں موجود ہیں مگر نفس انسانی کی باریک، گہری، اور بوقلمو کیفیات صرف الفاظ ہی کے ذریعہ سے ظاہر ہو سکتی ہیں۔ شاعری کائنات کی تمام اشیائے خارجی اور ذہنی کا نقشہ اتار سکتی ہے۔ عالم محسوسات، دولت کے انقلابات، سیرت انسانی، معاشرت، نوع انسان تمام چیزیں جو فی الحقیقۃ موجود ہیں اور تمام وہ چیزیں جنکا تصور مختلف اشیاء کے اجزاء کو ایکدوسرے سے ملا کر کیا جا سکتا ہے سب شاعری کی سلطنت میں محصور ہیں شاعری ایک سلطنت ہے جس کی قلمرو اس قدر وسیع ہے جسقدر خیال کی قلمرو"[1]

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری - حالی ص ۳۲-۳۳

www.urduchannel.in

اس تعریف میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ شاعری بت تراشی، مصوری اور ناٹک ان سب سے برتر کارگزاری دکھا سکتی ہے وہ لامحدود وسعت رکھتی ہے جبکہ مصوری وغیرہ محدود نوعیت کے فن ہیں۔ شعر کی ایک اور تعریف کا حالی نے اس طرح حوالہ دیا ہے۔

"جو خیال ایک غیر معمولی اور نرالے طور پر لفظوں کے ذریعہ سے اس لئے ادا کیا جائے کہ سامع کا دل اس کو سن کر خوش یا متاثر ہو وہ شعر ہے خواہ نظم میں ہو اور خواہ نثر میں" ؎۱

یہ حقیقت ہے کہ ایک استاد اپنے شعر کے وسیلے سے ایک ایسی منظر کشی میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ جہاں مصور سنگ تراش اور اداکار بھی ناکام ہو جاتے ہیں۔ مثلاً نظیری نیشاپوری کا یہ شعر۔

به زیر شاخ گل افعی گزیده بلبل را — نوا گران نخورده گزند را چه خبر؟

اسمیں بہار کے موسم کی حالت بیان کی ہے۔ پھول کھلتے ہیں ہوا خوشگوار ہے طبیعت میں مسرت کی لہریں پیدا ہوتی ہیں بلبل بھی مست و بیخود ہو جاتا ہے۔ خوب چہکتا ہے اس حالت کو شاعر نے سانپ کے کاٹے کی لہر سے مثال دی ہے۔ اس حالت کا اظہار ارنا فن شاعری کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ یہاں مصوری ناکامیاب ہے اس طرح یہ ظاہر ہوا کہ شعر کو مصوری پر برتری حاصل ہے۔

؎۱ مقدمہ شعر و شاعری۔ حالی ص ۳۵۔۳۶

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

شاعری کی ضروری شرائط۔

اب ہم ان شرائط کا بیان کریں گے جنہیں حالی نے شاعری کی کامیابی کیلئے ضروری قرار دیا ہے

قوت متخیلہ (امیجینیشن)۔ قوت متخیلہ کامیاب شاعری کیلئے ایک ضروری شرط ہے۔ جس درجہ کی یہ قوت ہوگی اسی درجے کی شاعری بھی وجود میں آئے گی۔ اکثر یہ قابلیت پیدائشی اور خداداد ہوتی ہے۔ اگر شاعر میں دیگر اوصاف کی کچھ کمی بھی پائی جائے تو اس خوبی کی مدد سے اس کی خامیاں قابل توجہ نہیں رہتیں۔ یہ خداداد صلاحیت شاعری کیلئے ایک ضروری شرط ہے اگر یہ شرط موجود نہ ہوگی تو دیگر صفات چاہے کتنی کثرت سے ہوں کوئی بھی شاعر کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا۔ یہ ایک ایسی لامحدود قوت ہے جو کسی بھی زمانے کے واقعہ کو اس طرح پیش کرسکتی ہے گویا وہ چشم دید واقعہ ہو حالی کے الفاظ میں۔

"یہ وہ طاقت ہے جو شاعر کو وقت اور زمانے کی قید سے آزاد کرتی ہے اور ماضی و استقبال کو اسکے لئے زمانہ حال میں کھینچ لاتی ہے وہ آدم اور حوا کی سرگزشت اور حشر و نشر کا بیان اس طرح کرتا ہے کہ گویا اس نے تمام واقعات اپنی آنکھ سے دیکھے ہیں اور ہر شخص اس سے ایسا ہی متاثر ہوتا ہے جیسا کہ ایک واقعی بیان سے ہونا چاہیے اس میں یہ طاقت ہوتی ہے کہ وہ جن اور پری عنقا اور آب حیوان

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

جیسی فرضی اور معدوم چیزوں کو ایسے معقول اوصاف کے ساتھ
متصف کر سکتا ہے کہ ان کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی
ہے۔ جو نتیجے وہ نکالتا ہے۔ گو وہ منطق کے قاعدوں پر منطبق
نہیں ہوتے لیکن جب دل اپنی معمولی حالت سے کسیقدر بلند
ہو جاتا ہے۔ تو وہ بالکل ٹھیک معلوم ہوتے ہیں" [1]

حالی مزید لکھتے ہیں۔

"جس مقام میں شاعر اپنے تئیں دکھانا چاہتا ہے وہاں یہ سب
ناممکن باتیں ممکن بلکہ موجود نظر آتی ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جس
سے بعض اوقات شاعر کا ایک لفظ جادو کی فوج سامنے
کھڑی کر دیتا ہے اور کبھی وہ ایک ایسے خیال کو جو کئی
جلدوں میں بیان ہو سکے ایک لفظ میں ادا کر دیتا ہے" [2]

تخیل یا امیجینیشن کی تعریف

تخیل کی تعریف صحیح اور مکمل طور پر بیان کرنا مشکل ہے
شاعر کے پاس کچھ امور کی واقفیت پہلے سے تجربات کی بنا پر موجود ہوتی ہے یہ اسے ایک
نئی شکل میں پیش کرتا ہے اور اس کیلئے مناسب موزوں الفاظ کا سہارا لیتا ہے۔

حالی کے الفاظ ہیں۔۔

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری حالی ص ۳۸
[2] " " " ص ۳۹-۳۸

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

"وہ ایک ایسی قوت ہے جو کر معلومات کا ذخیرہ جو تجربہ یا
مشاہدہ کے ذریعہ سے ذہن میں پہلے سے مہیا ہوتا ہے یا اسکو
مکرر ترتیب دیکر ایک نئی صورت بخشتی ہے اور پھر اسکو الفاظ
کے ایسے دلکش پیرایہ میں جلوہ گر کرتی ہے جو معمولی پیرایوں
سے بالکل یا کسی قدر الگ ہوتا ہے اس تقریر سے ظاہر ہے کہ تخیل
کا عمل اور تصرف جس طرح خیالات میں ہوتا ہے اسی طرح الفاظ میں
بھی ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات شاعر کا طریقۂ بیان ایسا
نرالا اور عجیب ہوتا ہے کہ غیر شاعر کا ذہن کبھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا"[1]

شاعر کیلیئے اس وصف کا ہونا ضروری ہے۔ شاعر کا تخیل اپنے الفاظ کی مدد سے اشیاء کو موثر
انداز میں پیش کرتا ہے۔ شاعر عام تجربات کو بھی ایک انوکھے انداز سے پیش کرتا ہے جس کی بنا پر
شعر میں لطافت اور تاثیر پیدا ہو جاتی ہے اسطرح تخیل کو شاعری کی پہلی شرط قرار دیا گیا ہے۔

شاعری اور مطالعۂ کائنات۔

تخیل کے بعد دوسری اہم شرط کائنات کا مطالعہ ہے۔ اس میں خاص بات یہ ہے
کہ انسانی فطرت اور نفسیاتی معاملات پر غور و خوض کیا جائے۔ انسان کن حالات میں
زندگی گذارتا ہے مختلف واقعات کا اس پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے۔ اس طرح کے امور

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری۔ حالی ص ۳۹

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

سے شاعر کچھ نتائج اخذ کر لیتا ہے اور یادداشت اس کام میں مدد کرتی ہے

حالی مطالعۂ کائنات کی اہمیت اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"قوت متخیلہ کوئی شے بغیر مادہ کے پیدا نہیں کر سکتی بلکہ جو مصالح اس کو خارج سے ملتا ہے اس میں وہ اپنا تصرف کر کے ایک نئی شکل تراش لیتی ہے۔ جتنے بڑے بڑے نامور شاعر دنیا میں گذرے ہیں وہ کائنات یا فطرت انسانی کے مطالعہ میں ضرور مستغرق رہے ہیں جب رفتہ رفتہ اس مطالعہ کی عادت ہو جاتی ہے تو ہر ایک چیز کو غور سے دیکھنے کا ملکہ ہو جاتا ہے اور مشاہدوں کے خزانے گنجینۂ خیال میں خود بخود جمع ہونے لگتے ہیں۔" [1]

حالی نے اس امر پر زور دیا ہے کہ شاعر اپنی قوت متخیلہ کو جلا بخشنے کے ساتھ ساتھ مطالعۂ کائنات کو بھی جاری رکھے۔ جتنا اس کا مطالعہ وسیع ہوگا اتنا ہی اسکی شاعری کامیاب ہوگی۔

تفحص الفاظ کی شرط۔

مطالعۂ کائنات کی اہمیت ظاہر کرنے کے بعد حالی نے شاعری کی تیسری شرط تفحص الفاظ بیان کی ہے۔ مناسب و موزوں الفاظ کی تلاش اور شعر میں ان کا استعمال اس طرح کیا جائے کہ شاعر کا تخیل سامع کے سامنے اس طرح پیش ہو جائے جو اسی پر جادو کر دے۔ سامع پر وہی خوبی اور

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری۔ حالی ص ۴۳-۴۴

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

احساس واقع ہو جس نے شاعر کے دل پر اثر ڈالا تھا اگر کسی خیال کو شاعر مناسب الفاظ کا جامہ نہ پہنا سکے اور تاثیر نہ پیدا کر سکے تو اسے اپنے خیال کو شعر میں پیش نہیں کرنا چاہیئے اگر شاعر الفاظ کیلئے سعی و تلاش کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا تو صرف تخیل کی طاقت اسے بلندی کے درجے نہیں دلا سکتی۔ حالی کہتے ہیں۔

"اگر شاعر زبان کے ضروری حصے پر حاوی نہیں ہے اور ترتیب شعر کے وقت صبر و استقلال کے ساتھ الفاظ کا تتبع اور تفحص نہیں کرتا تو محض قوت متخیلہ کچھ کام نہیں آسکتی۔" [1]

شاعری کی کامیابی کیلئے ضروری ہے کہ جو الفاظ وہ استعمال کرے ان کے بارے میں پوری واقفیت رکھتا ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ ان الفاظ کے عوام پر کیا اثرات ہونگے۔ یہ ایک ایسی منزل ہے جو ایک بلند شاعر کیلئے بڑی صبر آزما ہوتی ہے یہ عام تجربہ کی بات ہے کہ استاد شاعروں نے ایک ہی خیال کو طرح طرح کے الفاظ میں پیش کیا۔ اس طرح یہ شاعری کی تیسری شرط ہوئی کہ مناسب الفاظ کی تلاش کی جائے انکو پرکھا جائے ان کے معنی پر غور کیا جائے اور انھیں مناسب طور پر ترتیب دیا جائے۔

آمد اور آورد کے متعلق رائے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جو اشعار بغیر محنت اور غور و خوض کے شاعر کی زبان سے ادا ہو جائیں وہ بڑے موثر اور اعلیٰ درجے کے ہوتے ہیں حالی اس رائے سے متفق نہیں ان کے خیال کے مطابق

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری۔ حالی ص ۴۵

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

غور و فکر اور جستجو کے بغیر شعر میں تاثیر اور طاقت کا پیدا ہونا مشکل ہے ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ شاعر کے ذہن میں جو خیالات موجود ہیں وہ فوری طور پر شعر کی صورت میں ظاہر ہو جائیں۔ حالی کے الفاظ ہیں۔

"مستثنیٰ حالتوں کے سوا ہمیشہ وہی شعر زیادہ مقبول زیادہ لطیف زیادہ بامزہ زیادہ سنجیدہ اور زیادہ موثر ہوتا ہے جو کمال غور و فکر کے بعد مرتب کیا گیا ہو۔ ۔ ۔ شعر میں دو چیزیں ہوتی ہیں ایک خیال دوسرے الفاظ۔ خیال تو ممکن ہے کہ شاعر کے ذہن میں فوراً ترتیب پا جائے مگر اس کے لیے الفاظ مناسب کا لباس تیار کرنے میں ضرور دیر لگے گی۔ ۔ ۔ وزن اور قافیہ کی اوگھٹ گھاٹی سے صحیح سلامت نکل جانا اور مناسب الفاظ کے تفحص سے عہدہ برآ ہونا کوئی آسان کام نہیں ہے اگر ایک دن کا کام ایک گھنٹہ میں کیا جائے گا تو وہ کام نہ ہوگا بلکہ بیگار ہوگی"[1]

حالی نے کئی شعراء کے حوالے دیے ہیں جو اپنے اشعار پر غور و خوض کے لیے کافی وقت صرف کرتے تھے اور ان میں حسب ضرورت مناسب تبدیلیاں کرتے تھے۔ ملٹن ابن رشیق وغیرہ نے بھی کمال شعر کیلئے محنت و کاوش اور غور و خوض کو ضروری تسلیم کیا ہے۔

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری۔ حالی ص ۴۸-۴۷

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

ابن خلدون کی بحث ۔ ابن خلدون نے الفاظ کی اہمیت پر جو بحث کی ہے اس میں معانی کو الفاظ کے تابع بنایا ہے شعر میں وہ اس امر کو اہمیت دیتا ہے کہ معانی کو کس طرح الفاظ میں ادا کیا گیا ہے اس نے الفاظ کو پیالے سے تشبیہ دی ہے اور معانی کو پانی سے ۔ سونے چاندی کے پیالے میں پانی کی وہی خوبی رہتی ہے جو سیپ یا مٹی کے پیالے میں ۔ حالی نے معانی کو بھی اہمیت دی ہے وہ کہتے ہیں۔

" اگر پانی کٹھاری یا گولا یا بوجھل یا ادھن ہوگا یا ایسی حالت میں پلایا جائے گا جبکہ اسکی پیاس مطلق نہ ہو تو خواہ سونے یا چاندی کے پیالے میں پلائیے خواہ بلور اور سپٹک کے پیالے میں وہ ہرگز خوشگوار نہیں ہو سکتا اور ہرگز اسکی قدر نہیں بڑھ سکتی ۔" [1]

بہر حال حالی بھی عمدہ الفاظ کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں انھیں کے الفاظ میں

" ہم یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ شاعری کا مدار جسقدر الفاظ پر ہے اسقدر معانی پر نہیں معنی کیسے ہی بلند اور لطیف ہوں اگر عمدہ الفاظ میں بیان نہ کئے جائیں گے ہرگز دلوں میں گھر نہیں کر سکتے اور ایک مبتذل مضمون پاکیزہ الفاظ میں ادا ہونے سے قابل تحسین ہو سکتا ہے لیکن معانی سے یہ سمجھکر کہ وہ ہر شخص کے ذہن میں موجود ہیں اور ان کیلئے کسی ہنر کے اکتساب کی ضرورت نہیں بالکل قطع نظر کرنا ٹھیک نہیں معلوم ہوتا ۔" [2]

شاعر اور غیر شاعر کی نظر ۔ شعر میں کمال پیدا کرنیکے لئے الفاظ کائنات کا مطالعہ

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری حالی ۔ ص ۵۰

[2] " " " ص ۵۰

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

یہ سب ضروری امر ہیں اس کے ساتھ ہی یہ سمجھنا ضروری ہے کہ شاعر اور غیر شاعر کسی شے کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ سائنس کا ایک عالم قدرتی مناظر، پھول اور پودوں کو جس نظر سے دیکھتا ہے شاعر اس طرح سے نہیں دیکھتا یا ایک مورخ کوئی واقعہ بیان کرتا ہے تو اسکو شاعر کسی اور زاویہ سے دیکھتا ہے وہ کچھ خاص چیزوں پر دھیان دیتا ہے اور شاعرانہ انداز میں انکا بیان کرتا ہے حالی اس امر کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"ہر ایک شے کی روح میں جو خاصیتیں ہیں انکا انتخاب کرنا اور انکی تصویر کھینچنا شاعر کا کام ہے شاعر مثلاً نباتات اور پھول اور پھل کو اس نظر سے نہیں دیکھتا جس نظر سے ایک محقق علم نباتات کا دیکھتا ہے یا وہ ایک واقعۂ تاریخی پر اس حیثیت سے نظر نہیں ڈالتا جس حیثیت سے کہ ایک مورخ نظر ڈالتا ہے وہ ہر ایک شے میں سے صرف وہ خاصیتیں چن لیتا ہے جن پر قوت متخیلہ کا عمل چل سکے اور جو عام نظروں سے مخفی ہوں" [1]

اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شعر میں تاثیر کیلئے ایک اچھے تخیئل اور معانی کا ہونا ضروری ہے جس کیلئے مناسب اور موزوں الفاظ کی تلاش و جستجو بھی ضروری ہے۔

اساتذہ کا کلام ۔ عربی شاعر ابن رشیق نے مشورہ دیا ہے کہ استاد شعراء کے کلام کا مطالعہ کرنا چاہیئے ایسا شخص جب شعر موزوں کریگا تو وہ اعلیٰ شاعری کے اصولوں کو قدرتی طور سے اپنائے گا اور اس میں اعلیٰ شاعری کی صلاحیت پیدا ہوگی۔ حالی نے ابن رشیق کی اس رائے کے بارے میں لکھا ہے۔

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری۔ حالی ص ۵۱

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

"شاید وہاں یہ بات ممکن ہو کہ ہر مطلب کے ادا کرنے کیلئے قدما کا اسلوب اختیار کیا جائے اور نئے اسلوب پیدا کرنیکی ضرورت نہ ہو لیکن ایک ایسی نامکمل زبان جیسی کہ اردو ہے جس کی شاعری ابھی تک محض طفولیت کی حالت میں ہے جس کے لٹریچر کی عمر اگر انصاف سے دیکھا جائے تو پچاس ساٹھ برس سے زیادہ نہیں ۔ ۔ ۔ ایسی زبان میں اگر اساتذہ کے تتبع ہی پر تکیہ کر لیا جائے تو جس طرح ابابیل کا گھونسلا ابتدائے آفرینش سے ایک ہی حالت پر چلا آتا ہے اسیطرح اردو شاعری جس گہوارہ میں اس نے آنکھیں کھولی ہیں اسی گہوارہ میں ہمیشہ جھولتی رہے گی"۔ [1]

بہرحال حالی نے ابن رشیق کی یہ رائے پسند کی ہے کہ اساتذہ کا کلام مطالعہ کرنیکے بعد یاد رکھنے کی کوشش نہیں کرنا چاہیئے ۔ کیونکہ اس طرح اس میں نئے اسلوب پیدا کرنیکی صلاحیت باقی نہیں رہیگی

تخئیل اور قوتِ ممیزہ ۔ شاعری کیلئے تین خوبیوں کا بیان ہو چکا ہے تخئیل، مطالعۂ کائنات اور موزوں الفاظ کی تلاش ۔ تخئیل کے بارے میں یہ بھی ضروری ہے کہ اسکو اوسط درجے پر ہونا چاہیئے اور قابو سے باہر نہیں ہونا چاہیئے ۔ قوت ممیزہ ۔ تخئیل کو حدود کی پابندی بتاتی ہے اور بے لگام نہیں ہونے دیتی ۔ حالی نے قوت ممیزہ کی اہمیت اسطرح ظاہر کی ہے ۔

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری ۔ حالی ص ۵۳

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

"قوت تخیل ہمیشہ خلاقی اور بلند پروازی کیطرف مائل رہتی ہے۔ مگر قوت ممیزہ اس کی پرواز کو محدود کرتی ہے اسکی خلاقی کی مزاحم ہوتی ہے اور اسکو ایک قدم بے قاعدہ نہیں چلنے دیتی۔ قوت متخیلہ کیسی ہی دلیر اور بلند پرواز ہو جبتک کہ وہ قوت ممیزہ کی محکوم ہے شاعری کو اس سے کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔ بلکہ جسقدر اس کی پرواز بلند ہوگی اسی قدر شاعری اعلیٰ درجے کو پہنچے گی۔" [1]

اس طرح قوت ممیزہ کا قوت تخیل پر غالب رہنا ضروری ہے اور یہ وصف بڑے شاعروں میں ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ قوت ممیزہ کے کمزور ہونے پر شاعر ایسے خیالات کو شاعری میں جگہ دیتا ہے۔ جو اصلیت سے دور ہوتے ہیں اور شاعر کو صحیح راستہ سے ہٹا کر مہمل گو بنا دیتے ہیں۔

اس طرح حالی نے یہ اصول پیش کیا ہے کہ قدرت کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہے لیکن اعتدال کو مد نظر رکھنا چاہیئے اور بلند پروازی کو قوت ممیزہ کا پابند رکھنا چاہیے

شاعری کیلئے لازمی خصوصیات ۔ شاعری کے لئے ضروری امور کا ذکر کرنے کے بعد حالی نے شاعری کیلئے لازمی خصوصیات کا ذکر کیا ہے انگریزی شاعر ملٹن نے شعر کی خوبی یہ بتائی ہے کہ اسمیں سادگی، اصلیت اور جوش ہونا چاہیئے حالی نے اسے بعینہٖ قبول کر لیا ہے اس کی تفصیل اس طرح ہے ۔

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری ۔ حالی ص ۵۲

www.urduchannel.in

سادگی کا معیار ۔ حالی نے سادگی کو ایک اضافی امر بتایا ہے ایک شعر ایک عالم فاضل کے خیال میں سادہ سمجھا جائیگا اور وہ اس کے معنی بلا دقت سمجھ سکتا ہے لیکن ایک عام آدمی کیلئے اس کے معنی اور خوبی تک پہنچنا مشکل ہو سکتا ہے ایک معمولی شعر ایک بے پڑھے لکھے آدمی کو متاثر کر سکتا ہے لیکن ایک فاضل کو نہیں ۔ بہرحال عمدہ کلام کی خوبی یہ ہے کہ پڑھے لکھے، ان پڑھ ہر درجہ کے قاری اور سامع کو متاثر کرسکے ۔ ایسا شعر سادگی کا حامل قرار دیا جاسکتا ہے ۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بڑے سے بڑے شاعر کی کوئی ایسی نظم موجود نہیں ہے جس کا ہر شعر سادگی کے معیار کا حامل ہو اس سلسلے میں حالی اپنی رائے اس طرح پیش کرتے ہیں ۔

"ہمارے نزدیک کلام کی سادگی کا معیار یہ ہونا چاہئیے کہ خیال کیسا ہی بلند اور دقیق ہو مگر پیچیدہ اور ناہموار نہ ہو اور الفاظ جہاں تک ممکن ہو محاورہ اور روزمرہ کی بول چال کے قریب قریب ہوں جس قدر شعر کی ترکیب معمولی بول چال سے بعید ہوگی ۔ اسی قدر سادگی کے زیور سے معطل سمجھی جائیگی ۔ محاورہ اور روزمرہ کی بول چال سے نہ تو عوام الناس اور سوقیوں کی بول چال مراد ہے اور نہ علماء اور فضلا کی ۔ بلکہ وہ الفاظ ومحاورات مراد ہیں جو خاص و عام دونوں کی بول چال میں عام الورود ہیں لیکن اردو زبان میں سادگی کا ایسا التزام ہر قسم کے کلام میں نبھ نہیں سکتا ـــــــــــــ

www.urduchannel.in

اس زمانہ میں کہ روز بروز لوگوں کی معلومات اور اطلاع بڑھتی جاتی ہے اور شاعری میں خیالات جدید اضافہ ہوتے جاتے ہیں۔ جن کیلئے اردو کے معلی میں الفاظ بہم نہیں پہنچتے۔ ممکن نہیں کہ اردو کے محدود روزمرہ میں ہر قسم کے خیالات ادا کئے جائیں۔" لہ

شعر میں اصلیت یہ تو ظاہر ہے کہ شاعر اپنے کلام میں کسی معاملے کو بڑھا چڑھا کر اسطرح پیش کرتا ہے کہ اس میں ایک تحیر پیدا ہو جاتا ہے اور ایک عام خیال کی ایک نئی اور پسندیدہ شکل میں سامنے آتا۔ کسی کی تعریف کرتا ہے تو اس کے اوصاف کو بڑے مبالغہ سے بیان کرتا ہے۔ لیکن کوئی بھی مضمون جو مبالغہ کے ساتھ پیش کیا جائے اس کی بنیاد میں صداقت، اصلیت اور واقعیت کا ہونا ضروری ہے ورنہ وہ محض ایک خواب و خیال کی بات بن کر رہ جائیگا۔ حالی اصلیت کے بارے میں اسطرح اپنی رائے پیش کرتے ہیں۔

"اصلیت پر مبنی ہونے سے یہ مراد نہیں ہے کہ ہر شعر کا مضمون حقیقت نفس الامری پر مبنی ہونا چاہئے بلکہ یہ مراد ہے کہ جس بات پر شعر کی بنیاد رکھی گئی ہے وہ نفس الامر میں یا لوگوں کے عقیدہ میں یا محض شاعر کے عندیہ میں فی الواقع موجود ہو یا ایسا معلوم ہوتا ہو کہ اس کے عندیہ میں فی الواقع موجود ہے نیز اصلیت پر مبنی ہونے سے یہ بھی مقصود نہیں ہے کہ بیان میں اصلیت سے سرمو تجاوز نہ ہو بلکہ یہ مطلب ہے

لہ مقدمہ شعر و شاعری ۔ حالی ص ۵۱ ۔ ۶۰

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

کہ زیادہ تر اصلیت ہونی ضرور ہے اس پر اگر شاعر نے اپنی طرف سے
فی الجملہ کمی بیشی کر دی تو کچھ مضائقہ نہیں۔" [1]

حالی مزید لکھتے ہیں۔

"غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ گو ایسے مضامین مبالغے سے خالی نہیں ہوتے
مگر ان میں کم و بیش راستی کی جھلک ضرور ہوتی ہے اور اگر فرض کر لیا جائے
کہ ایسے مضامین میں راستی مطلق نہیں ہوتی تو بھی اس میں کچھ شک نہیں کہ بعض
شعراء کے فخر و مباحات میں ایسا جوش ہوتا ہے جس سے صاف پایا جاتا ہے
کہ وہ لوگ فی الواقع شعر لکھتے وقت اپنے تئیں ایسا ہی سمجھتے تھے اور صرف
ان کا ایسا سمجھنا اس بات کیلئے کافی ہے کہ ان کے فخریہ اشعار کو اصلیت
پر مبنی سمجھا جائے کیونکہ اصلیت کے معنی جو کچھ کہ ہم سمجھتے ہیں وہ یہ ہیں۔ کہ
شاعر کے بیان کا کوئی منشا یا محکی عنہ نفس الامر میں یا صرف شاعر کے ذہن
میں موجود ہو۔" [2]

اس طرح شعر کی بنیاد کوئی اصلیت یا واقعہ ہونا چاہیئے۔ کسی بڑی ہستی کی تعریف کی جائے تو مبالغہ کے ساتھ یہ لحاظ
رکھا جائے کہ جو اوصاف بیان کئے جا رہے ہیں وہ کسی نہ کسی حد تک اس ہستی میں موجود بھی ہوں۔ اکثر
قصائد میں اس امر کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری۔ حالی ص ۶۰
[2] " " " " ص ۶۲

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

جوش کی تعریف

بعض اوقات شاعر کسی حالت یا واقع سے اتنا زیادہ متاثر ہوتا ہے کہ اس میں ایک جوش کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور اس حالت میں وہ شعر موزوں کرتا ہے تو وہ زیادہ موثر ہوتا ہے اور مخاطب کے دل میں ویسا ہی جوش پیدا ہو جاتا ہے ایسے شعر کا مضمون شاعر اپنے ارادے سے نہیں باندھتا بلکہ کسی حالت یا جذبے سے مغلوب ہو کر اپنے خیالات کو شعر کی صورت میں ظاہر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے ایسا شعر ایسے احساس کی بنا پر موزوں کیا جاتا ہے جس میں سچے اور واقعی جذبات پائے جاتے ہیں۔ شاعر کسی مقبرے یا محل کے کھنڈرات کو دیکھتا ہے ان کی پرانی شان و شوکت کو یاد کرتا ہے اور احساس کی شدت سے کچھ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے اس حالت میں اس کے اشعار میں بڑی تاثیر پیدا ہو سکتی ہے

حالی جوش کی تعریف اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"جوش سے یہ مراد ہے کہ مضمون ایسے بے ساختہ الفاظ اور موثر پیرائے میں بیان کیا جائے جس سے معلوم ہو کہ شاعر نے اپنے ارادے سے یہ مضمون نہیں باندھا بلکہ خود مضمون نے شاعر کو مجبور کر کے اپنے تئیں اس سے بندھوایا ہے ۔ ۔ ۔ شاعر کی ذات میں ہر چیز سے متاثر ہونے ہر شخص کی خوشی یا غم میں شریک ہونے اور ہر ایک کے جذبات سے متکیف ہو جانے کا ایک خداداد ملکہ ہوتا ہے وہ بے زبان بلکہ بے جان چیزوں کی حالت انکی زبان حال سے ایسی بیان کر سکتا ہے کہ اگر ان میں گویائی ہوتی تو وہ بھی اپنی حالت اس سے زیادہ بیان نہ کر سکتیں" [1]

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری۔ حالی ص ۶۴

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

اسی سلسلے میں آگے چل کر لکھتے ہیں۔

"جوش سے یہ مراد نہیں ہے کہ مضمون خواہ مخواہ نہایت زور دار اور جوشیلے لفظوں میں ادا کیا جائے ممکن ہے کہ الفاظ نرم ملائم اور دھیمے ہوں مگر ان میں غایت درجے کا جوش چھپا ہوا ہو۔"

خواجہ حافظ کہتے ہیں۔

شنیدہ ام سخنے خوش کہ پیر کنعاں گفت ــــ فراق یار نہ آں میکند کہ بتواں گفت

میر تقی کہتے ہیں۔

ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

مگر ایسے دھیمے الفاظ میں وہی لوگ جوش کو قائم رکھ سکتے ہیں جو میٹھی چھری سے تیز خنجر کا کام لینا جانتے ہیں اور اس جوش کا پورا پورا اندازہ کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو صاحب ذوق ہیں اور جن پر بے محل ہزاروں آہیں اور نالے اتنا اثر نہیں کرتے جتنا کہ برمحل کسی کا ایک ٹھنڈا سانس بھرنا" [1]

عبرانی اور عربی شعراء کے کلام میں بے حد جوش پایا جاتا ہے۔ عرب شعراء یونانیوں کی شاعری کو اس لئے پسند نہیں کرتے تھے کہ انکی شاعری جوش سے خالی تھی۔ عربی شعراء میں بشامہ بن حزن نہشلی، ابن یحییٰ، متمم، وغیرہ شعراء کا حوالہ دیکر حالی نے عربی شاعری میں جوش کی مثالیں پیش کی ہیں اسکا سبب انھوں نے یہ بیان کیا ہے کہ عرب فطرتاً گرم آب و ہوا کی بناء پر گرمی جذبات رکھتے تھے اور پھر انکی شاعری کی بنیاد سچے واقعات و حالات پر منحصر ہوتی تھی۔ نیز مرثیہ اشعار پڑھنے والے خود بہادری اور دلاوری کے کاموں میں حصہ لیتے تھے مرثیہ کہتے

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری۔ حالی ص ۶۵۔ ۶۶

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

تھے۔ تو دل کے سچے جذبات پیش کرتے تھے۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ حالات بدلتے گئے اور جھوٹی تعریف و توصیف اور فرضی ناموں کے استعمال کا رواج ہوتا گیا۔ اس طرح شاعری پستی کیطرف مائل ہوگئی۔ حالی نے اصلیت اور جوش کی مثالیں مختلف شاعروں کے کلام سے پیش کی ہیں۔ اسطرح شاعرانہ کلام میں سادگی، جوش، اور اصلیت کا ہونا ضروری ہے اگر کلام میں جوش پایا جائے تو اس میں اصلیت بھی ضرور پائی جائے گی۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ صرف جوش پایا جائے اور اس میں سادگی اور اصلیت نہ ہو۔ حالی نے اس بات پر اعتراض کیا ہے کہ غزل میں کچھ الفاظ بار بار استعمال کئے جاتے ہیں۔ ایک سی تشبیہات دی جاتی ہیں۔ مثلاً محبوب کیلئے حور۔ پری، گل، لالہ۔ جنت، آنکھ کیلئے نرگس، آہو، ساقی وغیرہ۔ باغ کی چیزوں میں گل۔ بلبل۔ صیاد۔ گلچیں۔ آشیانہ۔ قفس۔ دام۔ دانہ وغیرہ اسی طرح قصیدہ میں ایک محدود راستہ اختیار کیا جاتا ہے۔ اکثر اس میں ایسی صفات بیان کی جاتی ہیں۔ جنکا اصلیت سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔

مثنوی کی حالت پر بھی حالی نے اعتراضات کئے ہیں۔ زیادہ تر مثنویاں عشقیہ مضمون پر لکھی جاتی ہیں۔ اور جو تاریخی۔ مذہبی۔ یا اخلاقی موضوع پر لکھی گئی ہیں وہ اکثر مقبولیت کا درجہ نہیں پاسکیں۔

مغربی ملکوں میں مثنوی سے اخلاقی۔ سماجی اور سیاسی فوائد حاصل کئے گئے ہیں ان کا تہذیب و تمدن پر مفید اثر ہوا ہے۔ موجودہ شاعری کی اصلاح کیلئے حالی کہتے ہیں۔

"الغرض جبکہ ہماری موجودہ شاعری کا مدار من کل الوجوہ یعنی نہ صرف الفاظ و

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

عبارات میں بلکہ خیالات و مضامین میں بھی محض قوم کی تقلید پر ہے جبکہ ہمارے
ہاں یہ بات بالاتفاق تسلیم کی گئی ہے کہ "احسن الشعر اکذبہ" تو ہم کو
اپنی شاعری کی موجودہ حالت ہی اصلیت اور جوش دونوں سے دستبردار ہونا چاہیے
کیونکہ اصلیت اور کذب ہی منافات ہے اور جوش بغیر اصلیت کے پیدا نہیں ہو سکتا
رہی سادگی سو وہ موجودہ حالت میں اکثر مجبوری چھوڑنی پڑتی ہے کیونکہ جو
معمولی خیالات اور مضامین زیادہ تر ہمارے شعراء کے زیر مشق رہتے ہیں انکو
قدماء سادگی اور صفائی کے پراسلوب اور ہر پیرایہ میں ادا کر چکے ہیں اب تاوقتیکہ
طرز بیان میں کسی قدر پیچیدگی یا خیال میں کوئی بھونڈا اضافہ یا تبدیلی پیدا نہ کی
جائے اسوقت تک آسانی سے کسی معمولی مضمون میں جدت نہیں دکھائی جا سکتی۔" [1]

سادگی اصلیت اور جوش کو شعر کی اہم ضرورت بتانے کے بعد حالی نے کچھ انگریز اور عرب اساتذہ کے حوالے
دیتے ہیں۔ جن میں اعلیٰ درجے کے شعر کی تعریف کی گئی ہے۔

"ملٹن سے پہلے ہمارے قدماء نے بھی عمدہ شعر کی تعریف میں کچھ کچھ کہا ہے اصمعی نے اس کی یہ
تعریف کی ہے کہ "اس کے معنی لفظوں سے پہلے ذہن میں آجائیں" یعنی سریع الفہم ہو گویا
اصمعی نے ملٹن کی تین شرطوں میں سے صرف ایک شرط یعنی سادگی پر شعر کی عمدگی کا مدار رکھا ہے
یہ تعریف جامع تو ہے لیکن مانع نہیں ہے یعنی کوئی عمدہ شعر سادگی سے خالی تو نہیں ہو سکتا مگر یہ

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری ۔ حالی ص ۸۱

www.urduchannel.in

ضرور نہیں کہ جس شعر میں سادگی ہو وہ اعلیٰ درجے کا بھی ضرور ہو خلیل ابن احمد کے نزدیک عمدہ شعر کا معیار یہ ہے " کہ سامع کو اس کے شروع ہوتے ہی یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا فلاں قافیہ ہوگا۔ یہ تعریف نہ جامع ہے اور نہ مانع۔ ممکن ہے کہ شعر ادنیٰ درجہ کا ہو اور اس میں یہ بات پائی جائے اور ممکن ہے کہ شعر اعلیٰ درجہ کا ہو اور اس میں یہ بات نہ پائی جائے

صاحب عمدہ التحریر لکھتے ہیں کہ اس باب میں سب سے بہتر زہیر ابن ابی سلمہ کا قول ہے

وانّ احسن بیتٍ انت قائلہٗ　　　　بیتٌ یقالُ اذا انشدتہٗ صدقاً ..

یعنی سب سے بہتر شعر جو تم کہہ سکتے ہو وہ ہے کہ جب پڑھا جائے تو لوگ کہیں کہ سچ کہا ہے اس قول میں گویا ملٹن کی تین شرطوں میں سے صرف ایک شرط یعنی اصلیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے لیکن صرف ایک شرط کافی نہیں ہے اگرچہ اعلیٰ درجہ کے شعر میں یہ خاصیت ہونی ضروری مگر یہ ضرور نہیں کہ جس میں یہ خاصیت پائی جائے وہ اعلیٰ درجہ کا شعر ہو۔ - - - -

سب سے عمدہ ابن رشیق کا قول ہے۔ - - جب پڑھا جائے تو ہر شخص کو یہ خیال ہو کہ میں بھی ایسا کہہ سکتا ہوں۔ مگر جب ویسا کہنے کا ارادہ کیا جائے تو موجز بیان عاجز ہو جائیں حق یہ ہے کہ ابن رشیق نے جس لطافت اور خوبی سے عمدہ شعر کی تعریف کی ہے اس سے بہتر تصور میں نہیں آسکتی " [1]

ابن رشیق اور ملٹن نے عمدہ شعر کیلئے جو معیار قائم کئے ہیں اس میں کچھ فرق محسوس ہوتا ہے اس پر حالی اس طرح روشنی ڈالتے ہیں۔

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری۔ حالی ص ۸۴

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

ابن رشیق اور ملٹن کے بیان میں جو نازک فرق ہے اسکو غور سے سمجھنا چاہیے ابن رشیق کی تعریف سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ عمدہ شعر کا سرانجام ہونا زیادہ تر حسن اتفاق پر موقوف ہے شاعر کے قصد و ارادہ کو اسمیں خاص دخل نہیں ہے وہ شاعر کو عمدہ شعر کہنے کا طریقہ نہیں بتاتا بلکہ یہ بتاتا ہے کہ شاعر کے کون سے شعر کو عمدہ شعر سمجھنا چاہیے بخلاف ملٹن کے کہ اس کے بیان میں دونوں پہلو موجود ہیں۔ اس سے عمدہ شعر کی پہچان اور عمدہ شعر کہنے کی دکان دونوں باتیں معلوم ہوتی ہیں اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ ملٹن کی تینوں شرطیں ملحوظ رکھنے سے ہمیشہ ویسے ہی سہل ممتنع اشعار سرانجام ہونگے جنکا معیار ابن رشیق نے بتایا ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ جو شاعر اس کی شرطوں کو ملحوظ رکھیگا اسکے کلام میں جا بجا وہ خوبیاں کوندتی نظر آئیں گی "[1]

یہ ساری بحث بلند پایہ شعر کی خوبیوں کے سلسلے میں پیش کی گئی۔ لیکن سچ یہ ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا شاعر ایسا نہیں ہے جس کے کلام میں کوئی خامی نہ ہو اور تمام مندرجہ شرائط اسکے کلام میں سبھی جگہ مل سکیں۔ بہرحال حالی ایسے شاعر کو باکمال سمجھتے ہیں جس کے کلام میں سادگی اور اصلیت پائی جائے اور اس کے کلام میں جگہ جگہ ایسی تاثیر پائی جائے جو عوام کے دلوں کو متاثر کرے اور وہ شاعر کی عظمت کے قائل ہوجائیں۔

اُردو شاعری کی اصلاح حالی نے اردو شاعری کا تفصیلی جائزہ لیا اور اس

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری۔ حالی ۸۵۴

www.urduchannel.in

کی موجودہ حالت سے وہ رنجیدہ اور مایوس ہوئے انہوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ صرف اردو ہی نہیں ہر زبان کی شاعری زوال پذیر ہو رہی ہے انھوں نے اس حقیقت پر پریشانی سے نظر ڈالی کہ سائنس، جدید علوم اور نئی تہذیب بڑے خوفناک انداز سے شاعری کی تباہی میں خاص رول ادا کر رہی ہے اب خیالی چیزیں جو شاعری کی جان ہوتی ہیں ان کی اہمیت اور تاثیر کم ہوتی جا رہی ہے ایسی حالت میں حالی جب اردو شاعری کی اصلاح کیلئے کچھ کہنا چاہتے ہیں تو وہ زیادہ پرامید نہیں معلوم ہوتے۔ بہرحال وہ اس مقولہ پر عمل کرتے ہوئے کہ جب تک سانس تب تک آس۔ وہ اصلاحی اقدامات کیلئے اپنی رائے پیش کرتے ہیں۔

سب سے پہلے تو حالی اس بات کو اہمیت دیتے ہیں کہ جو شخص شاعری کا شوق رکھے وہ یہ خوب سمجھ لے کہ کیا واقعی اس میں ایک کامیاب شاعر بننے کی صلاحیت قدرتی طور پر موجود ہے کیونکہ یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ ہر پیشہ اور صنف علم و فن کیلئے قدرتی مادے کا پایا جانا ضروری ہے جیسا کہ طلبا کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اسی مضمون کا انتخاب کریں جس کی طرف ان کا فطری رجحان ہو اور اگر ایسا نہ ہو تو اس مضمون کا ترک کر دینا مناسب ہے۔ اس کے بارے میں حالی کہتے ہیں:

"یوں تو ہر فن اور ہر پیشہ میں کمال حاصل کرنیکے لئے مناسبت فطری کی ضرورت ہے
لیکن شاعری میں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اسکی سب سے زیادہ ضرورت ہے
جبتک شاعر کی فکر میں اتنی آنچ نہ ہو جتنی کہ ایک بھٹے میں گھونسلا بنانے کی اور

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

مکڑی میں جالا پورنے کی ہوتی ہے ۔ اسکو ہرگز مناسب نہیں کہ اس خیال خام میں اپنا وقت ضائع کرے بلکہ خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ اس کے دماغ میں یہ خلل نہیں ہے۔" [1]

کھیلوں میں بھی یہی بات تجربے میں آئی ہے ۔ ایک کسی کھیل میں حصہ لینا شروع کرتا ہے تو اگر اسمیں فطری ملکہ اس کھیل کے مناسب ہوتا ہے تو اُس کی دلچسپی بڑھ جاتی ہے اور وہ اچھا کھلاڑی بن جاتا ہے اسکے لئے اپنے کھیل کے شوق کو ترک کرنا قریب قریب ناممکن ہوتا ہے اور جسمیں صلاحیت نہیں ہوتی وہ اپنے کھیل میں کامیاب نہیں ہوتا اسکے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ کسی اور کھیل میں مشق کرے ۔ شاعری کیلئے بھی یہی اصول برتا جائے تو بہتر ہے ۔ حالی اس سلسلے میں رقمطراز ہیں ۔

"جن لوگوں کی فطرت میں اسکا ملکہ ہوتا ہے ان کی طبیعت ابتدا ہی سے راہ دینے لگتی ہے اگر وہ کسی وجہ سے اسکی طرف متوجہ نہیں ہوتے تو طبیعت کا اقتضا ۔ انکو جبراً اسکی طرف کھینچ لاتا ہے وہ جب انکی طرف توجہ کرتے ہیں تو انکو کچھ نہ کچھ کامیابی ضرور ہوتی ہے اور اسلئے انکا دل روز بروز بڑھتا جاتا ہے ۔ انکو اپنی قوت ممیزہ پر پورا بھروسہ ہوتا ہے وہ اپنے کلام کی برائی اور بھلائی کا بغیر اس کے کہ کسی سے مشورہ یا صلاح لیں آپ اندازہ کرسکتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ انکو خارج سے اپنی شاعری کا مصالح فراہم کرنے کی طرف اسقدر ضرورت ہوتی ہے جسقدر

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری ۔ حالی ص ۸۷

www.urduchannel.in

کر بئے کو اپنے گھونسلے کے لئے پھونس اور تنکوں کے باہر سے لانے کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ وہ سلیقہ جو الفاظ و خیالات کی ترتیب و انتخاب کیلئے درکار ہے۔ وہ اپنی ذات میں اس طرح پاتے ہیں جس طرح کر بیا گھونسلہ بنانے کا ہنر اور سلیقہ اپنی ذات میں پاتا ہے" لہ

جن لوگوں کا رجحان شاعری کیطرف فطری طور پر ہوتا ہے وہ اساتذہ کے کلام سے اسقدر فائدہ حاصل کرتے ہیں جو ایک عام شخص کی طاقت سے باہر ہوتا ہے۔ ہمارے یہاں رواج ہے کہ شاعری کے شوقین لوگ کسی استاد کے شاگرد بن جاتے ہیں۔ اور انھیں اپنا کلام دکھایا کرتے ہیں اسطرح وہ اچھے شاعر بننے کی امید رکھتے ہیں حالی اس رواج کو زیادہ فائدہ مند نہیں سمجھتے۔ ان کے خیال میں اسطرح سے قواعد یا عروض کی معلومات تو ہو سکتی ہے لیکن نفس شعر پر اس کا کوئی خاص اثر مرتب نہیں ہو سکتا۔ نہ کوئی استاد کسی کو اونچا شاعر بنا سکتا ہے شاعر اپنے اساتذہ سے کہیں زیادہ بلند درجہ حاصل کرتے ہیں۔ سنائی۔ نظامی۔ سعدی۔ خسرو اور حافظ کے استاد ایسے نہیں تھے جو اپنے شاگردوں کا مقابلہ کر سکتے۔ حالی نے ایک کامیاب شاعر کیلئے یہ رائے دی ہے کہ وہ پہلے تو اپنی صلاحیت پر غور کرے پھر قدرت کا مطالعہ کرے۔ اساتذہ کے کلام کو پڑھتا رہے حالی کے الفاظ ہیں۔

"شاعر کیلئے سب سے اول سچی استعداد اور پھر نیچر کا مطالعہ اور اس کے بعد کثرت سے اساتذہ کا کلام دیکھنا اور ان کے برگزیدہ کلام کا اتباع کرنا اور اگر میسر آئے

لہ مقدمہ شعر و شاعری۔ حالی ص ۸۸

www.urduchannel.in

تو ان لوگوں کی صحبت سے مستفید ہونا جو شعر کا صحیح مذاق رکھتے ہوں ۔ (عام اس سے کہ شاعر ہوں یا نہ ہوں) صرف اسی قدر کافی ہے اور بس البتہ ان لوگوں کو جو مستند زبان پر کافی عبور نہیں رکھتے ممکن ہے کہ محاورات کے استعمال میں شبہات واقع ہوں لیکن ان شبہات کا رفع ہونا کسی شاق ماہر استاد پر موقوف نہیں ہے بلکہ وہ ہر صاحب زبان سے یہاں تک کہ ایک دوا ۔ ایک ماما ۔ ایک کنجڑن بلکہ ایک حلال خوری سے بھی رفع ہو سکتے ہیں۔" [1]

مبالغہ اور اصلیت حالی نے اردو شاعری کی ترقی کیلئے دوسری شرط یہ بتائی کہ صداقت اور اصلیت کو اپنایا جائے ۔ اور جھوٹ ، مبالغہ، خوشامد وغیرہ سے پرہیز کیا جائے ۔ حالی عرب کی شاعری کے ابتدائی دور کو بہت پسند کرتے تھے ۔ اس زمانے میں عربی شاعری میں مبالغہ موجود نہ تھا ۔ عرب شعراء جھوٹ کو شاعری کیلئے ایک عیب سمجھتے تھے ۔ ایک عربی شاعر کا قول ہے ۔

"سب سے بہتر کلام وہ ہے جس پر مان گواہی دیں" حضرت عمر فاروق رضؓ نے ایک شاعر کی تعریف اس لئے کی تھی ۔ کیونکہ وہ صرف انھیں لوگوں کی مدح کرتا تھا ۔ جو واقعی مدح کے لائق تھے ۔ عرب شعراء اپنے ممدوحوں کے انھیں محاسن و عیوب کو بیان کرتے تھے جو واقعی ان کی ذات میں موجود ہوتے تھے ۔ اس لئے وہاں یہ عام خیال تھا کہ شاعر لوگوں کی عزت کو بڑھا بھی سکتے ہیں اور انھیں رسوا بھی کر سکتے ہیں اس طرح وہی شاعر اعلیٰ درجہ کا

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری از حالی ص ۸۷

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

ہوسکتا ہے جو مبالغہ سے پاک ہو اور جس کی بنیاد اصلیت پر ہو۔ حالی نے شعر کی اس خوبی کو اسطرح بیان کیا ہے

"شعر میں جہاں تک ممکن ہو حقیقت اور راستی کا سررشتہ ہاتھ سے دینا نہیں چاہیے
۔۔۔ زمانہ کا اقتضا یہ ہے کہ جھوٹ۔ مبالغہ۔ بہتان۔ افترا۔ صریح خوشامد۔
ادعائے بے معنی۔ تعلی بے جا۔ الزام لایعنی۔ شکوہٗ بے محل اور اور اسی قسم کی
باتیں جو صدق و راستی کے منافی ہیں جو ہماری شاعری کے قوام میں داخل ہو گئیں ہیں
ان سے جہاں تک ممکن ہو قطعیتہً احتراز کیا جائے۔ یہ سچ ہے کہ ہماری شاعری
میں خلفائے عباسیہ کے زمانہ سے لیکر جھوٹ اور مبالغہ برابر ترقی کرتا چلا آیا ہے
اور شاعر کیلئے جھوٹ بولنا نہ صرف جائز ہی نہیں رکھا گیا بلکہ اس کی شاعری کا
زیور سمجھا گیا ہے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ جب سے ہماری شاعری میں جھوٹ
اور مبالغہ داخل ہوا اسیوقت سے اسکا تنزل شروع ہوا" [1]

حالی نے شعر میں جھوٹ بولنے کو اسطرح منع کیا ہے۔

"سچا شعر کہنے کی صلاح کچھ اسلئے نہیں دی جاتی کہ جھوٹ بولنا گناہ ہے
نہیں بلکہ اسلئے دیجاتی ہے کہ تاثیر جو شعر کی علت غائی ہے وہ جھوٹ
میں بالکل باقی نہیں رہتی۔ اسکے سوا علوم و معارف کی ترقی جو آجکل دنیا
میں ہو رہی ہے وہ جھوٹی شاعری کی بربادکرنیوالی ہے جن ڈھکوسلوں پر پرانے

T-4888

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری۔ حالی ص ۸۹۔ ۹۰

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

مذاق کے لوگ ابھی تک سر دھنتے ہیں کوئی دن جاتا ہے کہ وہ دیوانوں

کی بڑ سمجھے جائیں گے" [1]

نیچرل شاعری پر حالی کی رائے

بعض لوگ نیچرل شاعری کی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔ کہ ایسی شاعری جسمیں نیچری خیالات ظاہر کئے جائیں یا جسمیں کسی قوم کے عروج و زوال کا بیان ہو حالی نے اس تعریف کو غلط قرار دیا۔ نیچرل شاعری کا صحیح مطلب انھوں نے اسطرح بیان کیا۔

"نیچرل شاعری سے وہ شاعری مراد ہے جو لفظاً معنیً حیثیتوں سے نیچر یعنی فطرت یا عادت کے موافق ہو لفظاً نیچرل کے موافق ہونے سے یہ غرض ہے کہ شعر کے الفاظ اور انکی ترتیب و نشست تا بمقدور اس زبان کی معمولی بول چال کے موافق ہو جسمیں وہ شعر کہا گیا ہے کیونکہ ہر زبان کی معمولی بول چال اور روزمرہ اس ملک والوں کے حق میں جہاں وہ زبان بولی جاتی ہے نیچر یا سیکنڈ نیچر کا حکم رکھتے ہیں پس شعر کا بیان جسقدر کہ بے ضرورت معمولی بول چال اور روزمرہ سے بعید ہوگا اسیقدر اُن نیچرل سمجھا جائیگا۔ معنیً نیچر کے موافق ہونے سے یہ مطلب ہے کہ شعر میں یا ہونی چاہئیں ایسی باتیں بیان کی جائیں جیسی کہ ہمیشہ دنیا میں ہوا کرتی ہیں پس جس شعر کا مضمون اس کے خلاف ہوگا وہ اُن نیچرل سمجھا جائے گا مثلاً ؎

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری۔ حالی ص ۹۱

کوئی رکھ کے زیرِ زنخنداں چھڑی ــــ رہی نرگس آسا کھڑی کی کھڑی

رہی کوئی انگلی کو دانتوں میں داب ــــ کسی نے کہا گھر ہوا یہ خراب

ان دونوں شعروں کو نیچرل کہا جائیگا۔ کیونکہ بیان بھی بول چال کے موافق ہے اور مضمون بھی ایسا ہے کہ جس موقع پر وہ لایا گیا ہے وہاں ہمیشہ ایسا ہی واقع ہوا کرتا ہے" [1]

اس طرح شعر کو نیچر کے مطابق ہونا چاہیے اور کسی اصل واقع کو ظاہر کرنا چاہئیے جسکو ہر شخص سنکر یہ کہے کہ ایسا ہی ہوتا ہے اور یہ سچ بات ہے۔ شاعری کے کچھ دور ہوتے ہیں۔ ابتدائی دور میں شعرا نیچرل شاعری کے مطابق ہی شعر کہتے ہیں۔ دوسرے دور میں اسکو زیادہ موثر بنانے کی کوشش کیجاتی ہے پھر آہستہ آہستہ بناوٹ بڑھتی جاتی ہے اور پھر وہ نیچر کے راستے کو ترک کر دیتی ہے زبان میں وسعت، گھلاوٹ، لوچ اور صفائی پیدا کرنیکی کوشش کیجاتی ہے اسطرح اکثر تصنع پیدا ہوجاتا ہے لیکن کچھ اساتذہ صفائی اور بانکپن پیدا کرنے میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔

شاعری میں درستی اور صفائی کی خوبی

حالی نے شعر گوئی کیلئے اس پر بھی زور دیا ہے کہ زبان میں درستی اور صفائی قائم رکھی جائے

انگریزی اساتذہ کے حوالے سے انھوں نے اس امر کو اہمیت دی ہے کہ شعر گوئی کیلئے مادری زبان کا استعمال ہی مناسب ترین طریقہ ہے اکثر انھیں شعراء کا کلام مقبول ہوا ہے جنھوں نے اپنی مادری زبان میں ہی اپنے افکار و خیالات پیش کئے ہیں۔ بہر حال ہندوستان میں اردو زبان اس درجہ کی مستحق ہے کہ اس ملک میں ہر قسم شعر و سخن کیلئے اسکو مناسب سمجھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے سوا ہندوستان کی کسی اور زبان

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری - حالی ص ۹۲

www.urduchannel.in

ہیں اس قدر آسانی سے خیالات کا پیش کرنا ممکن نہیں ہندوستان میں کسی اور زبان میں اتنے اشعار نہیں مل سکتے جتنے کہ اردو زبان میں اس لئے ہندوستان میں ہر جگہ شعر و سخن کیلئے اردو ہی مناسب زبان ہے۔ حالی نے فن شعر کیلئے یہ ہدایت بھی کی ہے کہ دیگر شعراء کا جس قدر کلام ہو سکے اس کا مطالعہ کیا جائے اور اس پر توجہ کی جائے کہ خیالات کے اظہار کے لئے کیا قاعدے برتے جاتے ہیں۔ اردو میں بہت سے اعلیٰ شاعروں کے دیوان شائع ہو چکے ہیں ان کا مطالعہ مفید ہوگا عربی، فارسی اور ہندی بھاشا کی واقفیت حاصل کی جائے۔ حالی نے نیچرل شاعری کیلئے یہ بھی ضروری خیال کیا ہے کہ زبان کو وسعت دی جائے۔

غزل کی اصلاح۔

حالی نے اردو میں غزل، قصیدہ، مثنوی وغیرہ اصناف شعر کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اور ان اصناف کی موجودہ حالت کا جائزہ لیتے ہوئے اصلاح کیلئے تجاویز پیش کی ہیں سب سے پہلے انھوں نے غزل پر اظہار خیال کیا ہے۔ غزل کا آغاز ایران میں ہوا اور کافی عرصہ بعد ہندوستان میں اس کا دور شروع ہوا۔ شروع سے ہی اس کی بنیاد عاشقانہ جذبات پر تھی۔ لیکن بعد میں ایران اور ہندوستان دونوں جگہ تصوف اور اخلاق اور پند و نصائح بھی اس کے موضوعات میں داخل ہو گئے۔ اس زمانے میں اکثر طویل نظمیں لکھنا دشوار سمجھا جاتا ہے لیکن شاعر اپنے تخیل کو ظاہر کرنے کیلئے مجبور ہوتا ہے اس کے لئے غزل، رباعی یا قطعہ جذبات کے اظہار کا موزوں ترین ذریعہ ہو سکتے ہیں۔ غزل کی اہمیت کا بیان کرتے ہوئے حالی نے اس کی مقبولیت کا ذکر کیا ہے۔ ہر طبقہ اور ہر طرح کی صحبت میں اس کو پسند کیا جاتا ہے۔ اس کے اشعار بآسانی یاد ہو جاتے ہیں۔ غزل کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے

www.urduchannel.in

حالی اس کی اصلاح کیطرف توجہ دیتے ہیں۔ انھوں نے یہ تسلیم کیا کہ غزل میں دلکشی ہماشقانہ خیالات، بوالہوسی اور شوخی سے پیدا ہوتی ہے اگر ان چیزوں کو غزل سے نکال دیا جائے اور اسطرح اصلاح کیجائے کہ دوسرے موضوعات کو اس میں شامل کیا جائے تو غزل کی مقبولیت کا قائم رہنا انتہائی دشوار ہوگا۔ لیکن زمانے کے حالات اور وقت کا تقاضہ حالی کو مجبور کرتا ہے کہ وہ غزل کی عمارت میں تبدیلی کی رائے دیں۔ اسلئے انھوں نے غزل کے موضوع اور ہیئت سے متعلق کچھ اصلاحیں تجویز کی ہیں۔ حالی نے اس خیال کی تردید کی ہے کہ عشق و محبت کے معاملات اگر غزل میں شامل نہ ہوں تو ان میں کوئی کشش باقی نہیں رہے گی۔ اس بارے میں ان کا یہ کہنا ہے کہ محبت کا جذبہ محدود نہیں ہے۔ بندے کو خدا سے اولاد کو ماں باپ سے بھائی کو بہن سے رعایا کو بادشاہ سے آدمی کو جانور سے مکان سے وطن سے قوم سے خاندان سے محبت ہونا بھی ایک عام جذبہ ہے اس لئے ہمیں اس جذبے کو صرف ایک عاشق کے نفسانی خواہشات کی حدود میں ہی مقید نہیں رکھنا چاہیئے حالی کہتے ہیں۔

"ہماری یہ رائے ہے کہ غزل میں جو عشقیہ مضامین باندھے جائیں وہ ایسے جامع الفاظ میں ادا کئے جائیں جو دوستی اور محبت کی تمام انواع و اقسام اور تمام جسمانی اور روحانی تعلقات پر حاوی ہوں اور جہانتک ہو سکے کوئی لفظ ایسا نہ آنے پائے جس سے کھلم کھلا مطلوب کا مرد یا عورت ہونا پایا جائے"[1]

غزل میں ایسے الفاظ جو عورتوں کے حسن و جمال کی تعریف میں استعمال کئے جاتے ہیں اسکو موجودہ حالات

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری ص ۱۲۱

www.urduchannel.in

میں ترک کر دینا چاہئیے ۔ غزل میں نئے موضوعات کو شامل کرنا نہایت ضروری ہے ۔ اور اس سے غزل کی مقبولیت کو نقصان پہنچنے کا بھی اندیشہ نہیں ہے ۔ کیونکہ بہت سے مضامین ایسے ہو سکتے ہیں جو سامعین میں جوش پیدا کر سکیں ۔ حالی کے الفاظ میں ۔

"جس بات کا سچا جوش دل میں اٹھے خواہ اس کا منشا خوشی ہو یا غم یا حسرت یا ندامت یا شکر یا شکایت یا صبر یا رضا یا قناعت یا توکل یا رغبت یا نفرت یا رحم یا انصاف یا غصہ یا تعجب یا امید یا ناامیدی یا شوق ۔ یا انتظار یا حب وطن یا قومی ہمدردی یا رجوع الی اللہ یا حمایت دین و مذہب یا دنیا کی بے ثباتی اور موت کا خیال یا کوئی اور جذبہ جذبات انسانی میں سے اسکو بھی غزل میں بیان کر سکتے ہیں" [1]

اس طرح حالی نے غزل کی پرانی روش کو ترک کرنے کا مشورہ دیا ہے کیونکہ صرف عشق و محبت کے ترانے سے دل بہلانا اب دانائی اور دوراندیشی نہیں ۔ غزل کیلئے بہت سے دلچسپ موضوع ہو سکتے ہیں ۔ قدرتی مناظر ۔ کسی سفر کی داستان ۔ حب وطن اور میلے تماشے اور اس قسم کی بہت سی چیزیں غزل میں شامل کی جا سکتی ہیں ۔ اور ان موضوعات پر لمبے چوڑے مضمون پیش کیے جا سکتے ہیں یہ ایک قدرتی امر ہے کہ ایک ہی موضوع کو بار بار دہرانا طبیعت میں اکتاہٹ اور بیزاری پیدا کر دیتا ہے اسی طرح ایک ہی قسم کے مضامین پر شعر کہنا بھی فطرت انسانی کے مطابق نہیں ہے حالی نے اس روش پر اعتراض کیا ہے کہ ایک ہی

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری ۔ حالی ص ۱۲۹

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

مضمون کو طرح طرح سے پیش کیا جائے۔ شعراء کے کلام کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ پرانے شعراء کے کلام میں کچھ کسر یا نقص پایا جاتا ہے وہ اگلے شعراء کچھ کمی بیشی اور کاٹ چھانٹ کے ساتھ پیش کر دیتے ہیں اس طرح سے بھی شعر میں ترقی ممکن سمجھی جاتی ہے اس سلسلے میں حالی اپنے خیالات اس طرح پیش کرتے ہیں

"شعر ہی پر کچھ موقوف نہیں بلکہ تمام علوم و فنون میں انسان نے اسی طرح ترقی کی ہے اور اگلے جو ادھورے نمونے چھوڑتے گئے پچھلے ان میں کچھ کچھ تصرف کرتے رہے یہاں تک کہ ہر ایک علم اور ہر ایک فن کمال کے درجے کو پہنچ گیا۔ شعر کی ترقی بھی اسی طرح متصور ہے کہ قدماء کے خیالات میں کچھ کچھ معقول تصرفات ہوتے رہے لیکن اس قسم کے تصرفات کرنے کے لئے شاعری کی پوری لیاقت ہونی چاہیئے۔ ورنہ جیسے ایجادات ہمارے ملک کے اکثر شعراء کرتے ہیں ان سے بجائے ترقی کے روز بروز شاعری نہایت ذلیل و پست و حقیر ہوتی جاتی ہے۔" [1]

اردو شاعری کے خزانے کو وسعت دینے کیلئے حالی نے غیر زبانوں کو بھی اہمیت دی ہے۔ مثلاً عربی اور انگریزی میں طرح طرح کے عمدہ خیالات موجود ہیں اردو والے بھی ان زبانوں سے کچھ خیالات حاصل کر کے اور ان میں کچھ اضافہ کر کے ترجمہ کر سکتے ہیں۔ سنسکرت اور بھاشا سے بھی خیالات حاصل کئے جائیں اس طرح سے اردو شاعری ترقی کی طرف گامزن ہوگی۔ اور اگر کوئی شاعر کسی دوسرے زبان کے

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری۔ حالی ص ۱۲۱

www.urduchannel.in

اشعار کا اردو میں ترجمہ کرے اور اسکو مطابق اصل محسوس نہ کیا جائے تو اس پر اعتراض کرنا نامناسب ہے کیونکہ ایک زبان کے شعر کو دوسری زبان میں ترجمہ کرنا معمولی آدمی کے بس کی بات نہیں دراصل ترجمے سے ایک علیحدہ قسم کی قابلیت ظاہر ہوتی ہے۔ دنیا کی ہر بڑی قوم نے دوسری زبانوں سے خیالات حاصل کئے ہیں اور اپنے شعروادب کو ترقی دی ہے۔ حالی لکھتے ہیں۔

"پہلے یورپ جو آج لٹریچر میں بھی مثل علوم وفنون وصنائع کے تمام دنیا سے فائق ہیں اس کا سبب عشق کے سوا اور کچھ نہیں کہ دنیا میں کوئی مشہور قوم ایسی نہیں جسکی شاعری اور انشاء کا لب لباب انکی زبانوں میں موجود نہ ہو پس ہم کو بھی چاہیئے کہ جس قوم اور جس زبان کے خیالات ہمکو بہم پہنچیں ان سے جہانتک ممکن ہو فائدہ اٹھائیں۔ اور صرف انھیں چند فرسودہ اور بوسیدہ خیالات پر جو صدیوں سے برابر چلے آتے ہیں قناعت کرکے نہ بیٹھ رہیں کیونکہ علم و ہنر میں قناعت ویسی ہی قابل ملامت ہے جیسی مال و دولت میں حرص۔" لے

غزل کیلئے ایک مخصوص قسم کی زبان استعمال کرنی پڑتی ہے چاہے غزل کسی بھی موضوع پر کہی جائے لیکن الفاظ وہی استعمال کئے جاتے ہیں جو بنیادی طور پر اس کیلئے مخصوص کر دئے گئے ہیں۔ دیگر اصناف کے مقابلے میں غزل میں سادگی اور صفائی کا زیادہ لحاظ رکھنا چاہیئے۔ اس طرح حالی نے غزل میں اصلاح کیلئے کچھ امور پر زور دیا ہے۔ غزل کو صرف عاشقانہ خیالات پیش کرنے تک محدود رکھنا وہ پسند نہیں کرتے

لے حالی مقدمہ شعر و شاعری ص ۱۵۰

غزل میں ہر قسم کے مضامین ادا ہو سکتے ہیں۔ انہیں کے الفاظ میں

"غزل میں معمولی مضامین بندھتے بندھتے اس کی ایک خاص زبان قرار پا گئی ہے اور وہ اسقدر کانوں میں رچ گئی ہے کہ اگر دفعتاً اسمیں کثرت سے غیر مانوس اور اجنبی ترکیبیں اور اسلوب بیان داخل ہو جائیں تو غزل ایسی کی گھٹل ہو جائے جیسی کہ بعض شعراء کی غزل عربی اور فارسی کے غیر مانوس الفاظ اور ترکیبیں اختیار کرنےسے ہو گئی ہے حالانکہ غزل کو باعتبار مضامین کے وسعت دینا ابطاً اس بات کا مقتضی ہے کہ زبان اور طریقۂ بیان کو بھی وسعت دی جائے پس ضرور ہے کہ کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ طریقۂ بیان میں دفعتاً کوئی بڑی تبدیلی بھی واقع نہ ہو اور باوجود اس کے غزل میں ہر قسم کے خیالات عمدگی کے ساتھ ادا ہو سکیں" [1]

حالی نے یہ ضروری سمجھا ہے کہ غزل عوام کی پسند اور ان کے مزاج کے مطابق ہو کیونکہ غزل کے اشعار آسانی سے یاد ہو جاتے ہیں اور ہر طرح کی محفلوں میں اور جلسوں میں پڑھی جاتی ہے۔ یہی نیچرل شاعری کو رواج دینے کا صحیح طریقہ ہے کہ غزل میں ہر طرح کے انسانی معاملات اور خیالات پیش کئے جائیں اور اس انداز سے اور ایسے الفاظ کی مدد سے انکو پیش کیا جائے جو عام قسم کے افراد کے لئے عام فہم ہوں اس سلسلے میں روزمرہ کی زبان کا استعمال بھی لازم ہے حالی نے اس امر پر روشنی ڈالی ہے کہ زمانے کے حالات میں تبدیلی ہوتی ہے تو قوم کی سوچ بھی بدلتی ہے علم وفن کی ترقی سے اکثر شاعرانہ تخیل محض فرضی قصے اور دل بہلاوے

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری ص ۱۵۰

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

بن کر رہ جاتے ہیں۔ پھر بھی شاعر کو وہ الفاظ ترک نہیں کرنے چاہیئے جن کی بنیاد فرضی تخیل پر رکھی گئی تھی

اس مسئلے میں حالی لکھتے ہیں۔

"قدیم اسلوب جو کانوں میں رچ گئے ہیں انکو بدستور قائم و برقرار رکھا جاتا ہے یہانتک کہ اگر علم کی ترقی سے بہت سے قدیم شاعرانہ خیالات محض غلط اور بے بنیاد ثابت ہو جائیں تو بھی جن الفاظ کے ذریعہ سے وہ خیالات ظاہر کئے جاتے تھے وہ الفاظ ترک نہیں کئے جاتے فرض کرو کہ آسمان کا وجود اور اسکا گردش کرنا زمین کا ساکن ہونا۔ پانی اور ہوا کا بسیط ہونا۔ عناصر کا چار میں منحصر ہونا۔ جام جم کا جہاں نما ہونا۔ ظلمات میں چشمۂ حیوان کا مخفی ہونا۔ سیمرغ دیو و پری کا موجود ہونا اور اسی قسم کی اور بہت سی باتیں علم انسانی کی ترقی سے غلط ثابت ہو جائیں تو بھی شاعر کا یہ کام نہیں ہے کہ ان خیالات سے بالکل دستبردار ہو جائے بلکہ اسکا کمال یہ ہے کہ حقائق و واقعات اور سچے اور نیچرل خیالات کو انھیں غلط اور بے اصل باتوں کے پیرایہ میں بیان کرے اور اس طلسم کو جو قدما باندھ گئے ہیں ہرگز توڑنے نہ دے ورنہ وہ بہت جلد دیکھے گا کہ اس نے اپنے منتر میں سے وہی اچھر بھلا دئے ہیں جو دلوں کو تسخیر کرتے تھے"۔ [1]

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری ص ۱۵۲

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

حالی نے اس بات پر بار بار زور دیا ہے کہ نئے اسلوب اور غیر مانوس الفاظ کا استعمال کم ہو اور غزل میں تو اس کا لحاظ ضرور رکھا جائے ۔ بہرحال آہستہ آہستہ نئے الفاظ اور خیالات میں اضافہ کرنا چاہیئے اس کیلئے علم بیان سے واقفیت بھی ضروری ہے یعنی ایک ہی خیال اور مضمون کو کئی طرح کے پیرایوں میں پیش کرنا ۔ ایک لفظ کو کہاں کہاں استعمال کرنا مناسب ہے خواجہ حافظ ۔ خواجہ میر درد ۔ سودا ۔ ذوق ۔ غالب ۔ شیفتہ وغیرہ دواوین میں ایسے اشعار بکثرت ملتے ہیں جن سے ہر قسم کے خیالات ہر موقع کے مطابق استعمال کرنے اور نئے نئے اسلوب میں پیش کرنیکی قابلیت ظاہر ہوتی ہے ۔

استعارہ ۔ کنایہ ۔ اور تمثیل کا تفصیلی بیان اور اس کے استعمال کے بارے میں واقفیت شاعر کیلئے ضروری ہے استعارہ کی اہمیت حالی اسطرح بیان کرتے ہیں ۔

"استعارہ بلاغت کا ایک رکن اعظم ہے اور شاعری کو اس کے ساتھ وہی نسبت ہے جو قالب کو روح کے ساتھ ۔ کنایہ اور تمثیل کا حال بھی استعارہ ہی کے قریب قریب ہے ۔ یہ سب چیزیں شعر میں جان ڈالنے والی ہیں ۔ جہاں اصل زبان کا قافیہ تنگ ہو جاتا ہے وہاں شاعر انھیں کی مدد سے اپنے دل کے جذبات اور دقیق خیالات عمدگی کے ساتھ ادا کر جاتا ہے اور جہاں اسکو اپنا منتر کارگر ہوتا نظر نہیں آتا وہاں انھیں کے زور سے وہ لوگوں کے دلوں کو تسخیر کر لیتا ہے" [1]

اس طرح شاعر استعارہ کنایہ اور تمثیل کے استعمال سے سادہ اور معمولی خیالات کو دلکش اور موثر طریقے سے بیان کر سکتا ہے ۔

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری ص ۱۵۹

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

جن شعراء نے اس قدر دشوار استعارے استعمال کئے ہیں جن کا سمجھنا اوسط درجے کے عوام کے لئے قابل فہم نہیں انکا کلام مقبولیت نہیں پاسکا مثلاً بدر چاچی کے قصائد میں انتہائی دشوار استعارے پائے جاتے ہیں جو عوام کی سمجھ سے باہر ہیں۔

روزمرہ الفاظ کے ساتھ محاورہ بھی صحیح طور پر استعمال کیا جائے تو شعر اعلیٰ درجے کا بن جاتا ہے محاورہ کی تعریف حالی کے نزدیک یہ ہے کہ۔

"محاورہ لغت میں مطلقاً بات چیت کرنے کو کہتے ہیں خواہ وہ بات چیت اہل زبان کے روزمرہ کے موافق ہو خواہ مخالف لیکن اصطلاح میں خاص اہل زبان کے روزمرہ یا بول چال یا اسلوب بیان کا نام محاورہ ہے" [1]

روزمرہ اور محاورہ کے استعمال کے سلسلے میں حالی کا خیال ہے

"الغرض نظم ہو یا نثر روزمرہ کی پابندی جہاں تک ممکن ہو نہایت ضروری ہے مگر محاورہ کا ایسا حال نہیں ہے محاورہ اگر عمدہ طور سے باندھا جائے تو بلاشبہ پست شعر کو بلند اور بلند شعر کو بلند تر کر دیتا ہے لیکن ہر شعر میں محاورہ کا باندھنا ضرور نہیں بلکہ ممکن ہے کہ شعر بغیر محاورہ کے بھی فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ درجہ پر واقع ہو اور ممکن ہے کہ ایک پست اور ادنیٰ درجے کے شعر میں بے تمیزی سے کوئی لطیف و پاکیزہ محاورہ رکھ دیا گیا ہو

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری ۔ حالی ص ۱۶۳

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

ایک مشہور شاعر کا شعر ہے ؎

گو بر اشک سے لبریز ہے سارا دامن　　آجکل دامن دولت ہے ہمارا دامن

اس شعر میں کوئی محاورہ نہیں باندھا گیا باوجود اس کے شعر تعریف کے قابل ہے دوسری جگہ بھی شاعر کہتا ہے ؎

اس کا خط دیکھنے میں جب صیاد　　طوطے ہاتھوں کے اڑا کرتے ہیں۔

اس شعر میں نہ کوئی خوبی ہے نہ مضمون ہے صرف ایک محاورہ بندھا ہوا ہے اور وہ بھی روزمرہ کے خلاف یعنی اڑ جاتے ہیں کی جگہ اڑا کرتے ہیں۔ [1]

اس طرح حالی نے روزمرہ اور محاورہ کے مناسب استعمال پر زور دیا ہے۔ وہ ایسے شعر کو زیادہ پسندیدہ سمجھتے ہیں جس میں روزمرہ اور محاورہ دونوں شامل ہوں اس سلسلے میں ایک امر قابل ذکر ہے کہ عوام اور خواص کسی شعر کو یکساں طور پر پسند نہیں کرتے۔ عوام محاورہ اور روزمرہ کے استعمال سے متاثر ہوتے ہیں۔ جبکہ خواص کا معیار یہ ہے کہ وہ شعر میں ایسی صفت تلاش کرتے ہیں جس میں کسی سنجیدہ معاملے کو روزمرہ کے استعمال سے خوبی اور صفائی سے پیش کیا جائے کیونکہ بقول حالی

"فن شعر میں اور خاص کر اردو زبان میں کوئی بات اس سے زیادہ مشکل نہیں ہے کہ عمدہ مضمون معمولی بول چال اور روزمرہ میں پورا پورا ادا ہو جائے جن لوگوں نے روزمرہ کی پابندی کو سب چیزوں سے مقدم سمجھا ہے ان کے کلام کو بھی جب نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے تو جا بجا فروگذاشتیں کثرت سے نظر آتی ہیں

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری - حالی ص ۱۶۶

www.urduchannel.in

پس جب کوئی شعر با وجود مضمون کی متانت اور سنجیدگی کے روزمرہ اور محاورہ میں بھی پورا اتر جائے تو لامحالہ اس سے صاحبِ ذوق کو تعجب ہوتا ہے مثلاً میر انشاء اللہ خاں اس بات کو افسردگی کے عالم میں خوشی اور عیش و عشرت کی چھیڑ چھاڑ سخت ناگوار گذرتی ہے اسطرح بیان کرتے ہیں۔

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی ‌ ‌ ‌ تجھے اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں" ۱؎

اسطرح مرزا غالب نے بڑے سے بڑے مضمون کو چند مصرعوں میں بیان کردیا ہے یہ سب محاورے اور روزمرہ کے استعمال کا نتیجہ ہے۔ مومن خاں نے بھی سنجیدہ مضمون کو محاورات اور روزمرہ کے ذریعے بڑی خوبی سے پیش کیا ہے حالی نے صنائع بدائع کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے زیادہ استعمال سے سامعین کو بناوٹ کا احساس ہوتا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ شاعر اپنی قابلیت جتانے کیلئے صنائع کی مدد لے رہا ہے۔ حالی نے غزل میں صنائع اور بدائع کے استعمال کو نامناسب قرار دیا ہے لیکن کچھ مخصوص حالات میں اس کے استعمال کی اجازت بھی دی ہے۔ انھوں نے اس بات کو جائز سمجھا ہے کہ اگر کوئی لفظ شعر کے حسن میں اضافہ کردے اور یہ احساس نہ ہو کہ شاعر نے اس کو قصداً شعر کی بلندی کیلئے استعمال کیا ہے تو ایسی حالت میں صنائع بدائع کا استعمال نامناسب نہ ہوگا۔ حالی کے الفاظ میں۔

"پہلی قسم کی کل صنعتیں اور دوسری قسم کی خاص خاص صنائع عربی اور فارسی کے تمام نامور شعراء نے برتی ہیں مگر کسی نے ان کا التزام نہیں کیا اور کلام کی بنیاد ان پر نہیں رکھی۔ ہاں اگر

۱؎ مقدمہ شعر و شاعری۔ حالی ص ۱۶۸

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

حسنِ الفاظ سے کبھی کوئی ایسا مناسب لفظ سوجھ گیا جس سے معنی مقصود میں کچھ خلل واقع نہ ہو اور بیان میں زیادہ حسن پیدا ہو جائے ایسے موقع کو بلاشبہ ہاتھ سے جانے نہیں دیا جیسے خواجہ حافظ کہتے ہیں۔

بزیر دلق طمع کمند ہا دارند — درازدستی ایں کوتہ آستیناں بیں۔

اس شعر میں دراز اور کوتہ کے لحاظ سے صنعتِ طباق اور دست و آستین کے اعتبار سے مراۃ النظیر ہے مگر دونوں صنعتیں ایسی بے تکلف اور مناسب طور پر واقع ہوئی ہیں کہ معنی مقصود میں بجائے اس کے کہ مخل ہوں اور زیادہ قوت پیدا کر دی ہے اور شعر کا حسن دوبالا کر دیا ہے۔"[1]

اس طرح کچھ مخصوص حالتوں میں صنائع اور بدائع کے استعمال سے شعر میں بلندی پیدا ہو جاتی ہے لیکن اگر جان بوجھ کر صنائع بدائع کا استعمال کثرت سے کیا جائے تو شاعری کی تاثیر زائل ہو جاتی ہے۔

حالی نے شعر کی خوبی یہ بتائی ہے کہ

"شعر کی اصل خوبی یہ ہے کہ نیچرل ہو۔ موثر ہو۔ لفظاً اور معنیً سانچے میں ڈھلا ہو اگر اس کے ساتھ کوئی لفظی رعایت بھی اس میں پائی جائے تو اور بہتر ہے ورنہ اس کی کچھ ضرورت نہیں۔"[2]

صنائع اور بدائع کی پابندی دہلی کے شعراء میں بہت کم ملتی ہے لیکن لکھنؤ کے بعض شعراء نے اس پر بہت زور دیا ہے

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری ۔ حالی ص ۱۷۱

[2] " " " ص ۱۷۲

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

حالی نے اردو شاعری پر ایک اور اہم خامی کی نشاندہی کی ہے اور وہ ہے دشوار زمینوں میں شعر کہنے کی کوشش۔ شعر کے مضمون کے لحاظ سے قوافیہ تلاش کرنا مشکل ترین مرحلہ ہوتا ہے۔ یہ اس درجہ دشوار ہے کہ یورپ میں ایک نئی قسم کی نظم غیر متقفیٰ رائج ہوئی ہے اسکو زیادہ مقبولیت مل رہی ہے اردو میں قافیہ کے ساتھ ردیف کی مصیبت بھی لگی ہوئی ہے غزل کی منزل کو اسقدر دشوار بنانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معنی کی اہمیت نہیں رہتی اور قافیہ پیمائی ہر شاعر کی خاص صفت بن جاتی ہے حالی بامعنی شعر موزوں کرنے کے لئے ان چیزوں کو انتہائی مضر سمجھتے ہیں اس سلسلے میں کہتے ہیں۔

"ان سنگلاخ زمینوں میں اس کے سوا اور کچھ مقصود نہیں ہوتا۔ کہ دو بے مثل چیزوں میں میل ثابت کیا جائے بس شاعر کو چاہیئے کہ ہمیشہ ردیف ایسی اختیار کرے جو قافیہ سے میل کھاتی ہوئی ہو اور ردیف و قافیہ دونوں مل کر دو مختصر کاموں سے زیادہ نہ ہوں بلکہ رفتہ رفتہ مردف غزلیں لکھنی کم کرنی چاہئیں اور سر دست محض قافیہ پر قناعت کرنی چاہیئے۔ قافیہ ایسا اختیار کرنا چاہیئے جس کے لئے قدر ضرورت سے دس گنے بلکہ بیس گنے الفاظ موجود ہوں ورنہ مضمون کو قوافی کا تابع کرنا پڑے گا قافیہ مضمون کے تابع نہ ہوں گے۔" [1]

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری ص ۱۷۶

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

قصیدے کے بارے میں حالی کی رائے

قصیدے کی اہمیت کے بارے میں حالی لکھتے ہیں:

"قصیدہ بھی اگر اس کے معنی مطلق مدح و ذم کے لئے جائیں اور اس کی بنیاد محض تغلبی مضامین پر نہیں بلکہ شاعر کے سچے جوش اور ولولے پر ہو تو شعر کی ایک نہایت ضروری صنف ہے جس کے بغیر شاعر کمال کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا اور اپنے بہت سے اہم اور ضروری فرائض سے سبکدوش نہیں ہو سکتا" [1]

حالی نے اس بات کو جائز قرار دیا ہے کہ اگر کوئی ہستی قابل تعریف ہے تو اس کی خوبیوں کا بیان کیا جائے کیونکہ یہ ایک قدرتی جذبہ ہے جسکا اظہار شاعر قصیدہ کی شکل میں پیش کرتا ہے اور اگر کسی کے عیب اور خامیوں کو ظاہر کیا جائے تو یہ بھی فائدہ مند بات ہے کہ لوگ رسوائی کے ڈر سے اپنے افعال بد سے باز آئیں گے اس طرح حالی نے قصیدہ کو شاعری کی ایک مفید اور اہم صنف قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعے سے معاشرہ کی اصلاح ہوتی ہے نیکی کی طرف رغبت اور بدی سے نفرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے لیکن حالی نے قصیدہ میں حد اوسط سے بڑھنے کو منع کیا ہے وہ ہدایت کرتے ہیں۔

"مدح ایسے اسلوب سے کرنی چاہیے کہ وہ ممدوح نہ خوشامد نہ ہو جائے اور نہ مذمت ایسے عنوان سے ہونی چاہیے کہ دلسوزی کا پہلو طعن و تشنیع کی نسبت غالب تر ہو" [2]

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری ص ۱۷۶ [2] مقدمہ شعر و شاعری ص ۱۷۸

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

قدیم زمانے میں ایک خاص قسم کا ماحول پایا جاتا تھا۔ بادشاہ نواب اور امرا جاگیردار خوشامد پسند واقع ہوئے تھے۔ وہ اپنی تعریف میں لکھے گئے قصائد پر انعام و اکرام سے نوازتے تھے عوام بھی لفاظی اور تخیل کی بلندی سے متاثر ہوتے تھے اب حالات یکسر بدل گئی ہے جمہوریت کا دور دورہ ہے اب وہ پرانے دور کے قصیدے پسند نہیں کئے جاتے۔ قصیدے کو صداقت کی بنیاد پر لکھا جائے۔ اس سلسلے میں حالی نے یورپ کی شاعری سے استفادہ حاصل کرنیکا مشورہ دیا ہے۔

مرثیہ کا بیان۔

قصیدے کی طرح مرثیہ میں بھی کسی اہم ہستی کی تعریف و توصیف کی جاتی ہے حالی کے الفاظ میں

"مرثیہ پر بھی اس لحاظ سے کہ اس میں زیادہ تر شخص متوفی کے محامد و فضائل بیان ہوتے ہیں مدح کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ زندوں کی تعریف کو قصیدہ بولتے ہیں اور مُردوں کی تعریف کو جس میں تاسف اور افسوس بھی شامل ہوتا ہے مرثیہ کہتے ہیں۔" [1]

عرب میں جو قصیدے اور مرثیے لکھے جاتے تھے اس میں کسی مرحوم ہستی کی زندگی اور اس کے اعلیٰ اوصاف بیان کئے جاتے تھے جو صداقت اور اصل واقعات پر مبنی ہوتے تھے۔ اردو شاعری میں مرثیے کی صنف میں قابل لحاظ ترقی ہوئی پہلے مرثیہ مختصر لکھے جاتے تھے لیکن بعد میں اس کی بنیاد میں اضافے کئے گئے اور اس سے اردو شاعری میں وسعت پیدا ہوئی لکھنؤ میں مرثیہ گوئی کا بہت زور شور رہا۔ انیس اور دبیر نے اس فن کو اپنے کمال تک پہنچایا۔ حالی نے مرثیہ کو ایک مفید صنف تسلیم کیا ہے کیونکہ شہدائے کربلا کے

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری ص ۱۷۹

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

بیان سے اخلاق و کردار کے شاندار نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔ مرثیہ میں بھی حالی نے اس امر پر زور دیا ہے کہ ایک ہی مضمون کو بار بار دہرانا مناسب نہیں اور شہدائے کربلا کے مصائب کے بیان کے ساتھ یہ کوشش بھی کی جانی چاہئیے کہ قوم کے افراد میں اخلاقی بلندی پیدا ہو اور وہ ایسے کاموں کی طرف متوجہ ہوں جو قوم اور ملک کیلئے کارآمد ہوں اور مرنے کے بعد بھی دنیا والے انہیں یاد کریں۔ حالی نے اس رجحان کو بھی پسند نہیں کیا ہے کہ مرثیہ میں صنائع بدائع پر ہی ساری قابلیت صرف کردی جائے حالی لکھتے ہیں۔

"ہم یہ نہیں کہتے کہ مرثیہ کی ترتیب میں مطلق فکر و غور کرنا اور صنف شاعری سے بالکل کام لینا نہیں چاہیئے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو شاعری کا سارا کمال زبان کی صفائی مضمون کی سادگی و بے تکلفی کلام کے موثر بنانے اور آورد کو آمد کر دکھانے میں صرف کرنا چاہئے تاکہ وہ اشعار جو بے انتہا فکر و غور اور کاٹ چھانٹ کے بعد مرتب ہوئے ہیں ایسے معلوم ہوں کہ گویا بے ساختہ شاعر کی قلم سے ٹپک پڑے ہیں۔" [1]

مثنوی کا بیان

حالی نے مثنوی کو سب سے زیادہ مفید اور کارآمد صنف بتایا ہے فارسی شاعری کو عربی شاعری پر مثنوی کی بنا پر ہی ترجیح دی جاتی ہے۔ اردو میں مثنوی کا حال یہ ہے کہ ان میں سے زیادہ تر عشقیہ قصے ہیں۔ اخلاقی اور تاریخی مضامین نہیں پائے جاتے۔ حالی نے کچھ اصلاحی نکات اس صنف کی ترقی کیلئے پیش کئے ہیں۔ ایک ضروری بات یہ ہے کہ ربط کلام کا لحاظ رکھا جائے جیسے زنجیر کی ایک کڑی کا دوسری کڑی سے ہوتا ہے جس مثنوی میں کوئی تاریخی

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری ص ۱۸۹

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

واقعہ یا قصہ یا کہانی پیش کی جائے اس کے بارے میں حالی کا خیال ہے کہ

"اس میں مضمون آفرینی اور بلند پروازی کی کچھ ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ مطالب ایسی صفائی سے ادا کیے جائیں کہ اگر انہیں مطالب کو نثر میں بیان کیا جائے تو نثر کا بیان نظم سے کچھ زیادہ واضح اور صاف اور مربوط نہ ہو البتہ نظم کا بیان نثر سے صرف اس قدر ممتاز ہونا چاہیئے کہ نظم کی طرز بیان نثر سے زیادہ موثر اور دلکش و دلاویز ہو" [1]

دوسری ضرورت عمدہ مثنوی کے لئے یہ ہے کہ ناممکن باتیں اور ایسے واقعات جن کا ہونا عقل سے بعید ہے ان کا بیان نہ کیا جائے اس قسم کی چیزوں کا رواج قدیم زمانے میں بہت رہا ہے لیکن اب علم و فن کی ترقی اس درجہ بڑھ چکی ہے کہ اب خلاف عقل چیزوں میں تاثیر باقی نہ رہی اور ایسے واقعات کو حماقت اور مسخرا پن کا درجہ دیا جاتا ہے لہذا ایسے قصے جس کا کوئی سر و پیر نہ ہو اس زمانے میں پسند نہیں کئے جاتے۔

مبالغہ اور صنائع بدائع سے کلام کو اعلیٰ درجے پر پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن حالی نے حد سے زیادہ مبالغہ کی رائے نہیں دی ہے اس سلسلے میں حالی لکھتے ہیں۔

"مبالغہ کی غایت یہ ہونی چاہیئے کہ جو مطالب بیان کرنا منظور ہے مبالغے کے سبب سے اس کا اثر سامع کے دل پر نہایت قوت کے ساتھ ہو نہ یہ کہ اس کا رہا سہا یقین بھی جاتا رہے مثلاً کسی پر رونق بازار کی نسبت

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری ص ۱۹۵

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

ایک تو یہ کہنا "وہاں صبح سے شام تک کٹورا بجتا ہے" (اگرچہ وہاں کسی

وقت بھی کٹورا نہ بجتا ہو) اور ایک اسکی توصیف اسطرح کرنی ؎

رات دن جمگھٹا ہے میلا ہے — مہر و مہ کا کٹورا بجتا ہے۔

یا مثلاً ایسے بازار کی نسبت ایک تو یہ کہنا کہ (وہاں چھڑکاؤ سے ہر وقت زمین نم رہتی ہے) اور ایک یہ کہ وہاں گلاب اور کیوڑے کا نہیں بلکہ آب گوہر کا چھڑکاؤ ہوتا ہے پس آج کل ایسے مبالغے باعث شرم سمجھے جاتے ہیں اور بجائے اس کے کہ ان سے سامع کے دل پر کوئی نقش بیٹھے یا شاعر کی لیاقت ظاہر ہو اس کی لغویت اور بے سلیقگی پائی جاتی ہے"[1]

کلام کو مقتضائے مقام کے خلاف نہیں ہونا چاہیئے مثلاً ایک بادشاہ یا وزیر کا معمولی آدمیوں کے انداز میں بات چیت کرنا۔ ایک بوڑھے کا نوجوان کے انداز میں بات چیت کرنا جیسا موقع ہو اس کے مطابق ہی الفاظ و بیان ہونا چاہیے۔ بیان صاف اور نیچرل ہونا چاہئے۔ شوق کی مثنویوں میں بڑے عمدہ طریقے سے مختلف حالتوں کا بیان کیا گیا ہے اور سچی باتیں جو ان حالتوں میں پیش آتی ہیں وہی بیان کی ہیں۔ اور میر حسن نے بھی اس میدان میں اہم مقام حاصل کیا ہے صنعت الفاظ اور لفظی مناسبت پر کچھ شعرا زیادہ زور دیتے ہیں۔ لیکن اس طرح کسی نیچرل حالت کو پیش کرنا مشکل ہوتا ہے۔ مثنوی میں قصے کے بیان میں ایک بیان دوسرے بیان کے منافی نہیں ہونا چاہئیے۔ مثلاً "طلسم الفت" میں شہزادی عالم آرا کا سخت پردے کی پابندی کرنا بیان کیا ہے اور پھر ایک دوسری جگہ اس کا بے حد بے پردگی میں رہنا

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری ص ۱۹۹

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

دکھایا ہے۔ حالی ایسے بیانات سے احتراز کرنے کی ہدایت کرتے ہیں۔

مثنوی میں ایسی چیزوں یا واقعات کا بیان نہ کیا جائے جو تجربہ کے خلاف ہوں اور یہ ظاہر ہو کہ قصہ نگار کی واقفیت محدود ہے مثلاً "بدر منیر" میں ایک منظر بیان کیا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک طرف دھان کی فصل تھی اور دوسری طرف سرسوں کے کھیت تھے مگر یہ بات مشاہدہ کے خلاف ہے کیونکہ دھان خریف میں اور سرسوں ربیع میں ہوتی ہے یا طلسم الفت میں شہزادے کا جہاز ڈوب جاتا ہے اور ایک رات اور ایک دن کے بعد شہزادہ دریا سے زندہ نکلتا ہے یہ بھی تجربے کے خلاف بات ہے۔

حالی نے میر تقی میر کی مثنویاں پسند کی ہیں اور ان کی فصاحت و بلاغت کی تعریف کی ہے۔ میر حسن کی مثنوی بدر منیر میں قصے کی شان پائی جاتی ہے یہ رتبہ کسی مثنوی کو نصیب نہیں ہوا۔ نواب مرزا شوق کی مثنویاں بھی مشہور ہوئیں۔

اس طرح حالی نے مثنوی کو موجودہ زمانے میں ایک مفید صنف قرار دیا ہے اور کچھ اصلاحی نکات پیش کئے ہیں جن میں ہدایت کی ہے کہ اس میں حقیقی اور فطری خیالات و اسالیب کو اپنایا جائے اور ہر طرح کے موضوعات اس میں شامل کئے جائیں۔ مختلف مسائل خیالات اور کیفیات کا بیان کیا جائے۔

حالی نے اردو ادب میں باقاعدہ تنقید کا آغاز کیا ہے انہوں نے اردو شاعری کے ماضی اور حال کا جائزہ لیا اور مستقبل کے لئے کچھ بلند معیار قائم کئے۔ انہوں نے مغربی خیالات و نظریات سے بھی استفادہ کیا۔ تخلیق شعر کے لئے بڑی سنجیدگی علمی اور تاریخی واقفیت کے پس منظر میں اصول و ضوابط

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

مرتب کئے۔ حالی کی فنی اہمیت اور عظمت کو ظہیر احمد صدیقی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے

"حالی نے مقدمہ لکھکر تنقید کے لئے بالکل ایک نیا راستہ کھول دیا۔ آئندہ تنقید کے لئے جو بھی راستہ اختیار کیا جائیگا وہ اسی کی روشنی میں اختیار کیا جائیگا۔ یہ اردو ادب میں تنقید کی پہلی کتاب ہے جس میں تنقید کے کچھ اصول مرتب کئے گئے اور ان میں نہ صرف مشرقی اصول سے کام لیا گیا بلکہ مغربی خیالات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

حالی اب آؤ پیروئ مغربی کریں
بس اقتدائے مصحفی و میر کر چکے" [1]

---

[1] تحقیقی مطالعہ حالی۔ ظہیر احمد صدیقی ص ۱۱۸

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

شبلی کا نظریۂ شعر

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

شبلی کا نظریہ شعر

اکثر نقادوں کا خیال ہے کہ اردو میں جدید تنقید کی ابتدا حالی کے 'مقدمہ شعر و شاعری' اور شبلی کے 'شعر العجم' سے ہوتی ہے یوں تو ان سے پیشتر ہی اردو ادب میں تنقیدی عناصر جا بجا ملتے ہیں۔ جن میں تنقیدی نظریات و اشارات پیش کئے گئے ہیں لیکن ان میں باقاعدہ ترتیب اور وضاحت نہیں ملتی۔ حالی اور شبلی نے ہی اردو تنقید کے باضابطہ اور مفصل اصولوں کو اپنے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق مرتب کیا۔

حالی کا درجہ متعین کرنے کے لئے مختلف مضامین و مقالات تحریر کئے جا چکے ہیں۔ لیکن شبلی کی تنقیدی قدر و قیمت کا اعتراف مناسب طور پر نہیں ہو سکا ہے حالانکہ بعض رسائل میں شبلی کے تنقیدی نظریات پر مقالات و مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن وہ تسلی بخش نہیں ہیں ان میں بعض اہم پہلوؤں کو نظر انداز کیا گیا ہے۔

شبلی ایک ایسے دور کے بزرگ تھے جب کہ قوم پستی کی طرف تیزی سے جا رہی تھی۔ اور زندگی کے سبھی پہلوؤں میں پس ماندگی اور تباہی تشویشناک صورت اختیار کر چکی تھی۔ شبلی ایک ہمدرد قوم تھے۔ شعر و شاعری کو وہ تفریح طبع کے دائرے سے نکالنا چاہتے تھے۔ اسے بامقصد اور ترقی پسندی کی طرف لے جانا چاہتے تھے لہٰذا وہ ایسے وسائل تلاش کرنا چاہتے تھے جس سے یہ مقصد پورا ہو سکے۔ اس دور کا ایک عام نظریہ یہ تھا۔ کہ مغربی علم و فن اور تہذیب کو اپنانے سے ملک ترقی کر سکتا ہے ساتھ ہی کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کا خیال تھا کہ مغربی تہذیب ہندوستان جیسے مشرقی ملک کے لئے مناسب نہیں ہے بلکہ از حد نقصان دہ ہے شبلی نے ان دونوں نظریات کے بیچ کا راستہ اپنایا۔ مشرقی تہذیب و روایات کو عزت اور وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے وہ مغربی ادب و تنقید کی خوبیوں

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

سے بھی متاثر تھے دراصل وہ مغربی انداز سے کام لیتے ہوئے ماضی کی عظمت اور اہمیت کا احساس پیدا کرنا چاہتے تھے اس لئے شبلی کی تنقید میں مشرق اور مغرب دونوں معیار و اصول پائے جاتے ہیں شبلی کے نزدیک اسی طریقے سے مشرق اور مغرب کے درمیان توازن قائم کیا جا سکتا تھا۔ اور ماضی کی روایات کو قائم رکھا جا سکتا تھا۔ جہاں تک عملی تنقید کا سوال ہے وہ مشرقی طریقے کو ہی اپناتے ہیں۔ اس سلسلے میں کلیم الدین احمد لکھتے ہیں۔

"حالی نے پرانی تنقید سے الگ ہو کر نئی تنقید کی ابتدا کی شبلی نئی اور پرانی تنقید کے بیچ معلق نظر آتے ہیں۔" [1]

مغربی تنقید میں سب سے زیادہ موضوع پر زور دیا جاتا ہے جب کہ مشرق میں الفاظ صنائع بدائع تشبیہ و استعارات وغیرہ ظاہری خوبیوں کو اہم سمجھا جاتا ہے شبلی بھی شعر کی خوبی اس کے موضوع کی واقعیت میں سمجھتے ہیں ان کے خیال میں تخیل اور واقعیت ایک ہی قسم کی چیزیں ہیں۔ کیوں کہ تخیل کا اثر اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس کے ساتھ واقعیت بھی ہو چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں

"تخیل میں بظاہر واقعیت کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی لیکن درحقیقت تخیل بھی اسی وقت پر لطف اور پر اثر ہو سکتا ہے جب اس کی تہہ میں واقعیت ہو۔" [2]

۱۔ اردو تنقید پر ایک نظر۔ کلیم الدین احمد ص ۱۲۰

۲۔ شعر العجم۔ جلد چہارم ص ۸۵

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

شاعری میں تخیل ایک اہم اور ضروری جزو ہے کسی واقعہ کی تصویر کشی میں تخیل سے ہی اثر پیدا ہوتا ہے۔ اس کا کمال ہے کہ دریا کو آگ بنا سکتا ہے محاکات میں اسی سے جان پڑتی ہے۔ دراصل محاکات اور تخیل دونوں ایک دوسرے کے لئے ضروری ہیں۔ ان دونوں کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات واضح ہے کہ شاعری کے لئے محاکات اور تخیل دونوں ضروری ہیں۔ کسی جذبہ یا واقع کی تصویر قوت محاکات سے کھینچی جاتی ہے اور یہ تصویر اصل سے زیادہ آب و تاب حاصل کرتی ہے قوت تخیل سے۔ اس سلسلے میں شبلی نے لکھا ہے۔

"حقیقت یہ ہے کہ شاعری دراصل تخیل کا نام ہے
محاکات میں جو جان آتی ہے تخیل ہی سے آتی ہے۔ ورنہ
خالی محاکات نقالی سے زیادہ نہیں" [1]

شبلی نے تخیل کی بحث میں بڑی باریکیاں پیش کی ہیں تخیل کے سلسلے میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

"تخیل دراصل قوت اختراع کا نام ہے... یہی قوت تخیل ہے
جو ایک طرف فلسفہ میں ایجاد اور انکشاف مسائل کا کام دیتی ہے
اور دوسری طرف شاعری میں شاعرانہ مضامین پیدا کرتی ہے" [2]

---

[1] شعر العجم جلد چہارم ص ۶۳ [2] شعر العجم جلد چہارم ص ۹

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

کچھ دیگر اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

" تخئیل مسلم اور طے شدہ باتوں کو سرسری نظر سے نہیں دیکھتی بلکہ دوبارہ ان پر تنقید کی نظر ڈالتی ہے اور بات میں بات پیدا کرتی ہے" [1]

دیگر۔

" شاعر قوت تخئیل سے تمام اشیاء کو نہایت دقیق نظر سے دیکھتا ہے وہ ہر چیز کی ایک ایک خاصیت، ایک ایک وصف پر نظر ڈالتا ہے۔ پھر اور چیزوں سے ان کا مقابلہ کرتا ہے، اُن کے باہمی تعلقات پر نظر ڈالتا ہے۔ ان کے مشترک اوصاف کو ڈھونڈ کر ان سب کو ایک سلسلہ میں مربوط کرتا ہے کبھی اس کے برخلاف جو چیزیں یکساں اور متحد خیال کی جاتی ہیں ان کو زیادہ نکتہ سنجی کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ان میں فرق اور امتیاز پیدا کرتا ہے" [2]

دیگر۔

" تخئیل نے اکثر وہ راز کھولے ہیں جو نہ صرف عوام بلکہ خواص کی نظر سے بھی مخفی تھے، دقت آفرینی اور حقیقت سنجی جو فلسفہ کی بنیاد ہے، تخئیل ہی کا کام ہے، اس بنا

---

[1] شعر العجم جلد چہارم ص ۲۸
[2] " " ص ۳۵ - ۳۶

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

پر شاعری اور فلسفہ دو برابر درجہ کی چیزیں تسلیم کی گئی ہیں"[1]

دیگر۔

"علت و معلول اور اسباب و نتائج کا عام طور پر جو سلسلہ تسلیم کیا جاتا ہے شاعر کی قوت تخیل کا سلسلہ اس سے بالکل الگ ہے۔ وہ تمام اشیاء کو اپنے نقطۂ خیال سے دیکھتا ہے اور یہ تمام چیزیں اس کو ایک اور سلسلہ میں مربوط نظر آتی ہیں۔ ہر چیز کی غرض و غایت، اسباب، محرکات، نتائج اس کے نزدیک وہ نہیں جو عام لوگ سمجھتے ہیں۔"[2]

دیگر۔

"شاعر کی نظر میں عالم کائنات، قوت تخیل سے ایک اور عالم بن جاتا ہے (یعنی قوت تخیل ایک نیا عالم پیدا کرتی ہے) ہم کائنات کی دو قسمیں کرتے ہیں۔ 'حساس' اور 'غیر حساس'، لیکن شاعر کے عالم تخیل کا ذرہ ذرہ جاندار اور ہوش و عقل و جذبات سے لبریز ہے آفتاب، ماہتاب، ستارے، صبح و شام، شفق، باغ، پھول، پتے، سب اس کی ہمزبانی کرتے ہیں، سب اس کے راز دار ہیں۔ سب سے اس کے تعلقات ہیں"[3]

دیگر۔

"شاعر کے سامنے (قوت تخیل کی بدولت) تمام بے جس اشیاء جاندار چیزیں بن جاتی ہیں"[4]

---

[1] شعر العجم جلد چہارم ص ۲۷
[2] " " ص ۳۱
[3] " " ص ۲۳
[4] " " ص ۱۰

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

ان اقتباسات میں دیگر مفکرین کے خیالات بھی شامل ہیں۔
بعض اوقات ایسا سمجھا جاتا ہے کہ مشاہدات تخیل کے لئے ضروری نہیں۔
اور تخیل کی مدد سے بے شمار خیالات پیدا کئے جا سکتے ہیں۔
شبلی نے اس خیال کو غلط بتایا ہے لکھتے ہیں۔

"یہ خیال نہایت غلط ہے اور اسی غلطی نے متاخرین کی شاعری کو تباہ کر دیا۔ اولاً تو کوئی خیال مشاہدات اور واقعات کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا، جن چیزوں کو ناممکن کہتے ہیں ان کا خیال بھی درحقیقت ممکن ہی کے مشاہدہ سے پیدا ہوا ہے" [1]

شبلی تخیل کے بے جا استعمال کے خلاف ہیں ان کے الفاظ ہیں۔

"قوت تخیل کو سب سے زیادہ بے اعتدالی کا موقع مبالغہ میں ملتا ہے، یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ مبالغہ کے لئے اصلیت اور واقعیت کی ضرورت نہیں، اس بنا پر قوت تخیل جی کھول کر بلند پروازی دکھاتی ہے اور کذب و بے راہ روی کی اس کو پرواہ نہیں ہوتی" [2]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔

"تخیل کی بے اعتدالی کا بڑا موقع استعارات اور تشبیہات ہیں۔ استعارے اور تشبیہیں جب تک لطیف، قریب الماخذ اور اصلیت سے ملی جلی ہوتی ہیں، شاعری میں حسن پیدا کرتی ہیں لیکن جب تخیل کو بے اعتدالی کا موقع ملتا ہے تو وہ دور از کار اور فرضی استعارات اور تشبیہیں پیدا کرتی ہے اور پھر اس پر

---

[1] شعر العجم جلد چہارم ص ۳۸
[2] " " ص ۱۴

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

اور نیا دین قائم کرتی جاتی ہے"[1]

کالرج اور شبلی۔

"کالرج نے تخیل کی ایک واضح تعریف کی ہے۔ کالرج نے لکھا ہے۔

"اس کا کرشمہ ہے کہ متضاد اور غیر متوازن چیزوں میں توازن اور میل کی جلوہ گری کرتی ہے اس کے فیض سے پرانی اور جانی ہوئی چیزوں میں نیا پن اور شگفتگی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور جذبات میں معمول سے زیادہ فروش کے ساتھ زیادہ امن وسکون بھی نظر آتا ہے۔ تیز اور زندہ فہم اور گہرے اور پر فروش جذبات اور امنگوں پر مستحکم اختیار بھی اس کی دولعیت ہے یہی مترنم سرور کا احساس ہے"[2]

شبلی نے کالرج کی اس تعریف کو اہمیت دی ہے۔ چنانچہ تخیل کے بارے میں ان کے خیالات بعض جگہ کالرج سے بہت کچھ ملتے جلتے ہیں۔ ذیل کے اقتباسات میں شبلی کے کچھ ایسے خیالات درج کئے گئے ہیں جو کالرج کے خیالات سے متاثر ہوکر لکھے گئے ہیں صرف الفاظ کا فرق ہے۔

"محاکات کا یہ کام ہے کہ جو کچھ دیکھے یا سنے اسکو الفاظ کے ذریعہ سے بعینہٖ ادا کرے لیکن ان چیزوں میں ایک خاص ترتیب پیدا کرنا تناسب اور توافق کو کام میں لانا، ان پر آب و رنگ چڑھانا قوت تخیل کا کام ہے"[3]

---

[1] شعر العجم جلد چہارم ص ۴۳

[2] کالرج بحوالہ اردو تنقید پر ایک نظر حکیم الدین احمد ص ۶۵

[3] شعر العجم جلد چہارم ص ۲۳

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

اسی طرح ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو۔

"تخیل سے طبیعت کو اہتزاز اور انبساط ہوتا ہے" [1]

تخیل کی تعریف کے سلسلے میں شبلی لکھتے ہیں۔

"تخیل کی تعریف ہنری لوئس نے یہ کی ہے

"وہ قوت جس کا یہ کام ہے کہ ان اشیاء کو جو مرئی نہیں ہیں یا ہمارے حواس کی کمی کی وجہ سے ہم کو نظر نہیں آتیں ہماری نظر کے سامنے کر دے" لیکن یہ تعریف پوری جامع اور مانع نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی چیزوں کی منطقی جامع اور مانع تعریف ہو بھی نہیں سکتی۔" [2]

آگے چل کر لکھتے ہیں۔

"چونکہ اکثر سائنسداں شاعری کا مذاق نہیں رکھتے اور شعراء فلسفے اور سائنس سے نامانوس ہوتے ہیں اس لئے یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ قوت تخیل کو فلسفہ اور سائنس سے تعلق نہیں ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے بے شبہ عام سائنس یا فلسفہ جاننے والے جن میں قوت ایجاد نہیں، قوت تخیل نہیں رکھتے، لیکن جو لوگ کسی مسئلہ یا فن کے موجد ہیں ان کے قوت تخیل سے کون انکار کر سکتا ہے۔ نیوٹن اور ارسطو میں اسی قدر زبردست قوت تخیل تھی جس قدر ہومر اور فردوسی میں البتہ دونوں

---

[1] شعر العجم۔ جلد چہارم ص ۸۶
[2] " " ص ۹

www.urduchannel.in

کے اغراض و مقاصد مختلف ہیں اور دونوں کی قوت تخئیل کے استعمال کا طریقہ الگ الگ ہے فلسفہ اور سائنس میں قوت تخئیل کا استعمال اس غرض سے ہوتا ہے کہ ایک علمی مسئلہ حل کر دیا جائے لیکن شاعری میں تخئیل سے یہ کام لیا جاتا ہے کہ جذبات انسانی کو تحریک ہو فلسفی کو صرف ان موجودات سے غرض ہے جو واقعی میں موجود ہیں بخلاف اس کے شاعر ان موجودات سے بھی کام لیتا ہے جو مطلق موجود نہیں" ؎ لہ

تخئیل کی اہمیت پر مزید لکھتے ہیں۔

"یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ تخئیل صرف خیالی اور سیماوی صورتوں کا نام ہے، جو جذبات کے طاری ہونے کے وقت نظر آتی ہیں، تخئیل نے اکثر وہ راز کھولے ہیں جو نہ صرف عوام بلکہ خواص کی نظر سے بھی مخفی تھے، دقت آفرینی اور حقیقت سنجی جو فلسفہ کی بنیاد ہے تخئیل ہی کا کام ہے، اسی بنا پر شاعری اور فلسفہ دو برابر درجے کی چیزیں تسلیم کی گئی ہیں۔ کیونکہ دونوں میں تخئیل یکساں کام کرتی ہے۔ ہومر یونان کا مشہور شاعر اس زمانے میں تھا جب یونان میں فلسفہ کا وجود بھی نہ تھا اور اس وجہ سے وہ فلسفہ وغیرہ سے ناآشنا تھا، تاہم ارسطو نے اپنی کتاب "المنطق" میں شاعری کے جو علمی اصول منضبط کئے" اسی کے کلام سے لئے ہیں، چنانچہ ہر جگہ اس کے حوالے دیتا ہے لینر و جو فرانس کا مشہور مصنف ہے لکھتا ہے" ہومر کے شعر میں جو یہ باتیں نظر آتی ہیں کہ وہ خیر اور شر، ضعف اور قوت، فکر اور

لہ۔ شعر العجم جلد چہارم ص ۱-۱۰

www.urduchannel.in

جذبات کو ساتھ ساتھ دکھاتا ہے اور خیالات اور اقوال کا تنوع اور فطرت کے حالات کو اس وسعت اور رنگ برنگ طریقوں سے لکھتا ہے کہ شاعرانہ جذبات کو اشتعال ہوتا ہے جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے کلام میں ہر اصل کی اصل اور انسان اور عالم کائنات کی حقیقت مندرج ہے" ۵۱

ایک اور اقتباس درج ہے۔

" قوت تخیل کے استدلال کا طریقہ عام استدلال سے الگ ہوتا ہے۔ وہ ان باتوں کو جو اور طرح سے ثابت ہو چکی ہیں نئے طریقے سے ثابت کرتی ہے یہ طریقہ استدلال گو ایک قسم کا منطقی مغالطہ ہوتا ہے یا خطابیات پر مبنی ہوتا ہے لیکن قوتِ تخیل کے عمل سے شاعر اس کو اس انداز سے بیان کرتا ہے کہ سامع اس کی صحت و غلطی کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا بلکہ اس کی دلفریبی میں مسحور ہو جاتا ہے" ۵۲

اسی سلسلے میں لکھتے ہیں۔

"ہم کو اس سے انکار نہیں کہ ایک معمولی سے معمولی چیز پر قوت تخیل مدتوں صرف کی جا سکتی ہے اور سیکڑوں مضامین پیدا کئے جا سکتے ہیں جس کی محسوس مثال شعرائے متاخرین کی نکتہ آفرینیاں ہیں۔ لیکن اس کی مثال سرکس کے گھوڑے کی ہے جو ایک خیمہ کے اندر طرح طرح کے تماشے دکھا سکتا ہے

---

۵۱ شعر العجم جلد چہارم ص ۲۷

۵۲ شعر العجم جلد چہارم ص ۳۰

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

لیکن طے منازل میں، میدان جنگ میں، گھوڑ دوڑ میں کام نہیں آسکتا، اسی طرح تخئیل کا عمل بھی ایک محدود دائرے میں جاری رہ سکتا ہے۔ لیکن اس کی وسعت کیا ہوگی؟ اور ایسی شاعری کس کام آئے گی؟ وہ شاعری جو ہر قسم کے جذبات کا آئینہ بن سکتی ہو جو فطرت انسانی کا راز کھول سکتی ہو جو تاریخی واقعات کو دلچسپی کے منظر پر لا سکتی ہو جو فلسفہ اخلاق کے دقائق بتا سکتی ہو، اس کے لئے ایسا محدود تخئیل کیا کام آسکتا ہے تخئیل جس قدر قوی، بار یک متنوع اور کثیر العمل ہوگا اسی قدر اس کے لئے مشاہدات کی زیادہ ضرورت ہوگی، جس قدر بلند پرواز طائر ہوگا اسی قدر اس کے لئے فضا کی وسعت درکار ہوگی" [1]

شاعری میں محاکات اور مصوری کی اہمیت۔

انسان کا فطری جذبہ ہے کہ وہ کسی شے جاندار یا قدرتی مناظر کی تصویر سے دلچسپی لیتا ہے اور مسرت و حظ پاتا ہے۔ شاعری کے میدان میں بھی تصویر کشی کا ایک اہم درجہ ہے اسکو شاعرانہ مصوری بھی کہتے ہیں۔ شاعر اپنے الفاظ اور انداز بیان سے کسی واقعہ کا نقشہ یا تصویر پیش کرتا ہے اور قاری کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ واقعہ یا شے اس کے سامنے ہے اور حقیقت کی دنیا سے متعلق ہے۔ شبلی نے شاعری کے اس پہلو کو کافی اہمیت دی ہے اور اس کی تعریف اور دیگر صفات کا بیان کیا ہے انھوں نے بھی اس کو ایک لطف و مسرت کا ذریعہ بتایا ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"محاکات کے معنی کسی چیز یا کسی حالت کا اس طرح ادا کرنا ہے کہ اس شے کی تصویر آنکھوں میں پھر جائے، تصویر اور محاکات میں یہ فرق ہے کہ تصویر میں اگرچہ مساوی اشیاء کے علاوہ حالات

---

[1] شعر العجم جلد چہارم ص ۳۹-۴۰

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

یا جذبات کی بھی تصویر کھینچی جا سکتی ہے، چنانچہ اعلیٰ درجے کے مصور انسان کی ایسی تصویر کھینچ سکتے ہیں کہ چہرہ سے جذبات انسانی مثلاً رنج، خوشی، تفکر، حیرت، استعجاب، پریشانی اور بے تابی ظاہر ہو، جیسا نگیرہ کے سامنے ایک مصور نے ایک عورت کی تصویر پیش کی، جس کے تلوے سہلائے جا رہے ہیں۔ تلووں کے سہلاتے وقت چہرہ پر گدگدی کا جو اثر طاری ہوتا ہے وہ تصویر کے چہرہ سے نمایاں تھا، تاہم تصویر ہر جگہ محاکات کا ساتھ نہیں دے سکتی۔" [1]

قدرتی طور سے ہم کسی چیز کی بھی تصویر سے دلچسپی لیتے ہیں اگر وہ تصویر کسی شے کی ہوبہو تصویر پیش کر دے۔ اسی فطرت انسانی کو درج ذیل کے اقتباس میں ظاہر کیا گیا ہے۔

"انسان میں فطرتاً یہ بات پیدا کی گئی ہے کہ وہ اشیا کی تصویر سے لطف اٹھاتا ہے ایک بدصورت حبشی ہمارے سامنے آئے تو ہم کو نفرت ہوگی۔ لیکن اگر کوئی ہوبہو اس کی تصویر کھینچ دے تو ہم کو لطف آئے گا۔ اور جس قدر یہ زیادہ اصل کے مطابق ہوگی اسی قدر طبیعت پر لطف اور استعجاب کا زیادہ اثر ہوگا" [2]

اسی بات کو اس طرح شبلی نے واضح کیا ہے۔

"یہ بھی انسان کی فطرت ہے کہ اس کو محاکات سے ایک خاص لطف حاصل ہوتا ہے فرض کرو اگر ایک بدصورت جانور کی ہوبہو تصویر کھینچی جائے تو ہر شخص کو لطف آئے گا حالانکہ خود اس جانور کے دیکھنے سے طبیعت مکدر ہوتی اس سے معلوم ہوا

---

[2] موازنہ انیس و دبیر شبلی ص ۸۷
[1] شعر العجم۔ جلد چہارم شبلی ص ۷-۶

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

کہ کسی شے کی محاکات خود لطف انگیز ہے نی نفسہ وہ شے
بری ہو یا بھلی اور چونکہ شعر بھی ایک قسم کی نقالی اور مصوری
ہے اس لئے خوامخواہ اس سے طبیعت پر اثر پڑتا ہے" [1]

وہی بات ذیل کی مثال سے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

"کسی چیز کی اصل تصویر کھینچنا خود طبیعت میں انبساط پیدا کرتا ہے
وہ شے اچھی ہو یا بری اس سے بحث نہیں مثلاً چھپکلی ایک
بدصورت جانور ہے جسکو دیکھ کر نفرت ہوتی ہے لیکن اگر ایک
استاد چھپکلی کی ایسی تصویر کھینچ دے کہ بال برابر فرق نہ ہو تو
اس کے دیکھنے سے خوامخواہ لطف آئے گا۔" [2]

اس طرح یہ بات معلوم ہوئی کہ کسی چیز کی تصویر اتارنے یا اس کی محاکات سے ہم مسرت پاتے ہیں کوئی چیز اچھی ہو یا بری اس کا اس طرح سے بیان کرنا کہ سامنے تصویر کھنچ جائے یہ بڑی دلچسپی کی بات ہے یہی بات شاعری میں بھی اہمیت رکھتی ہے یہ شاعری کی ایک بڑی خوبی سمجھی جاتی ہے کہ کسی شے یا واقع کی تصویر کشی اشعار سے کی جائے۔ شبلی نے محاکات کو شاعری کے لئے ایک بڑی صفت بتایا ہے۔ کسی چیز کی محاکات پیش کرنے کے لئے مناسب لفظوں کا ہونا ضروری ہے ایک ہی معنی کے کئی لفظ ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان سب لفظوں کا اثر الگ الگ ہوگا۔ اب یہ شاعر کی قابلیت کی بات ہے کہ وہ کیسے الفاظ سے کام لیتا ہے اسی بات پر اس کے شعر کی تعریف کی جائے گی۔

اس بات کو شبلی اس طرح سمجھاتے ہیں۔

"کسی چیز کا بیان جب اس طرح کیا جائے کہ اس شے کی اصل
تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے تو اس پر شعر کی تعریف صادق
آئے گی۔ دریا کی روانی، جنگل کا سناٹا، باغ کی شادابی،

---

[1] شعر العجم - جلد چہارم - شبلی ص ۷۹
[2] " " " ص ۱۱

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

سبزہ کی لہک، خوشبو کی مہک، دھوپ کی شدت،
گرمی کی تپش، جاڑوں کی دل آویزی، یا رنج و غم، غیض
و غضب، جوش، محبت، حیرت، خوشی، ان اشیاء
کا اس طرح بیان کرنا کہ ان کی صورت آنکھوں میں پھر جائے
یا وہی اثر دل پر طاری ہو جائے۔ یہی شاعری ہے" [1]

شبلی کے خیال میں محاکات ہی شاعری ہے۔ لیکن محض مصوری یا کسی واقعہ کا ہو بہو بیان کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کو اصل سے زیادہ دلکش اور معنی خیز ہونا چاہیئے۔ اس طرح شاعرانہ مصوری اور عام مصوری میں فرق ہے۔ شبلی کے الفاظ ہیں۔

"تصویر کا اصل کمال یہ ہے کہ اصل کے مطابق ہو اور اگر مصور اس میں
کامیاب ہو گیا تو اس کو کامل فن کا خطاب مل سکتا ہے لیکن شاعر
کو ایسے موقعوں پر دو مشکل مرحلوں کا سامنا ہوتا ہے۔ یعنی نہ
اصل کی پوری تصویر کھینچ سکتا ہے۔ کیونکہ بعض اس قسم کی
مطابقت احساسات کو برانگیختہ نہیں کر سکتی نہ اصل سے
زیادہ دور ہو سکتا ہے ورنہ اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ
صحیح تصویر نہیں کھینچی اس موقع پر اس کو تخیل سے کام لینا
پڑتا ہے۔ وہ ایسی تصویر کھینچتا ہے کہ جو اصل سے آب و
تاب اور حسن و جمال میں بڑھ جاتی ہے۔ لیکن وہ قوت
تخیل سے سامعین پر یہ اثر ڈالتا ہے کہ یہ وہی چیز ہے لوگوں
نے اس کو امعان نظر سے نہیں دیکھا تھا اس لئے اس کا
حسن پورا نمایاں نہیں ہوا تھا" [2]

شاعرانہ مصوری کو عام مصوری پر برتری حاصل ہے۔ کیوں کہ بہت سے معاملات تصویر کے ذریعے سے

---

[1] شعر العجم - جلد اول - شبلی ص ۱۱-۱۲

[2] " - جلد چہارم - شبلی ص ۸-۹

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

صحیح طریقے سے پیش نہیں کئے جا سکتے۔ لیکن محاکات قوت تخیل کی مدد سے مناسب الفاظ استعمال کر کے ہر خیال اور ہر قسم کے حالات کی تصویر کھینچ سکتی ہے۔ ایک اور فرق حسب ذیل اقتباس میں دکھایا گیا ہے۔

"جس چیز کی تصویر کھینچی جائے اس کا ایک ایک خال و خط دکھایا جائے ورنہ تصویر ناتمام اور غیر مطابق ہوگی بخلاف اس کے شاعرانہ مصوری میں التزام ضروری نہیں۔ شاعر اکثر ان چیزوں کو دیکھتا ہے اور ان کو نمایاں کرتا ہے جن سے ہمارے جذبات پر اثر پڑتا ہے باقی چیزوں کو وہ نظر انداز کرتا ہے۔ ان کو دھندلا رکھتا ہے کہ اثر اندازی میں ان سے خلل نہ آئے" [1]

اس طرح یہ ظاہر ہوا۔ کہ محاکات میں واقعات کی تصویر کشی کی بہت گنجائش ہے اور یہ بھی درست ہے کہ اصل واقعہ کو دیکھ کر وہ اثر پیدا نہیں ہو سکتا جو ایک اچھے شعر سے پیدا ہو سکتا ہے۔ شبلی کہتے ہیں۔

"مصور کسی چیز کی تصویر کھینچنے سے زیادہ سے زیادہ وہ اثر پیدا کر سکتا ہے۔ جو کہ خود اس چیز کے دیکھنے سے پیدا ہوتا ہے۔ لیکن شاعر باوجود اس کے تصور کا برجستہ نمایاں کر کے نہیں دکھاتا۔ تاہم اس سے زیادہ سے زیادہ اثر پیدا کر سکتا ہے۔ جو اصل چیز کے دیکھنے سے پیدا ہو سکتا ہے۔" [2]

اگر اشعار میں ایسی باتوں کی ترجمانی ہو۔ جو بذات خود لطیف اور دلآویز ہوں تو اس سے محاکات کا اثر بڑھ جاتا ہے اور اشعار میں جان پڑ جاتی ہے اس بات کی طرف شبلی اشارہ کرتے ہیں۔

"اگر وہ چیزیں جن کی محاکات مقصود ہے خود بھی دلآویز اور لطف انگیز ہوں تو محاکات کا اثر بڑھ جائے گا" [3]

جس چیز کی تصویر پیش کی جائے اس کی تمام خصوصیات ظاہر ہو جانا چاہئے اور یہ بھی ہوگا جب شاعر الفاظ کو

---

[1] شعر العجم۔ جلد چہارم۔ شبلی ص ۸
[2] " " " ص ۸
[3] " " " ص ۱۱-۱۲

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

تخیل کے مطابق تلاش کرے گا۔ شبلی کے الفاظ ہیں۔

"جب کسی چیز کی محاکات مقصود ہو تو وہی الفاظ استعمال کرنے چاہئیے جو ان خصوصیات پر دلالت کرتے ہوں" [1]

اگر شاعر یہ چاہتا ہے کہ وہ محاکات کے استعمال میں کامیاب ہو اور کسی واقعہ کی تصویر کشی اس طرح کرے کہ اس کا اثر سامعین پر اصلیت سے زیادہ پڑے تو اس کے لئے اس میں کئی صفات کا ہونا ضروری ہے اسے انسانی نفسیات کا بھی علم ہونا چاہئیے مثلاً یہ کہ ایک نوجوان لڑکا کیا جذبات رکھتا ہے اور اس کی زبان کیسی ہوتی ہے، ایک بوڑھا بات چیت میں کیا انداز رکھتا ہے، ایک چھوٹا بچہ کیسے خیالات رکھتا ہے اس کے رجحانات اور شوق کی چیزیں کیا ہوتی ہیں۔ کن چیزوں سے وہ بہل سکتا ہے کیا چیزیں اسے رنجیدہ بناتی ہیں، ایک نوجوان لڑکی کے احساسات کیا ہوتے ہیں، اپنے ماں باپ، بھائی بہن، سہیلیوں، پڑوسیوں سے ملنے جلنے میں اس کا طرز بیان کیا ہوتا ہے، اس کی امیدیں، خوشیاں اور غم کیا ہوتے ہیں، اس قسم کے نفسیاتی راز سے ایک شاعر کو اچھی طرح واقف ہونا چاہئیے اسے اپنی زبان، الفاظ، انداز بیان وغیرہ کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ اس طرح جب وہ واقعہ نگاری کرے گا تو سامعین پر قدرتی طور پر اثر پیدا ہوگا۔ اور ان کے جذبات اسی طرح کے ہوں گے جیسے کہ شاعر کے تھے۔ شبلی فرماتے ہیں۔

"جب کسی قوم یا کسی ملک یا کسی مرد یا عورت، یا بچہ کی حالت بیان کی جائے تو ضرور ہے کہ ان کی تمام خصوصیات کا لحاظ رکھا جائے مثلاً اگر کسی بچہ کی کسی بات کی نقل کرنی مقصود ہو تو بچوں کی زبان کا، طرز ادا کا، خیالات کا، لہجہ کا لحاظ رکھنا چاہیے یعنی ان باتوں کو بعینہٖ ادا کرنا چاہئیے۔" [2]

شاعر کا تجربہ مشاہدات اور ہر قسم کی چیزوں کے بارے میں واقفیت کافی ہونا چاہئیے۔ نہیں تو وہ مختلف حالات، لوگوں کے اطوار و عادات اور قدرتی مناظر کا پوری طرح بیان نہیں کر سکے گا۔ اور اس کے اشعار میں تاثیر پیدا نہیں ہو سکے گی۔ اسی کو شبلی مطالعہ کائنات کا نام دیتے ہیں ان کے خیال میں۔

---

[1] شعر العجم۔ جلد چہارم۔ شبلی ص ۱۴

[2] " " " ص ۱۵

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

"کائنات کے کمال کے لئے عام کائنات کی ہر قسم کی چیزوں کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ شاعر کبھی لڑائیوں اور معرکوں کا حال لکھتا ہے، کبھی قوموں کے اخلاق و عادات کی تصویر کھینچتا ہے کبھی جذبات انسانی کا عالم دکھاتا ہے، کبھی شاہی درباروں کا جاہ و حشم بیان کرتا ہے۔ کبھی ٹوٹے پھوٹے جھونپڑوں کی سیر کراتا ہے اس حالت میں اگر اس نے عالم کائنات کا مشاہدہ نہ کیا اور ایک ایک چیز کی خصوصیات اور قابل انتخاب باتوں کو دقت آفرینی سے نہ دیکھا ہو تو وہ ان مرحلوں کو کیونکر طے کر سکتا ہو۔" [1]

الفاظ کی اہمیت - انشاء پردازی اور شاعری میں الفاظ کی خاص اہمیت ہوتی ہے کیونکہ الفاظ کا موزوں ہونا، صحیح ترتیب میں ہونا، صحیح معنی کا حامل ہونا، صفائی اور چستی کا پایا جانا، فصاحت کا پایا جانا ایک خاص اثر رکھتا ہے شبلی کہتے ہیں۔

"حقیقت یہ ہے کہ شاعری یا انشاء پردازی کا مدار زیادہ تر الفاظ ہی پر ہے" [2]

شاعر کو اس بات پر کافی غور و خوض کرنا چاہئے کہ وہ جو خیال پیش کرنا چاہتا ہے اس کے لئے کون سے الفاظ مناسب ہو سکتے ہیں اور صحیح الفاظ کی تلاش پر ہی اس کی نثر یا نظم موثر انداز میں پیش کی جا سکتی ہے۔ شبلی کہتے ہیں۔

"یعنی شاعر ایک ایک لفظ کی تلاش میں رات رات بھر جاگتا رہ جاتا ہے، جبکہ مرغ اور مچھلیاں تک سوتی ہوتی ہیں"، یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک عمدہ سے عمدہ خیال، عمدہ سے عمدہ مضمون، عمدہ سے عمدہ نظم اس وجہ سے برباد ہو جائے کہ اس میں صرف ایک لفظ اپنے درجہ سے گر گیا۔" [3]

---

[1] شعر العجم - جلد چہارم - شبلی ص ۱۶
[2] " " " ص ۵۶
[3] " " " ص ۵۸

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔

"بڑے بڑے خیالات اور جذبات لفظ کے تابع ہوتے ہیں۔
ایک لفظ ایک بہت بڑے خیال یا بہت بڑے جذبہ کو
مجسم کرکے دکھا سکتا ہے، ایک بہت بڑا منظر ایک
ایک مرقع کے ذریعہ سے غیض و غضب، جوش اور قہر،
عظمت اور شان کا جو منظر دکھا سکتا ہے شاعر صرف
ایک لفظ سے وہی اثر پیدا کر سکتا ہے" [1]

اس طرح شاعر جو مضامین کی تلاش میں رہتا ہے اس کے لئے یہ بھی انتہائی ضروری ہے کہ وہ الفاظ کو بڑی باریکی سے جانچے اور اس کا لحاظ رکھے کہ الفاظ میں کوئی ایسی بات نہ پائی جائے جو سامعین پر مطلوبہ اثر پیدا نہ کر سکے۔ شبلی لکھتے ہیں

"غرض یہ ہے کہ شاعر جس طرح مضامین کی جستجو میں رہتا ہے اسکو
ہر وقت الفاظ کی جانچ پڑتال، اور ناپ تول میں بھی مصروف
رہنا چاہیئے۔ اس کو نہایت دقت نظر سے دیکھنا چاہیئے۔
کہ کون سے الفاظ میں وہ مخفی اور دور از نگاہ ناگواری موجود ہے
جو آئندہ چل کر سب کو محسوس ہونے لگے گی" [2]

الفاظ کی خوبی یہ ہے کہ فصاحت اور تناسب پایا جائے اس سلسلے میں معنی کی موزونیت بھی قابل غور ہوتی ہے اس پر پوری توجہ دینا چاہیئے الفاظ مناسب ہوں اور اس کے مخفی معانی ایسے ہوں جو شعر کو موثر بنا سکیں۔ الفاظ میں معانی کی اہمیت پر شبلی نے لکھا ہے۔

"حقیقت یہ ہے کہ شاعری یا انشا پردازی کا مدار زیادہ تر
الفاظ ہی پر ہے گلستاں میں جو مضامین اور خیالات ہیں ایسے
اچھوتے اور نادر نہیں، لیکن الفاظ کی فصاحت اور ترتیب اور
تناسب نے ان میں سحر پیدا کر دیا ہے، ان ہی مضامین اور خیالات

---

[1] شعر العجم - جلد چہارم - شبلی ص ۶۵
[2] " " " ص ۶۸

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

کو معمولی الفاظ میں ادا کیا جائے تو سارا اثر جاتا رہے گا ظہوری
کا ساقی نامہ نازک خیالی ہوشنگانی مضمون بندی کا طلسم ہے
لیکن سکندر نامہ کا ایک شعر پورے ساقی نامہ پر بھاری ہے
اسکی وجہ یہی ہے کہ ساقی نامہ میں الفاظ کی وہ متانت اور شان
و شوکت اور نبیش کی وہ پختگی نہیں جو سکندر نامہ کا عام
جوہر ہے"۔ [1]

"اس تقریر کا یہ مطلب نہیں کہ شاعر کو حرف الفاظ سے غرض رکھنی چاہیئے اور معنی سے بالکل بے پرواہ ہو جانا چاہیئے بلکہ مقصد یہ ہے کہ مضمون کتنا ہی بلند اور نازک ہو لیکن اگر الفاظ مناسب نہیں ہیں تو شعر میں کچھ تاثیر نہ پیدا ہو سکے گی۔ اس لئے شاعر کو یہ سوچ لینا چاہیئے کہ جو مضمون اس کے خیال میں آیا ہے۔ اسی درجہ کے الفاظ اس کو میسر آسکیں گے یا نہیں؟ اگر نہ آسکیں تو اس کو بلند مضامین چھوڑ کر ان ہی سادہ اور معمولی مضامین پر قناعت کرنی چاہیئے جو اس کے بس کے ہیں اور جن کو وہ عمدہ پیرایہ اور عمدہ الفاظ میں ادا کر سکتا ہے۔" [2]

بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے معانی تقریباً ایک سے محسوس ہوتے ہیں لیکن کسی خاص مضمون کے لئے ایسے الفاظ تلاش کرنا چاہیئے جو مناسب اثر پیدا کر سکیں مثلاً جنگل اور صحرا یہ دونوں الفاظ ایک ہی معنی رکھتے ہیں لیکن اچھا شاعر اس بات پر غور کرے گا کہ کون سا لفظ اس کے شعر میں تاثیر پیدا کر سکتا ہے۔ اس سلسلے میں شبلی کے خیالات کو مختصر طور پر اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ ہر زبان میں ایسے الفاظ ملتے ہیں جن کے معانی بظاہر ایک سے ملتے ہیں لیکن دراصل ان کا مفہوم اور استعمال ہر جگہ مناسب نہیں ہوتا مثلاً آواز۔ بانگ۔ صریر ان کے معنی تقریباً یکساں ہیں لیکن ہر لفظ کا ایک خاص اثر ہے۔ اب یہ شاعر کی ذہانت پر مبنی ہے کہ وہ اپنے مضمون کے لئے کن الفاظ کو منتخب کرتا ہے۔ اگر لفظ موزوں ہوگا تو شعر میں اثر پیدا کرے گا۔ فیضی کا شعر ؎

بانگ قلمم دریں شب و تار — بس معنی خفتہ کرد بے دار

---

[1] شعر العجم۔ جلد چہارم۔ شبلی ص ۵۶
[2] " " " ص ۵۸

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

بانگ کے لفظ کی موزونیت پر غور کریں تلخم کا لفظ بھی موزوں ہے۔ حالانکہ اس کی بجائے خامہ کا لفظ بھی اسی معنی کا حامل ہے۔ اس کے علاوہ تار اور بس کے الفاظ بھی موزوں و مناسب ہیں۔ مناسب لفظ کی خوبی یہ ہے کہ بڑی بڑی عبارات کا وہ اثر نہیں ہوسکتا جو ایک ہی لفظ سے ادا ہو جاتا ہے۔ ذیل کا شعر ملاحظہ ہو ؎

از صاحب حرم چہ توقع کنند بعض
آں ناکساں کہ دست بر اہل حرم زدند

یہاں پر حرم کے لفظ پر غور کیجئے کتنا فصیح لفظ ہے اور اسی کی وجہ سے شعر اعلیٰ درجے کا موزوں ہوا۔ بسا اوقات کچھ الفاظ ایک خاص زمانے میں زیادہ استعمال کئے جاتے ہیں اور وہ موثر بھی ہوتے ہیں لیکن زمانے کی تبدیلی پر جب قوم میں نازک احساس پیدا ہو جاتا ہے تو وہی الفاظ پسندیدہ نہیں رہتے اور ایک وقت آتا ہے کہ وہ متروک ہو جاتے ہیں۔ اس کے باوجود انتہائی قابل اور باصلاحیت شاعر ایسے الفاظ کو پہلے ہی ترک کر دیتے ہیں مثلاً حافظ کا ایک لفظ بھی آج تک متروک نہیں ہوا اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے آنے والے زمانے کا اندازہ کر لیا تھا۔

حسن الفاظ یا حسن معنی۔

کتاب العمدہ میں لکھا ہے کہ لفظ جسم ہے اور مضمون روح ہے۔ دونوں کا تعلق روح اور جسم کی طرح ہے۔ لفظ میں کوئی کمی ہے جبکہ معنی میں کوئی نقص نہیں ہے تو یہ شعر کا عیب مانا جائے گا۔ جس طرح جسم میں عیب ہوتا ہے لیکن روح موجود ہوتی ہے جو بے عیب ہے اسی طرح مضمون میں خوبی نہ ہو تو الفاظ کیسے ہی عمدہ ہوں شعر میں عیب محسوس ہوگا۔ مضمون کی خرابی سے الفاظ پر بھی اثر پڑتا ہے مضمون بیکار ہو الفاظ اچھے ہوں تو الفاظ میں اثر نہ ہوگا۔ لہٰذا یہ کہنا چاہیے کہ الفاظ اور مضمون دونوں ہی شاعری کے خاص اوصاف ہیں۔ بعض جگہ الفاظ کو ترجیح دی گئی ہے مثلاً عربی شاعری میں یہی رجحان ملتا ہے جبکہ بعض جگہ مضمون کو اہم سمجھا جاتا ہے اور الفاظ کو قابل توجہ نہیں مانتے مثال کے طور پر ابن الرومی اور متنبی کا یہی نظریہ ہے ویسے زیادہ تر الفاظ کو مضمون سے اونچے درجے کا مانا جاتا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ مضمون کا تلاش کرنا کوئی کمال نہیں ہے لیکن شاعری کا معیار یہ ہے کہ مضمون کے لئے کس قدر موزوں و موثر الفاظ کو کام میں لایا گیا ہے اور بندش کیسی ہے الفاظ ہی

www.urduchannel.in

زیادہ تر شاعری اور انشا پردازی کے لئے ممد و معاون ہوتے ہیں۔ گلستاں اور سکندر نامہ کو ملاحظہ کریں تو ان کی فضیلت کا راز الفاظ کی شان و شوکت میں ہی پوشیدہ ملے گا۔ مثلاً

در آں دجل خوں بلبند آفتاب
چو نیلو فر افگند زو رخ در آب

یہاں دجلہ اور زو رخ قابل غور ہیں جو شعر کو معیاری اور اعلیٰ درجے کا بناتے ہیں۔ جو مضمون شاعری میں پیش کیا جائے اسی درجے کے الفاظ کی تلاش بھی ضروری ہے بلکہ یہ مناسب ہوگا کہ اگر کسی مضمون کے لئے موزوں و موثر الفاظ نہ ملیں تو اس مضمون کو ہی چھوڑ دیا جائے اس کی بجائے کوئی اور سادہ مضمون اپنا لیا جائے تاکہ عمدہ الفاظ حاصل ہو سکیں۔ فردوسی کے شاہنامہ کو اونچا درجہ حاصل ہوا حالانکہ اور بھی شاہنامے بہت سے لکھے گئے اس کا راز حرف الفاظ کا ہی کمال ہے اس طرح معنی اور الفاظ کا خاص اثر مرتب ہوتا ہے۔ شبلی کہتے ہیں۔

"شاعری کا اصل مدار الفاظ کی معنوی حالت پر ہے یعنی معنی کے لحاظ سے الفاظ کا کیا اثر ہوتا ہے اور اس لحاظ سے اُن میں کیونکر اختلاف مراتب ہوتا ہے۔

ہر زبان میں مترادف الفاظ ہوتے ہیں۔ جو ایک ہی معنی پر دلالت کرتے ہیں لیکن جب غور سے دیکھا جائے تو ان الفاظ میں باہم فرق ہوتا ہے یعنی ہر لفظ کے مفہوم اور معنی میں کوئی ایسی خصوصیت ہوتی ہے جو دوسرے میں نہیں پائی جاتی مثلاً خدا (فارسی میں کو) پروردگار، داور، داوار، ایزد، آفریدگار سب کہتے ہیں۔ بظاہر ان سب الفاظ کے ایک ہی معنی ہیں لیکن درحقیقت ہر لفظ میں ایک خاص بات اور خاص اثر ہے جو اسی کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے شاعر کی نکتہ دانی یہ ہے کہ جس مضمون کے ادا کرنے کیلئے خاص جو لفظ موزوں اور موثر ہے، وہی استعمال کیا جائے ورنہ شعر میں وہ اثر نہ (پیدا) ہوگا، یہ ایک دقیق نکتہ ہے" [1]

---

[1] شعر العجم۔ جلد چہارم۔ شبلی ص ۶۴

www.urduchannel.in

اب یہ ظاہر ہے کہ شاعری میں لفظ اور معنی دونوں کو ہی اہمیت حاصل ہے۔ تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ اور معنی علیحدہ حیثیت نہیں رکھتے ان کا رشتہ جسم اور روح کا یا گوشت اور ناخن کا ہے۔ کسی ایک اچھے خیال کو جب مناسب لفظ اور معنی کی مدد سے اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ اس میں شعریت پیدا ہوتی ہے تو وہ تاثیر پیدا کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ لفظ اور معنی کی ہم آہنگی شعر میں کامل شعریت پیدا کرتی ہے۔ حالی کے برعکس شبلی کا ذہن کہیں زیادہ صاف تھا۔ الفاظ اور معنی کی بحث جو شبلی نے کی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لفظ و معنی کے رشتے کو ناگزیر سمجھتے ہیں۔ مثلاً انھوں نے لکھا ہے۔

"اس تقریر کا یہ مطلب نہیں کہ شاعر کو صرف الفاظ سے غرض رکھنی چاہیئے اور معنی سے بالکل بے پروا ہو جانا چاہیئے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ مضمون کتنا ہی بلند اور نازک ہو لیکن اگر الفاظ مناسب نہیں ہیں تو شعر میں کچھ تاثیر نہ پیدا ہو سکے گی۔" [1]

یا ذیل کا اقتباس۔

"شاعری کا اصلی معیار کمال یہ ہے کہ جو مضامین ادا کئے جائیں اس طرح ادا کئے جائیں کہ اس مضمون کا اس سے زیادہ موثر اور بلیغ کوئی طریقہ ادا پیدا نہ ہو سکے۔" [2]

اس سے ظاہر ہے کہ لفظ و معنی یا مواد و ہیئت کی آہنگی ناگزیر ہے ناقدین کا کہنا ہے کہ خیال اپنے ساتھ موزوں الفاظ بھی لاتا ہے۔ بلند اور لطیف معنی اس وقت موثر ہو سکتے ہیں جب ان کو مناسب الفاظ میں بیان کیا جائے یہ بات غلط محسوس ہوتی ہے کہ ایک ادنیٰ درجے کے مضمون کو پاکیزہ الفاظ میں ادا کرنے سے وہ قابل تعریف ہو سکتا ہے اس سلسلے میں رابرٹ فراسٹ لکھتا ہے۔

"کامل نظم وہ ہے جہاں جذبہ کو اپنا مناسب خیال اور خیال کو اپنے موزوں الفاظ مل گئے ہوں" [3]

شبلی نے اس سلسلے میں جو نظریاتی بحث پیش کی ہے اس میں کہیں پر تو یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ وہ الفاظ کو

---

[1] شعر العجم۔ جلد چہارم۔ شبلی ص ۵۸
[2] " جلد پنجم۔ شبلی ص ۴۷
[3] لفظ اور خیال کا رشتہ۔ علیگڈھ میگزین۔ سلامت اللہ خاں۔ ص ۵۶

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

معنی پر ترجیح دیتے ہیں اور کہیں اس کے برعکس اور کہیں پر دونوں کی ہم آہنگی ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن اس بحث کا نتیجہ یہی سمجھ میں آتا ہے کہ الفاظ و معنی کا اتصال بھی شاعری کے اعلیٰ معیار کے لئے اہم ہے بقول اقبال

"ارتباط لفظ و معنی اختلاط جان و تن"

اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ شبلی کو لفظ و معنی کے ناگزیر تعلق کا پورا احساس تھا۔ اور انھوں نے مواد اور صورت کے اتصال کو اعلیٰ معیار کے لئے ضروری قرار دیا ہے حالی کی طرح وہ مضمون کو الفاظ پر ترجیح نہیں دیتے وہ لکھتے ہیں۔

"جو کوئی مضمون فی نفسہ بیہودہ اور لغو ہوتا ہے تو گو کیسے ہی فصیح اور شستہ الفاظ میں ادا کیا جائے دل میں جگہ نہیں کرتا، بلکہ اچٹ جاتا ہے ممکن ہے کہ اس قسم کے مضمون سے کسی احمق اور بد مذاق کو مزا آئے لیکن کلام کی حسن و خوبی کا فیصلہ احمقوں کے مذاق کے رو سے نہیں ہو سکتا، غرض ان اسباب سے کلام میں جب تک مضمون اور معنی کی خوبی نہ ہو دل میں نہیں اتر سکتا، اور اس بنا پر اس کو بلیغ بھی نہیں کہہ سکتے۔" [1]

یہ ضرور ہے کہ عملی تنقید کے میدان میں جب شبلی داخل ہوتے ہیں تو لفظ و معنی کی ناگزیریت کو ذہن میں رکھ کر وہ حسن الفاظ کو ہی مدنظر رکھتے ہیں اور اساتذہ کے کلام کا درجہ حسن الفاظ کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد ہی متعین کرتے ہیں۔ انھیں سعدی کی گلستاں میں جادو نظر آتا ہے جس کی وجہ انھوں نے الفاظ کی فصاحت، ترتیب اور تناسب بیان کیا ہے ظہوری کی نازک خیالی اور مضمون بندی ان کو پسند نہیں کیونکہ اس میں الفاظ کی شان و شوکت اور نبدش کی پختگی نہیں پائی جاتی وہ سکندر نامے کے ایک شعر کو پورے ان کو فردوسی کے شاہنامے ساقی نامے پر ترجیح دیتے ہیں۔ متوسطین اور متاخرین کے شاہنامے اسے کم درجے کے نظر آتے ہیں اور اس کی وجہ پھر یہ بتاتے ہیں کہ فردوسی نے جن الفاظ سے کام لیا ہے اس کے سامنے دوسروں کے الفاظ کم رتبہ اور ناموزوں معلوم ہوتے ہیں۔ اس طرح شبلی نے عملی تنقید میں الفاظ ہی کو معیار بناتے ہوئے شعراء کے کلام کا جائزہ لیا ہے ان کا جھکاؤ الفاظ کی طرف زیادہ رہتا ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے

---

[1] مقالات شبلی۔ جلد دوم۔ ص ۲۲

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

کر عربی ناقدین کے نظریے کو تسلیم کیا گیا ہے یا خلدون کے اس قول کو مانا گیا ہے کہ معنی کے لحاظ سے عالم و عامی سب برابر ہیں در اصل شبلی کی افتاد طبع اس کی خاص وجہ ہے۔

شبلی نے الفاظ کے استعمال کے سلسلے میں یہ ضروری سمجھا ہے کہ مختلف خیالات کے لئے موزوں الفاظ کی تلاش کی جائے۔ اس طرح الفاظ کی موزونیت اور تناسب ہی کلام کے درجے کو متعین کرتا ہے۔ موزوں الفاظ کی اہمیت پر شبلی لکھتے ہیں۔

"متنبی کے کلام پر علامہ شبلی نے جو نکتہ چینیاں کی ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ غزل اور تشبیب میں ایسے الفاظ لاتا ہے جو عاشقانہ خیالات کے لئے موزوں نہیں۔

بلند اور پرشوکت الفاظ، رزمیہ مضامین اور قصائد وغیرہ کے لئے موزوں ہیں، متاخرین یعنی کلیم و صائب وغیرہ کی نسبت یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ قصیدہ اچھا نہیں کہتے ۔ اس کا سبب یہی ہے کہ ان کے زمانے میں تمدن اور معاشرت میں نہایت نزاکت پرستی آگئی تھی اور عشقیہ جذبات عام ہو گئے تھے، اس کا اثر زبان پر بھی پڑا، یعنی زبان زیادہ نازک اور لطیف ہوگئی جو غزل گوئی کے لئے موزوں تھی۔ لیکن قصائد کی دھوم دھام اور شان و شوکت کے قابل نہ تھی۔" [1]

اس طرح معلوم ہوا کہ غزل اور قصیدے کے الفاظ مختلف قسم کے ہیں۔ غزل کے الفاظ نرم سادہ اور نازک ہوتے ہیں۔ قصیدے کے الفاظ بلند اور پرشکوہ ہوتے ہیں۔ شبلی نے رزمیہ شاعری اور مثنوی کے لئے بھی قصیدے کی زبان استعمال کرنے کی اجازت دی ہے لیکن عشقیہ مثنوی کے لئے وہ غزل کی زبان کے استعمال کو بہتر سمجھتے ہیں۔ اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

"قصیدہ کے علاوہ مثنوی میں بھی اس قسم کی زبان پسندیدہ ہے۔

---

[1] شعر العجم۔ جلد چہارم۔ شبلی ص ۶۱

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

اور یہی وجہ ہے کہ متاخرین مثنوی اچھی نہیں لکھ سکتے، ان کی
زبان بالکل غزل کی زبان بن گئی ہے اس لئے جو کچھ کہتے ہیں غزل
بن جاتی ہے۔ البتہ عشقیہ مثنویاں اس سے مستثنیٰ ہیں یعنی ان میں
وہی غزل کی زبان استعمال کرنی چاہیئے۔" [1]

الفاظ کے تناسب اور توازن پر شبلی نے کئی جگہ زور دیا ہے ان کے خیال میں الفاظ ایک قسم کے سُر ہیں۔ جن سے راگ پیدا ہوتے ہیں اور راگ وہی موثر اور دل آویز ہوتا ہے جس کے سُر میں تناسب اور توازن پایا جائے۔ انھوں نے لکھا ہے۔

"اس میں نکتہ یہ ہے کہ ہر لفظ جو کہ ایک قسم کا سُر ہے اس لئے ضرور ہے کہ جن الفاظ کے سلسلے میں وہ ترتیب دیا جائے ان آوازوں سے اسکو خاص تناسب بھی ہو ورنہ گویا دو مخالف سروں کو ترتیب دینا ہوگا۔ نغمہ اور راگ مفرد آوازوں یا سروں کا نام ہے۔ ہر سُر بجائے خود دلکش اور دلآویز ہے لیکن اگر دو مخالف سروں کو باہم ترتیب دے دیا جائے تو دونوں مکروہ ہو جائیں گے راگ کے دلکش اور موثر ہونے کا گر یہی ہے کہ جن سروں سے اس کی ترکیب ہو ان میں نہایت تناسب اور توازن ہو۔ الفاظ بھی چونکہ ایک قسم کی صورت اور سُر ہیں اس لئے ان کی لطافت اور شیرینی اور روانی اسی وقت تک قائم رہتی ہے جب گرد و پیش کے الفاظ بھی لے میں ان کے مناسب ہوں" [2]

شبلی نے تخیل اور الفاظ کے تعلق کو بھی واضح کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ الفاظ تخیل سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس بارے میں حالی کہتے ہیں۔

"وہ ایک ایسی قوت ہے کہ معلومات کا ذخیرہ جو تجربہ یا
مشاہدہ کے ذریعہ سے ذہن میں پہلے سے مہیا ہوتا ہے

---

[1] شعر العجم۔ جلد چہارم۔ شبلی ص ۴۲
[2] موازنہ انیس و دبیر۔ شبلی ص ۲۶

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

یہ اس کو مکرر ترتیب دے کر ایک نئی صورت
بخشتی ہے اور پھر اس کو الفاظ کے ایسے دل کش
پیرایہ میں جلوہ گر کرتی ہے جو معمولی پیرایوں سے بالکل
یا کسی قدر الگ ہوتا ہے اس تقریر سے ظاہر ہوتا
ہے کہ تخیل کا عمل اور تصرف جس طرح خیالات میں ہوتا
ہے اسی طرح الفاظ میں بھی ہوتا ہے۔“ [1]

شبلی نے اپنی عملی تنقید میں قدیم شعرا کے کلام پر اپنی رائے پیش کی ہے اس میں بھی الفاظ کے استعمال کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ چند اقتباسات درج ذیل ہیں۔

”پختگی اور صفائی میں اُن (حکیم سنائی) کا کلام تمام معاصرین
سے ممتاز ہے۔“ [2]

”نظامی سے پہلے شعرا کا کلام صفائی، سادگی، شستگی تک
محدود رہا تھا۔ اور انہی چیزوں کے کمال سے شاعری کے
کمال کا اندازہ کیا جاتا تھا۔ نظامی پہلے شخص ہیں جس
نے ترکیبوں میں چستی اور کلام میں زور، بلندی اور شان و شوکت پیدا کی۔“ [3]

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری۔ حالی ص ۳۹ [2] شعر العجم جلد اول شبلی ص ۱۹۳ [3] شعر العجم جلد اول شبلی ص ۲۶۸

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

"فرخی کے کلام کا عام جوہر زبان کی صفائی اور سلاست و روانی ہے" [1]

"فرخی کے مرثیہ میں یہ تمام باتیں پائی جاتی ہیں اس کے ساتھ الفاظ، نبدش اور طرز ادا اس قدر موثر ہے کہ پتھر کا دل بھی پانی ہو جاتا ہے" [2]

"آسمان کی نسبت یونانیوں کا خیال تھا کہ وہ ابدی ہیں اور امتداد زمانہ سے ان میں تغیر اور زوال نہیں ہو سکتا۔ فردوسی نے ان مسائل کو ایسے سادہ اور صاف الفاظ میں ادا کیا ہے کہ معمولی باتیں معلوم ہوتی ہیں اور یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ ان میں فلسفیانہ اصطلاحیں ہیں" [3]

"فردوسی، سعدی، اور نظامی کے ہاں جو مضامین مشترک ہیں ان کا باہم موازنہ کرو۔ بلاغت سے قطع نظر الفاظ کی شکوہ و شان اور ترکیبوں کی چستی اور نظم و نثر میں نظامی کا کلام علانیہ ممتاز نظر آئے گا" [4]

---

[1] شعر العجم جلد اول شبلی ص ۶۹ [2] شعر العجم جلد اول ص ۷۸ [3] شعر العجم جلد اول ص ۱۲۶
[4] شعر العجم جلد اول ص ۲۶۹

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

"دنیا کی بے ثباتی اور اس سے عبرت کا مضمون نہایت
پامال مضمون ہے لیکن خیام ہر بار ایک ایسا نیا اسلوب
ڈھونڈ لاتا ہے کہ نیا اثر پیدا ہوتا ہے" [1]

"آج کوئی شخص اگر عام معاملات ادا کرنا چاہے تو اس
کو الفاظ میں، بندش میں، ترکیب میں، انوری کے سوا اور
شعرا کے کلام سے بہت کم مدد ملے گی" [2]

"زور کلام جس کی ابتدا نظامی نے کی تھی، عرفی نے اس کو کمال کے
درجے تک پہنچا دیا۔ زور کلام ایک وجدانی چیز ہے جس کا اندازہ
صرف مثالوں سے ہو سکتا ہے۔ منجملہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ الفاظ کی شان و
شوکت، بندش کی چستی، فقروں کا در و بست، خیالات کی ندرت، مضامین
کا زور، اس کے ضروری عناصر ہیں۔ عرفی کے کلام میں وہ تمام باتیں موجود ہیں" [3]

---

[1] [2] شعر العجم جلد اول ص ۲۰۷ اور ۲۴۵ [3] شعر العجم جلد سوئم ص ۹۱

www.urduchannel.in

الفاظ کی ترتیب

شبلی نے شعر کی خوبی کا ایک خاص جزو الفاظ کی ترتیب کو مانا ہے۔ جو الفاظ ایک ساتھ استعمال ہوں ان کی آپس میں موافقت۔ مناسبت۔ موزونی پائی جائے اور اس طرح ہم آوازی ہو جیسے ایک ہی لفظ یا ایک ہی جسم کے اعضا میں ایک دوسرے سے مناسبت ہوتی ہے۔ عربی میں اس خوبی کو انسجام کہتے ہیں۔ اور اردو میں سلاست۔ صفائی اور روانی کہتے ہیں شعر میں موسیقیت اسی کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں شبلی نے لکھا ہے۔

"ہر زبان میں الفاظ کے تقدم و تاخر کی ایک خاص ترتیب ہوتی ہے کہ اس سے تجاوز جائز نہیں جب اسی ترتیب سے یہ اجزاء کلام میں آتے ہیں تو مضمون بے تکلف سمجھ میں آجاتا ہے، جب یہ اجزاء اپنی اصلی جگہ سے ہٹ جاتے ہیں تو طلب میں پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے اور جس قدر یہ تبدیلی زیادہ ہوتی جاتی ہے اسی قدر کلام پیچیدہ ہوتا جاتا ہے۔ لیکن شعر میں وزن اور بحر اور قافیہ کی ضرورت سے اصلی ترتیب پوری پوری قائم نہیں رہ سکتی۔ تاہم شاعر کو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ جہاں تک ممکن ہو وہ کل کے پرزوں کو اپنی اپنی جگہ قائم رکھے اور کم سے کم یہ زیادہ نہ ہٹ جانے پائیں۔ جس قدر یہ وصف شاعر کے کلام میں

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

زیادہ ہوگا اسیقدر شعر میں زیادہ
روانی اور سلاست ہوگی۔ یہی وصف
ہے کہ جس نے سعدی کے کلام کو تمام
شعراء سے ممتاز کر دیا ہے۔" [1]

ترتیب الفاظ کے بارے میں ایک جگہ اور لکھتے ہیں۔

"چونکہ نظم کا درحقیقت سب سے بڑا کمال یہی ہے
کہ اگر اس کو نثر کرنا چاہیں تو نہ ہو سکے اور
یہ اسی وقت ہو سکتا ہے۔ جب شعر میں الفاظ
کی وہی ترتیب باقی رہے جو نثر میں معمولاً ہوا
کرتی ہے، اس بنا پر شاعر کو کوشش
کرنی چاہیئے کہ اگر اصلی ترتیب پوری پوری
قائم نہیں رہ سکتی تو بہر حال اس کے قریب
قریب پہونچ جائے جس قدر اس کا لحاظ رکھا
جائے گا اسی قدر شعر زیادہ صاف،
برجستہ، رواں اور ڈھلا ہوا ہوگا اردو
میں جہانتک ہمکو معلوم ہے، یہ صفت میر
انیس صاحب سے زیادہ کسی کے کلام
میں نہیں پائی جاتی" [2]

---

[1] شعر العجم جلد چہارم ص ۱۷
[2] موازنہ انیس و دبیر۔ شبلی ص ۱۵۱

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

اس سلسلے میں شبلی نے استاد شعراء کے حوالے بھی دئے ہیں۔
چند حوالے درج ذیل ہیں۔

الفاظ کی نئی نئی ترکیبیں

"عرفی نے سیکڑوں نئی نئی ترکیبیں اور نئے نئے استعارے پیدا کئے۔ جن سے جدت اور طرفگی کے علاوہ نفس مضمون پر خاص اثر پڑتا ہے" [1]

"(نظیری) نے سیکڑوں نئے الفاظ اور سیکڑوں نئی ترکیبیں ایجاد کیں۔ یہ الفاظ پہلے سے موجود تھے لیکن جس موقع پر اس نے کام لیا یا جس انداز سے ان کو برتا، شاید پہلے اس طرح برتے نہیں گئے" [2]

"نظیری نے روزمرہ اور محاورات نہایت کثرت سے برتے ہیں، جس سے زبان دانی میں بہت مدد ملتی ہے۔ اس کے ساتھ اکثر محاورات وہ ایسے استعمال کرتا ہے کہ جس مطلب کو ادا کرنا چاہتا ہے بغیر اُس محاورہ کے وہ اس خوبی کے ساتھ ادا نہیں ہو سکتا تھا" [3]

---

[1] شعر العجم جلد سوئم ص ۹۳-۹۴
[2] " " ص ۱۳۰
[3] " " ص ۱۲۶

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

"اس (نظیری) نے سیکڑوں نئے الفاظ اور سیکڑوں نئی ترکیبیں ایجاد کیں، یہ الفاظ پہلے سے موجود تھے، لیکن جس موقع پر اس نے کام لیا، یا جس انداز سے اُن کو برتا، شاید پہلے اس طرح برتے نہیں گئے تھے" [1]

الفاظ کی اقسام۔

شبلی کے نظریہ کے مطابق مختلف قسم کے مضامین ادا کرنے کے لئے موزوں الفاظ ضروری ہیں۔ مثلاً غزل میں عاشقانہ جذبات ظاہر کئے جاتے ہیں جو انسان کے لطیف و نازک جذبات ہوتے ہیں۔ ان کے صحیح طور پر ادا کرنے کے لئے لطیف، شستہ، صاف، رواں اور شیریں الفاظ کی تلاش لازم ہے۔ پرانے اساتذہ کو اس معیار پر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ بعد کے غزل گو شعراء کے مقابلے میں کم درجے کی غزلیں پیش کرتے تھے۔ دراصل وہ زمانہ جنگ و جدل کا تھا۔ آئے دن فوجی معرکے ہوتے تھے اور ذہن پر جنگ، فوج، اسلحہ کے متعلق خیالات چھائے رہتے تھے۔ یہ جنگی ماحول ہر جگہ پایا جاتا تھا۔ اس نے شاعری کو بھی متاثر کیا۔ اس زمانے کی غزلوں میں ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جو عاشقانہ خیالات کے لئے ناموزوں ہیں مثلاً زلیخا ایک عشقیہ نظم لکھی گئی تھی لیکن اس میں الفاظ ناموزوں استعمال ہونے کی وجہ سے وہ معیاری نہ بن سکی۔ بلکہ وہ عشقیہ نظم معلوم ہی نہیں ہوتی۔ نظامی، سعدی وغیرہ نہایت شیریں مناسب اور پر درد الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے اشعار موثر ہیں۔ الفاظ کی اقسام کے بارے میں شبلی لکھتے ہیں۔

---

[1] شعر العجم۔ جلد سوئم۔ شبلی ص ۱۳۰

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

"اس امر کے ثابت کرنے کے بعد کہ شاعری کا مدار زیادہ تر الفاظ پر ہے ہمکو کسی قدر تفصیل سے بتانا چاہیئے کہ الفاظ کے کیا انواع ہیں اور ہر نوع کا کیا خاص اثر ہے؟ اور کون الفاظ کہاں کام آتے ہیں۔ الفاظ متعدد قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض نازک، لطیف، شستہ صاف، رواں اور شیریں اور بعض پرشوکت متین، بلند، پہلی قسم کے الفاظ، عشق و محبت کے مضامین ادا کرنے کیلئے موزوں ہیں عشق اور محبت انسان کے لطیف اور نازک جذبات ہیں، اسلئے اُن کے ادا کرنیکے لئے لفظ بھی اسی قسم کے ہونے چاہئیں۔" [1]

رزمیہ مضامین اور قصائد وغیرہ کیلئے الفاظ میں شان و شوکت کا ہونا ضروری ہے کلیم اور صائب کے زمانے میں تہذیب و تمدن میں نزاکت پرستی آگئی تھی عاشقانہ جذبات عام ہو گئے تھے۔ ان چیزوں کا اثر زبان پر بھی پڑا یہی وجہ ہے کہ کلیم اور صائب کے قصیدے اچھے ثابت نہیں ہوئے۔ ظہیری کے یہاں غزل کا مذاق پایا جاتا ہے۔ ان کے قصیدوں میں الفاظ کی شان و شوکت اور بلندی نہیں ملتی۔ یہانتک کہ قصیدے بھی غزل معلوم ہوتے ہیں۔ قصیدے کی زبان غزل کی زبان سے الگ ہوتی ہے۔ اہل فن اس امر کا خیال رکھتے ہیں مثنوی میں بھی ان باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔ حالانکہ عشقیہ مثنوی اس سے مستثنیٰ ہے۔ شبلی کی رائے میں اصناف سخن کی تقسیم بھی الفاظ کے انواع کی وجہ سے وجود میں آئی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

---

[1] شعر العجم۔ جلد چہارم۔ شبلی ص ۵۹

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

"الفاظ بھی صوت اور وزن کے لحاظ سے مختلف طرح کے ہوتے ہیں۔ بعض نرم، شیریں، اور لطیف ہوتے ہیں بعض سے جلالت اور شان ٹپکتی ہے بعض سے درد اور غمگینی ظاہر ہوتی ہے۔ اسی بنا پر غزل میں سادہ، شیریں سہل اور لطیف الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں قصیدے میں پرزور اور شاندار الفاظ کا استعمال پسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح رزم، بزم، مدح و ذم، فخر و ادعا، وعظ و پند ہر ایک کے لئے جدا جدا الفاظ ہیں، شعرا میں سے جو اس نکتے سے آشنا ہیں وہ ان مراتب کا لحاظ رکھتے ہیں۔ اور یہ ان کے کلام کی تاثیر کا بڑا راز ہے۔ لیکن جو اس فرق مراتب سے واقف نہیں یا ہیں لیکن ایک خاص رنگ ان پر اسقدر چڑھ گیا ہے کہ ہر قسم کے مضامین میں ایک ہی قسم کے الفاظ ان کی زبان سے ادا ہوتے ہیں۔ ان کا کلام بجز ایک خاص رنگ کے بالکل بے اثر ہوتا ہے" [1]

"سعدی جو غزل کے بانی خیال کئے جاتے ہیں اسکی وجہ زیادہ تر یہی ہے کہ انھوں نے غزل میں رقیق، نازک، اور پر درد، شیریں الفاظ استعمال کئے ہیں اس پر بھی کہیں کہیں پرانے رد کھے اور سخت الفاظ آجاتے ہیں تو وہ بات جاتی رہتی ہے مثلاً

---

[1] موازنہ انیس و دبیر۔ ص ۵۴

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

تو میرودی و خبر نداری — واندر غفلت قلوب والبصار
ایں قاعدہ خلاف بگزار — ویں خوئے معاندت رہا کن
گر برانی نرود ور برود باز آید — ناگزیر است مگس دکہ حلوائی را" سلہ

روزمرہ اور محاورات کا استعمال۔

شبلی نے حسن کلام کا ایک ضروری جزو سادگی کو مانا ہے یہی فصاحت کا ایک جزو خاص ہے۔ سادہ۔ صاف اور سہل الفاظ جو عام لوگوں کے لئے قابل فہم ہوں کلام کو فصیح بنانے کیلئے لازمی ہیں۔ روزمرہ کی تعریف شبلی نے ان الفاظ میں کی ہے۔

"جو الفاظ اور خاص ترکیبیں اہل زبان کی بول چال میں زیادہ مستعمل اور متداول ہوتی ہیں ان کو روزمرہ کہتے ہیں" سلہ

شبلی نے روزمرہ کے لئے فصیح ہونا ضروری بتایا ہے۔ اگر کسی لفظ یا ترتیب میں فصاحت نہ پائی جائے تو وہ روزمرہ کی یعنی عام بول چال میں استعمال نہیں ہوتا۔ عوام اس کا بولنا ترک کر دیتے ہیں اسطرح روزمرہ کیلئے فصاحت بھی ضروری ہے۔ شبلی کے الفاظ میں:-

"روزمرہ اگرچہ ایک جداگانہ وصف سمجھا جاتا ہے لیکن درحقیقت وہ فصاحت ہی کا ایک فرد خاص ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ عام بول چال میں وہی الفاظ زبان پر آئیں گے جو سادہ، صاف اور

سلہ شعر العجم جلد چہارم۔ شبلی ص ۶۰

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

سہل الادا ہوں، اور اگر اُن میں کچھ ثقل اور گرانی بھی ہو
تو رات دن کی بول چال اور کثرت استعمال سے وہ
منجھ کر صاف ہو جاتے ہیں" [1]

روزمرہ اور بول چال کا خیال رکھنا بھی حسن کلام کے لئے ضروری ہے اس لئے کہ سادہ، صاف اور سہل الفاظ جو عام بول چال میں مستعمل ہیں کلام کی سادگی میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ روزمرہ اور عام فہم الفاظ کے استعمال سے کلام کو سمجھنے میں دقت و دشواری نہیں ہوتی شعر کو سن کر کوئی الجھن نہیں ہوتی اور یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ بات دل سے نکلی ہے شاعر کا خیال بے تکلف سمجھ میں آ جاتا ہے اور سننے والے پر اثر ہوتا ہے۔ اس طرح سادگی کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھنا ضروری ہے اور اسی کے ذریعہ شعر میں صفائی روانی اور تاثیر پیدا ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں شبلی لکھتے ہیں

"جو الفاظ اور ترکیبیں رات دن استعمال میں آتے رہتے ہیں
اور جن سے روزمرہ پیدا ہوتا ہے عموماً وہی ہوتے ہیں جو فصیح،
سلیس، نرم، اور رواں ہوں اور اگر ان میں کسی قدر کمی
ہوتی ہے تو وہ روزمرہ کے استعمال سے نکل جاتی ہے کیونکہ

---

[1] موازنہ انیس و دبیر۔ شبلی ص ۵۲

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

رات دن سنتے سنتے وہ الفاظ کانوں کو مانوس

ہو جاتے ہیں۔ محاورہ کا بھی یہی حال ہے" [1]

روزمرہ کی طرح محاورہ کی بھی اہمیت بتائی گئی ہے۔ محاورہ اس کلام یا کلمہ کو کہتے ہیں جسے لغوی معنی کی مناسبت یا غیر مناسبت سے کسی خاص مفہوم کیلئے استعمال کیا جاتا ہے محاورے کس طرح بنتے ہیں اس کے بارے میں شبلی کا کہنا ہے۔

"محاورہ اس وقت بنتا ہے جب ایک گروہ کا گروہ کسی جملہ کو کسی
خاص معنی میں استعمال کرتا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ
یہ جملہ خود فصیح، سلیس اور رواں ہو، ورنہ محاورہ عام میں
نہیں آسکتا۔" [2]

روزمرہ اور محاورہ حسنِ کلام کا ضروری جزو سمجھا جاتا ہے۔ شبلی کے خیال میں فصاحت کیلئے یہ ضروری اجزاء ہیں اور اس سے روانی، صفائی، اور شستگی پیدا ہوتی ہے۔ سعدی اور خسرو کے کلام کی خوبیاں بتاتے ہوئے شبلی لکھتے ہیں۔

"قدماء میں فرخی اور متوسطین میں سعدی اور امیر خسرو نے خاص
اسکا خیال رکھا کہ روزمرہ اور عام بول کو زیادہ وسعت دی جائے،
سعدی اور خسرو کے کلام میں جو روانی، شستگی اور صفائی پائی جاتی ہے
اسکا ایک بڑا گر یہی (روزمرہ - محاورہ) ہے" [3]

---

[1] شعر العجم - جلد دوئم - شبلی ص ۲۵۲
[2] " " " ص ۲۵۲-۲۵۳
[3] ... ص ۱۶۰/۱۵

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

شبلی کلام میں سادگی پر زور دیتے ہیں۔ اور خیال کی سادگی سے مطلب یہ ہے کہ مضمون میں الجھاؤ نہ ہو۔ سریع الفہم ہو، ناہموار نہ ہو، شاعر کا خیال صحیح طور پر ادا ہو جائے کوئی بھی حصہ چھوٹنے نہ پائے اور یہ احساس نہ ہو کہ کسی جگہ خلا رہ گیا ہے۔ اگر کوئی جزو چھوڑ دیا جائے تو پڑھنے والے کا ذہن اس کمی کو پورا کرے۔ کسی غیر معروف بات یا واقعہ کی طرف اشارہ نہ کیا جائے۔ غزل کی زبان کے لئے روزمرہ بہت ضروری سمجھا گیا ہے غزل میں جو خیالات و احساسات کا بیان ہوتا ہے وہ عام فہم بول چال کی زبان ہوتی ہے شبلی نے لکھا ہے۔

"غزل کی زبان روزمرہ اور عام بول چال ہونی چاہیئے کیونکہ عاشق و معشوق علمی زبان میں باتیں نہیں کرتے"۔[1]

روزمرہ اور محاورہ سے فصاحت کی معنویت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں حافظ کے کلام کا حوالہ دیتے ہوئے شبلی فرماتے ہیں۔

"خواجہ صاحب کی فصاحت کلام کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ان کے ہاں کلام میں روزمرہ اور محاورے نہایت کثرت سے پائے جاتے ہیں"۔[2]

تشبیہ اور استعارے کی شاعری میں اہمیت۔

حسن کلام کے لئے تشبیہ اور استعارے کا استعمال تقریباً سبھی شعراء نے کیا ہے

---

[1] شعر العجم۔ جلد دوئم۔ شبلی ص ۱۶۰

[2] " " " ص ۲۵۲

www.urduchannel.in

اس کی ضرورت پر شبلی نے بھی بحث کی ہے۔ جس طرح انسانی شکل وصورت چہرے کے مناسب نقش ونگار کی بنا پر خوبصورت اور حسین تسلیم کی جاتی ہے اسی طرح مناسب موزوں اور لطیف تشبیہات واستعارات حسن کلام میں اضافہ کرتے ہیں۔ محبوب کی مثال سرو سے دی جاتی ہے اگر یہ کہا جائے "محبوب سرو قد ہے" تو یہ ایک تشبیہ ہے لیکن اگر محبوب کا لفظ استعمال نہ کریں تو سرو کے لفظ سے ہی محبوب سے مراد لی جائے تو وہ استعارہ ہے۔ سعدی نے ذیل کے شعر میں استعارہ کا استعمال کیا ہے ؎

سرو بلب جوئے گوئید چہ خوش باشد آنا کہ نہ بوستند سرو بلب بام

اس طرح تشبیہ اور استعارے کے استعمال سے کلام زوردار اور موثر ہو جاتا ہے۔ کسی ناممکن واقعہ کو شاعر پیش کرنا چاہتا ہے۔ تو تشبیہ اور استعارے کی مدد سے اسکو اسطرح پیش کرتا ہے کہ وہ ممکن محسوس ہوتا ہے۔ ذیل کا شعر دیکھیے ؎

قرار بر کف آزادگاں نگیرد مال نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غربال

اسطرح ہم دیکھتے ہیں کہ تشبیہ اور استعارہ کلام میں حسن، دلکشی، نزاکت، وسعت پیدا کرتے ہیں شاعر نئی نئی تشبیہیں اور استعارے ڈھونڈ کر لاتا ہے۔ جس سے ایک معمولی شے

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

خیال کو ایک نیا رنگ اور ایک نئی شان ملتی ہے ۔ مثلاً

پیا سا ہوں مے ارغوانی دیدے ساقی مجھے آب زندگانی دیدے

جھوما کروں پیری میں جوانوں کی طرح بھر بھر کے پیالوں میں جوانی دیدے

شبلی نے اس سلسلے میں تفصیلی بحث کی ہے اور تشبیہ اور استعارے کو زور اور وسعت پیدا کرنے کیلئے سب سے موثر ذریعہ قرار دیا ہے شبلی لکھتے ہیں ۔

"اکثر موقعوں پر تشبیہ اور استعارہ سے کلام میں جو وسعت و زور پیدا ہوتا ہے وہ اور کسی طریقے سے نہیں پیدا ہو سکتا ۔ مثلاً اگر اس مضمون کو کہ فلاں موقع پر نہایت کثرت سے آدمی تھے ۔ یوں ادا کیا جائے "کہ وہاں آدمیوں کا جنگل تھا" تو کلام کا زور بڑھ جائیگا، یہاں کلام کا اصلی مقصد آدمیوں کی کثرت کا بیان کرنا ہے ۔ جنگل کی تشبیہ کیوجہ سے کثرت کا خیال متعدد وجہوں سے زیادہ وسیع ہو جاتا ہے" [1]

آدمیوں کی کثرت کو ظاہر کرنے کیلئے جنگل اور صحرا دو لفظ ہیں ۔ جو ہم معنی ہیں لیکن آدمیوں کا صحرا کہنے سے زور اور وسعت پیدا نہیں ہوتی ۔ اس کی بجائے اگر آدمیوں کا جنگل کہیں تو اس میں نزاکت اور لطافت پیدا ہو جاتی ہے ۔ مرکب تشبیہ کو شبلی زیادہ پسند کرتے ہیں

---

[1] شعر العجم جلد چہارم ۔ ص ۴۷ - ۴۸

www.urduchannel.in

اس کی تشریح انھوں نے اس طرح کی ہے۔

"تشبیہ مرکب عموماً زیادہ لطیف ہوتی ہے۔ مرکب تشبیہ سے

یہ مراد ہے کہ کئی چیزوں کے ملنے سے جو مجموعی حالت پیدا ہوتی

ہے وہ تشبیہ کے ذریعہ سے ادا کیجائے ۔ ۔ ۔ ۔ مثلاً

دو زلف تابدار او بچشم اشکبار من۔ چو شمۂ کہ اندر دشنا کنند مارہا

یعنی میری پراشک آنکھوں میں معشوق کی زلفوں کا عکس اسطرح پڑتا ہے

گویا چشمہ میں سانپ لہرا رہے ہیں" لے

مرکب تشبیہ کو زیادہ پسند کرنے کی وجہ بیان کرتے ہیں۔

"مفرد تشبیہ میں چنداں جدت نہیں ہو سکتی۔ اولاً تو اس وجہ سے

کہ مفرد چیزوں کی طرف ہر شخص کا خیال منتقل ہو سکتا ہے۔ ثانیاً مدت

سے شعراء اور اہل قلم اس قسم کی تشبیہ سے کام لے رہے ہیں اس لئے

عالم قدرت میں جو چیزیں تشبیہ کے قابل تھیں اکثر کام میں آچکیں مثلاً

چہرے کو پھول، آفتاب مہتاب آئینے سے تشبیہ دے سکتے تھے

سو ہزاروں دفعہ دے چکے تھے۔ اب عالم فطرت میں کوئی نئی چیز پیدا ہو تو چہرے

کی تشبیہ میں بھی جدت پیدا ہو۔

لے شعر العجم۔ جلد چہارم شبلی ص ۵۲

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

البتہ مرکب تشبیہ میں ہر وقت جدت پیدا ہو سکتی ہے کیونکہ اوّل تو ترکیب کی ہزاروں صورتیں ہیں، دوسرے یہ کہ یہ چند اشیاء کی ترکیب سے جو مجموعی ہیئت پیدا ہوتی ہے اس کیطرف ہر شخص کا خیال نہیں منتقل ہو سکتا" [1]

شبلی نے انیس کو دبیر پر جو فوقیت دی ہے اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ انیس نے مرکب تشبیہات کا استعمال کیا ہے۔ تشبیہ کی بحث میں شبلی نے اس کے حسی پہلو کو زیادہ اہمیت دی ہے انھوں نے لکھا ہے۔

"محسوسات سے جو تشبیہ دی جاتی ہے نہایت عمدہ خیال کی جاتی ہے، کیونکہ محسوسات رات دن محسوس ہوتے رہتے ہیں، اسلئے ان کے ذکر کے ساتھ فوراً ان کی صورت ذہن میں آجاتی ہے اور اسلئے مشبہ کی تصویر بھی آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔" [2]

شبلی کیطرح دوسرے اردو ناقدین نے بھی تشبیہ اور استعارے کی اہمیت پر زور دیا ہے اور اس پر کافی بحث کی ہے مثلاً مولانا عبدالرحمٰن نے لکھا ہے۔

"تشبیہ ہی وہ چیز ہے جو شرارہ جذبات کو پرکالہ آتش بناتی،

---

[1] موازنہ انیس و دبیر۔ شبلی ص ۹۳
[2] " " " " ص ۹۵

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

سایہ کو چمکاتی اور نسبت کو صفت کر دکھاتی ہے، شعر کا زیور، ادا کا نشتر، اختراع کا منتر، کیا بتاؤں کہ کیا کیا تشبیہ کی ذات میں مضمر ہے" [1]

مغربی تنقید نگاروں نے بھی تشبیہ استعارے کی ضرورت کا بیان کیا ہے سید عابد علی نے لکھا ہے

"مغربی نقاد بھی یہی کہتے ہیں کہ تشبیہ اور استعارے کا منصب یہ ہے کہ واردات جذبات کی تشریح، توضیح اور تصریح کرے ظاہر ہے کہ یہ ضرورت وہیں پیش آئیگی جہاں وہ معنی جن کا اظہار مقصود ہے نسبتاً پیچیدہ اور دقیق ہونگے" [2]

شبلی کیطرح دیگر ناقدین نے تشبیہ یا استعارے کا مقصد یہ بتایا ہے کہ وہ معروف چیزوں کے ذریعہ پڑھنے یا سننے والے کو مجہول اشیاء کی طرف لے جائے یعنی شاعر یا انشاء پرداز اپنے جذبات و احساسات یا افکار و تصورات کو بیان کرتا ہے اور پڑھنے یا سننے والوں کے سامنے خیالات کا اظہار اس طرح کرنا چاہتا ہے کہ مشکل مضمون آسانی سے ان کے ذہن میں آجائے اور ان پر وہی جذبہ طاری ہو جائے جس سے شاعر دوچار ہوا۔

---

[1] مراۃ الشعر۔ بحوالہ اصول انتقاد ادبیات۔ عابد علی عابد۔ ص ۲۷۳

[2] " " " " " " "

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

اس طرح انشاء پرداز یا شاعر کیلئے اپنے خیال واحساسات کی تشریح اور وضاحت کرنا تشبیہ واستعارے کا کام ہے۔ استعارہ کسی خیال کی تشریح کرتا ہے اور اسمیں شدت اور گہرائی بھی پیدا کرتا ہے۔ اس طرح کلام میں تاثیر کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے۔ تشبیہ اور استعارے کے سلسلے میں اس کی اہمیت اور ضرورت پر شبلی مزید روشنی ڈالتے ہیں لکھتے ہیں۔

"یہ چیزیں (تشبیہ اور استعارہ) شاعری بلکہ عام زبان آوری کی خط وخال ہیں جن کے بغیر انشاء پردازی کا جمال قائم نہیں رہ سکتا"[1]

ایک نکتہ شبلی نے یہ بیان کیا ہے کہ اگر تشبیہ واستعارہ صرف آرائش زیبائش کے لئے استعمال کئے جائیں تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے بلکہ اس کی خوبی یہ ہے کہ شعر کی معنویت میں اضافہ ہو مضمون میں زور پیدا ہو اور شاعری میں اعجاز کی صفت پیدا ہو۔ انہوں نے لکھا ہے۔

"استعارہ اور تشبیہ اگر صرف حسن کلام اور تفنن طبع کے کام آئے تو وہ کوئی بڑی چیز نہیں لیکن بعض استعارے یا تشبیہات ایسے ہوتے ہیں جن کا اثر اصل مضمون پر پڑتا ہے یعنی مضمون کا زور بڑھ جاتا ہے

---

[1] شعر العجم۔ جلد چہارم۔ شبلی ص ۳۶

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

جو بات صفحوں میں ادا ہو سکتی ہے ایک لفظ سے ادا ہو جاتی ہے، صورت واقعہ کی تصویر اس طرح سامنے آجاتی ہے کہ کسی اور طرح سے نہیں آسکتی تھی"[1]

ایک اور بار یک نکتہ اس طرح بیان کیا ہے۔

"جب کسی نہایت نازک اور لطیف چیز یا حالت کا بیان کرنا ہوتا ہے تو الفاظ اور عبارت کام نہیں دیتی، اور یہ نظر آتا ہے کہ الفاظ نے اگر ان کو چھوا تو ان کو صدمہ پہنچ جائیگا۔ جس طرح حباب چھونے سے ٹوٹ جاتا ہے ایسے موقعوں پر شاعر کو تشبیہ سے کام لینا پڑتا ہے وہ اسی قسم کی لطیف اور نازک صورت کو ڈھونڈ کر پیدا کرتا ہے اور پیش نظر کر دیتا ہے"[2]

استعارے کے بارے میں اپنے خیالات شبلی نے اس طرح پیش کئے ہیں۔

"ایک عالی سے عالی بھی جب جوش یا غیض و غضب میں لبریز ہو جاتا ہے تو جو کچھ اس کی زبان سے نکلتا ہے استعارات کا قالب بدل کر نکلتا ہے، غم اور رنج کی حالت میں انشا پردازی اور تکلف کا کسکو خیال ہو سکتا ہے لیکن اس حالت میں بھی بے اختیار استعارات زبان سے

---

[1] شعر العجم - جلد اول - شبلی ص ۲۷۵ - ۲۷۶
[2] " - جلد چہارم " ص ۴۹ - ۵۰

ادا ہوتے ہیں۔ مثلاً کسی کا عزیز مرجاتا ہے تو کہتا ہے "سینہ پھٹ گیا"، "دل میں چھید پڑ گئے"، "آسمان ٹوٹ پڑا"، "مجھکو کس کی نظر لگ گئی"، یہ سب استعارے ہیں اس سے ظاہر ہوتا کہ استعارہ دراصل فطری طرزِ ادا ہے"[1]

تشبیہ اور استعارے میں جدت یا ندرت کا ہونا لازمی ہے چونکہ اس سے کلام میں حسن پیدا ہوتا ہے۔ شبلی کی رائے ہے۔

"شاعر کا فرض یہ ہے کہ نادر اور جدید تشبیہیں اور استعارے ڈھونڈ کر پیدا کرے"[2]

تشبیہ اور استعارے کے فرق کو اس طرح واضح کرتے ہیں۔

"اگر ہم یہ کہنا چاہیں کہ فلاں شخص نہایت شجاع اور بہادر ہے تو اگر انہیں لفظوں میں اس مضمون کو ادا کریں تو یہ معمولی طریقہ ادا ہے اس بات کو اگر یوں کہیں "وہ شخص شیر کے مثل ہے" تو یہ تشبیہ ہوگی اور معمولی طریقہ کی بہ نسبت کلام میں کچھ زیادہ زور پیدا ہوجائیگا اگر یوں کہیں کہ "وہ شخص شیر ہے" تو زور اور بڑھ جائیگا لیکن اگر اس شخص کا مطلق ذکر نہ کیا جائے اور کہا جائے کہ میں نے ایک شیر دیکھا اور اس سے مراد وہی شخص ہو تو استعارہ ہے۔ اسی مطلب کے ادا کرنے کا ایک اور طریقہ ہے کہ شیر کا نام بھی نہ لیا جائے بلکہ شیر کے جو خصائص ہیں اس شخص کی نسبت استعمال کیے جائیں مثلاً

---

[1] شعر العجم۔ جلد چہارم۔ شبلی ص ۴۶ - ۴۷
[2] " " " ص ۵۱

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

یوں کہا جائے کہ وہ جب میدان جنگ میں ڈکارتا ہوا نکلا تو ہلچل پڑ گئی

یہ بھی استعارہ ہے اور پہلے طریقہ کی بہ نسبت زیادہ لطیف ہے" [1]

تشبیہ اور استعارے شاعرانہ مصوری کو بہتر شکل میں پیش کرنے کیلئے کافی مدد کرتے ہیں۔ انھیں عوارض اور مستحسنات میں شامل کیا گیا ہے لیکن بعض جگہ ان کو شاعری کیلئے ضروری بتایا گیا ہے مثلاً کسی چیز کی تصویر کو ہو بہو پیش کرنے کیلئے تشبیہ کو بہترین ذریعہ مانا گیا ہے۔ شبلی لکھتے ہیں۔

"محاکات کا ایک بڑا آلہ تشبیہ ہے، اکثر اوقات ایک چیز کی اصلی تصویر جس طرح تشبیہ سے دکھائی جا سکتی ہے دوسرے طریقہ سے ادا نہیں ہو سکتی" [2]

اور ایک جگہ فرماتے ہیں۔

"چونکہ تشبیہ بھی ایک قسم کی تصویر ہے اسلئے طبیعت کا اس سے محظوظ اور متلذذ ہونا ایک فطری امر ہے" [3]

شبلی نے جن بڑے شعراء کے حسن کلام کو سراہا ہے اسکی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ وہ شعراء تشبیہ اور استعارے کے استعمال میں جدت پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ شبلی کے الفاظ میں۔

---

[1] شعر العجم۔ جلد چہارم۔ شبلی ص ۴۷
[2] " " " ص ۲۶
[3] موازنہ انیس و دبیر۔ شبلی ص ۹۲

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

"بڑے بڑے شعراء کا معیار کمال یہی ہے کہ ان کے کلام میں اچھوتی تشبیہیں اور نئے نئے استعارے پائے جاتے ہیں۔" [1]

منوچہری کی خصوصیات میں ایک خاص چیز تشبیہ کو بتایا ہے لکھتے ہیں

"منوچہری کی خصوصیات میں ایک بڑی چیز تشبیہ کی صنعت ہے، جہاں کسی منظر یا حالت کا بیان کرتا ہے، سیکڑوں نئی تشبیہیں پیدا کرتا جاتا ہے اور یہ اس کا خاص انداز ہے منوچہری کی اکثر تشبیہیں مرکب ہیں اور اس کے ساتھ خاص جدت ہے" [2]

شبلی نے استعارات اور تشبیہات کو مدنظر رکھتے ہوئے کچھ دیگر شعراء کو بھی امتیازی درجہ دیا ہے ان کے چند اقتباس درج ذیل ہیں۔

"عرفی کے کلام کی خصوصیت میں سے ایک بڑی خصوصیت استعارات کی جدت اور طرفگی ہے۔ یہ مسلم ہے کہ انشا پردازی اسی قدر لطیف اور پر زور ہوگی جسقدر استعارات لطیف اور پر زور ہوں گے۔ عرفی نے استعارات کی جدت اور تنوع سے ایک گوناگوں عالم پیدا کر دیا ان میں بعض بے مزہ اور دور از کار ہیں جیسا کہ صاحب آتشکدہ اور مجمع الفصحاء کا خیال ہے لیکن زیادہ تر ایسے ہیں جو ایوان شاعری کے نقش و نگار ہیں" [3]

---

[1] شعر العجم - جلد چہارم - شبلی ص ۵۱
[2] " - جلد اول - شبلی ص ۱۸۰
[3] " - سوئم " ص ۹۵

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

"فیضی کی ممتاز خصوصیات شاعری میں سے استعارات کی شوخی اور تشبیہات کی ندرت ہے۔ اکبری دور کے شعراء میں یہ خصوصیت عام ہے لیکن نوعی ہشیرازی اور عرفی اس وصف میں اپنے معاصرین سے ممتاز ہیں اور فیضی ممتاز ترین" [1]

"ظہوری کی خصوصیات شاعری میں نہایت نمایاں خصوصیت استعارات اور تشبیہات کی جدت ہے" [2]

"طالب کا امتیازی وصف صرف دو چیزیں ہیں۔ ۱ ندرتِ تشبیہ ۲۔ لطف استعارہ استعارات کی نزاکت اس کے دور سے پہلے شروع ہو چکی تھی لیکن اس نے اور زیادہ لطافت اور ندرت پیدا کر دی۔ اس کا کلام کہیں سے اٹھا کر دیکھو ہر جگہ نئے نئے استعارات نظر آئینگے۔ ان میں سے اکثر لطیف اور نازک ہیں اور بعض بعض معمہ سازی اور جھوٹے طلسم ہیں" [3]

فصاحت اور بلاغت۔

فصاحت اور بلاغت حسن کلام کیلئے ضروری تسلیم کیا گیا ہے شبلی نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے شعر العجم اور موازنہ انیس و دبیر دونوں میں اس موضوع پر اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ فصاحت میں الفاظ کو بڑی اہمیت حاصل ہے الفاظ کے مناسب اور برمحل استعمال سے اشعار میں فصاحت آجاتی ہے۔ بعض الفاظ بھدے اور ناگوار نہیں ہوتے لیکن عام بول چال میں ان کا رواج نہیں ہوتا ہے اسلئے وہ کانوں کو ناگوار لگتے ہیں۔ ان کے استعمال سے کلام غیر فصیح ہو جاتا ہے مثلاً یہ مصرع۔

---

[1] شعر العجم۔ جلد سوئم شبلی ص ۶۷
[2] شعر العجم۔ جلد اول۔ شبلی ص ۲۷۵
[3] " " ص ۱۶۷

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

شبلی کے خیال میں یہاں نار کا لفظ نامانوس اور غیر فصیح ہے۔ قرآن شریف سے بھی کچھ مثالیں انھوں نے پیش کی ہیں اور بتایا ہے کہ قرآن شریف میں جو الفاظ ملتے ہیں وہ نہایت فصیح ہیں اور ان کی جگہ کسی دوسرے لفظ کو استعمال کرنے سے فصاحت باقی نہیں رہتی۔

اس سلسلے میں انیس اور دبیر کی شاعری سے متعدد مثالیں انھوں نے پیش کی ہیں۔ میر انیس کا ایک شعر ہے۔

طائر ہوا میں مست ہرن سبزہ زار میں
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار میں۔

یہاں جنگل کے بجائے صحرا شعر کے اثر کو زائل کر دیتا ہے۔ شبنم اور اوس ہم معنی لفظ ہیں اب ذیل کا شعر دیکھئے ؎

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا تھا موتیوں سے دامن صحرا بھرا ہوا

یہاں اوس کا لفظ نہایت فصیح ہے اور شبنم کا لفظ غیر فصیح لیکن ذیل کے شعر میں شبنم کا لفظ نہایت فصیح ؎

شبنم نے بھر دئے ہیں کٹورے گلاب کے۔

شاعری میں موسیقیت پیدا کرنے کیلئے توازن و تناسب کو ضروری بتایا ہے اگر یہ خوبی نہ ہو تو شعر مبتذل زائل ہو جاتی ہے الفاظ کے توازن و تناسب کا خیال نہ رکھا جائے تو ثقالت اور بھدا پن آجاتا ہے شبلی نے مثال کے ذریعہ یہ بات اسطرح واضح کی ہے۔

"مرزا دبیر صاحب کا مشہور مصرع ہے۔

زیر قدم والدہ فردوس بریں ہے

اس میں جتنے الفاظ ہیں یعنی زیر۔ قدم۔ والدہ۔ فردوس بریں سب بجائے خود فصیح ہیں لیکن ان کے باہم ترکیب دینے سے جو مصرع پیدا ہوا ہے وہ اسقدر بھدا اور گراں ہے کہ زبان اس کا تحمل نہیں کرسکتی۔ شاید تم کو خیال ہو کہ مصرع کی ترکیب، چونکہ فارسی ہوگئی ہے اس لئے ثقل پیدا ہوگیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں، سیکڑوں شعروں میں اس قسم کی فارسی ترکیبیں ہیں لیکن یہ ثقل نہیں پایا جاتا۔ مثلاً میر انیس صاحب کہتے ہیں۔ ؎

میں ہوں سردار شباب چمن خلد بریں میں ہوں خالق کی قسم دوش محمدؐ کا مکیں۔

پہلے مصرع میں فارسی ترکیب کے علاوہ توالی اضافات بھی موجود ہے لیکن یہ بھدا پن اور ثقل نہیں ہے۔[1]

فصاحت اور بلاغت کی مدد سے ایسا مضمون جس کو بار بار استعمال کیا گیا ہو ایک نیا رنگ دیا جا سکتا ہے جس سے اس میں ایک نیا پن پیدا ہو جاتا ہے اور سامع کیلئے دلچسپ ہو جاتا ہے۔ شبلی نے اس کیلئے ایک شعری مثال پیش کی ہے ؎

اے کہ ہمراہ موافق بہ جہان طلبی آں قدر باش کہ عنقا ز سفر باز آید۔

(اگر تم سچا دوست دنیا میں ڈھونڈتے ہو تو اتنا ٹھہر جاؤ کہ عنقا سفر سے واپس آجائے اس شعر کی فصاحت وبلاغت کا اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"یہ ایک پامال مضمون ہے کہ جب کسی چیز کو نایاب کہنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں کہ عنقا ہے۔" شعر کا اصلی مطلب اسقدر ہے کہ ہمراہ موافق یعنی سچا دوست ملنا محال اور عنقا ہے۔

---

[1] موازنہ انیس و دبیر۔ شبلی ص ۲۷

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

اس کو یوں کہتا ہے کہ اگر تم کو سچے دوست کی تلاش ہے تو اتنا ٹھہر جاؤ کہ عنقا جو سفر میں گیا ہے وہ واپس آجائے یعنی نہ عنقا واپس آسکتا ہے۔ نہ سچا دوست مل سکتا ہے اس میں بلاغت کا یہ پہلو ہے کہ پہلے امید دلائی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سچا دوست مل سکتا ہے البتہ ذرا انتظار کرنا پڑے گا پھر جس بات پر محمول کیا ہے وہ بھی بظاہر ناممکن نہیں کیونکہ کسی کا سفر سے واپس آجانا کوئی ناممکن بات نہیں اس حالت کے بعد جب ناامیدی طاری ہوتی ہے تو ناامیدی کا اثر زیادہ سخت اور رنج دہ ہوتا ہے گویا یہ دکھانا ہے کہ سچے دوست کی تلاش میں امید بھی ہوگی۔ تو اس قسم کی ہوگی کہ خاتمہ ناکامی پر ہو" [1]

شبلی کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ شاعر مضامین کے ساتھ ایسے الفاظ کی تلاش اور جانچ پڑتال کرتا رہے جو کلام میں فصاحت و بلاغت پیدا کرتے ہیں۔ فصیح اور مانوس الفاظ کی تلاش کے سلسلے میں شبلی نے شعراء کو مفید و کارآمد مشورے دیے ہیں، مثلاً لکھتے ہیں۔

"شاعر کیلئے نہایت ضرور ہے کہ فصیح اور مانوس الفاظ کا تفحص کرے اور کوشش کرے کہ کوئی لفظ فصاحت کے خلاف نہ آنے پائے، فصاحت کی تعریف اگرچہ اہل فن نے منطقی طور پر جنس و فصل کے ذریعہ سے کی ہے یعنی حرفوں میں تنافر نہ ہو، لفظ نادرالاستعمال نہ ہو، قیاس لغوی کے مخالف نہ ہو، لیکن حقیقت یہ ہے کہ فصاحت کا معیار صرف ذوق اور وجدان صحیح ہے ممکن ہے ایک لفظ میں تنافر حروف، ندرت استعمال، مخالفت قیاس کچھ نہ ہو، باوجود اس کے

---

[1] شعر العجم - جلد چہارم شبلی ص ۵۵

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

وہ فصیح نہ ہو یہ بھی ممکن ہے کہ ایک لفظ بالکل نادرالاستعمال ہو اور پھر فصیح ہو، غیر زبان کے الفاظ جو کبھی ہم نے استعمال نہیں کئے تھے بلکہ ہمارے کانوں میں نہیں پڑے تھے، اول اول جب ہم سنتے ہیں تو ان میں سے بعض ہم کو فصیح معلوم ہوتے ہیں، اور بعض نامانوس اور مکروہ، حالانکہ ندرت استعمال میں دونوں برابر ہیں" [1]

جدتِ کلام - شبلی نے شاعری میں جدت ادا پر اتنا زور دیا ہے کہ وہ شاعری کی بنیادی صفت محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً شاعری کی بڑی ضروری شرط اسلوب بیان کی جدت اور دل آویزی ہے"۔ [2]

"ایک بات سیدھی طرح سے کہی جائے تو ایک معمولی بات ہے اُسی کو اگر جدید انداز اور نئے اسلوب سے ادا کر دیا جائے تو یہ شاعری ہے" [3]

"شاعر ایک معمولی بات کو لیتا ہے اور ایسے دلکشا اور ندرت آمیز اسلوب سے ادا کرتا ہے کہ سب وجد کرنے لگتے ہیں" [4]

خواجہ صاحب کے حسن اسلوب اور جدت ادا نے اس کو نہایت دل آویز اور لطیف کر دیا" [5]

اس طرح بات کو نئے ڈھنگ سے پیش کرنے کا نام جدت ادا ہے۔ شبلی نے جدت ادا کو شاعری

---

[1] شعرالعجم - جلد چہارم شبلی ص ۶۷
[2] شعرالعجم - جلد اول شبلی ص ۲۰۷
[3] " " ص ۵۳
[4] " " " ص ۲۰۷
[5] " جلد دوئم " ص ۲۲۸

www.urduchannel.in

شاعری کی ضروری شرط قرار دیا ہے ان کے خیال میں اس سے کلام میں دلآویزی پیدا ہوتی ہے شعر کا لطف بڑھ جاتا ہے جو کہ شاعری کا خاص مقصد ہے۔ جدت ادا کو شاعری کیلئے مقدم چیز بتاتے ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے۔

"شاعری انشاء پردازی بلاغت ان تمام چیزوں کی جادوگری اسی جدت ادا پر موقوف ہے" [1]

بات کو نئے انداز سے پیش کرنے کو ہی جدت ادا کہتے ہیں۔ مثال کے لئے یہ شعر پیش کیا ہے ؎

زخم با برداشتیم و فتح ہا کردیم لیک ہرگز از خونِ کسے رنگیں نشد دامن اماں ما

ہم نے بہت زخم کھائے اور فتحیں بھی کیں لیکن کسی کے خون سے ہمارا دامن رنگین نہیں ہوا۔

شبلی اس کی تشریح بھی کرتے ہیں "اصل خیال یہ تھا کہ ہم کو حریفان فن سے مقابلہ کا اکثر اتفاق ہوا لوگوں نے ہم کو برا بھلا کہا بد زبانیاں کیں لیکن ہم نے صبر و سکوت سے کام لیا۔ رفتہ رفتہ ہمارے علم وفضل کا سکہ لوگوں کے دلوں پر بیٹھتا گیا یہاں تک کہ حریف بھی قائل ہو گئے اور سب نے ہماری عظمت تسلیم کرلی۔ اس خیال کو یوں ادا کیا ہے کہ میدان جنگ میں ہم نے زخم کھا کر فتحیں حاصل کیں لیکن ہمارا دامن کسی کے خون سے رنگین نہیں ہوا اس طرز ادا میں علاوہ اس کے کہ تشبیہ میں ندرت ہے یہ تعجب انگیز بات ثابت کی ہے کہ میدان جنگ میں کوئی زخمی نہیں ہوا اور معرکہ فتح ہو گیا" [2]

---

[1] شعر العجم۔ جلد چہارم۔ شبلی ص ۵۳

[2] " " " ص ۵۳-۵۴

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

جدت ادا کے ایک دقیق پہلو پر اس طرح روشنی ڈالی ہے۔

"شاعری کی بڑی خوبی جدت ادا ہے، جدت ادا میں بات کو خواہ مخواہ کسی معمولی پیرایہ سے بدل کر اور اصلی راستہ سے ہٹ کر بیان کرنا ہوتا ہے اس لئے شاعر کو اس موقع پر سخت مشکل کا سامنا ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں سادگی ادا کو قائم رکھنا گویا اجتماع النقیضین ہوتا ہے لیکن حقیقت میں شاعری کے کمال کا یہی موقع ہے اس کی یہ صورت ہے کہ جدت کے سوا، سادگی کی اور تمام باتیں موجود ہوں یعنی الفاظ سہل ہوں، تشبیہات قریب الفہم ہوں، ترکیب میں پیچیدگی نہ ہو، روزمرہ اور محاورہ موجود ہو، ان سب باتوں کے ساتھ جدت ادا میں اعتدال سے تجاوز نہ کیا جائے اس صورت میں جدت کیوجہ سے سادگی میں کسیقدر فرق پیدا ہوگا، تو اور باتیں اس کی تلافی کردیں گی" [1]

شاعری کی یہ خوبی خواجہ صاحب کے یہاں قابل داد ہے خواجہ صاحب کی یہ خوبی اسطرح ظاہر کی ہے۔

"اکثر مضامین ایسے ہیں جو مدتوں سے بندھتے آتے تھے یا بندھے نہ تھے لیکن بجائے خود معمولی مضمون تھے جن میں کوئی دلفریبی نہ تھی، خواجہ صاحب کے یہاں حسن اسلوب اور جدت ادا نے اس کو نہایت دل آویز اور لطیف کردیا" [2]

سادگی کلام۔ شبلی کے تنقیدی اصولوں میں سادگی ایک اہم اصطلاح ہے یہ بھی حسن کلام کیلئے ایک ضروری شرط بتائی گئی ہے۔ ان کے خیال کے مطابق۔

"سادگی ادا کے یہ معنی ہیں کہ جو مضمون شعر میں ادا کیا گیا ہے بے تکلف سمجھ میں آجائے" [3]

---

[1] شعر العجم۔ جلد چہارم۔ شبلی ص ۱۷۱ [2] شعر العجم۔ جلد دوئم شبلی ص ۲۲۸
[3] " " " ص ۶۸

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

یہ ایسی خوبی ہے کہ جس سے مضمون میں پیچیدگی اور الجھن پیدا نہیں ہوتی ۔ سادگی کا وصف پیدا کرنے کے لئے شبلی نے مشورہ دیا ہے کہ جملوں کے اجزا کی ترتیب قائم رکھی جائے ۔ اجزائے کلام مقررہ جگہ سے زیادہ نہ ہٹنے پائیں ۔ مضمون کے اجزا کا کوئی ضروری جزو رہ نہ جائے تلمیحات ایسی نہیں ہونی چاہئیے جو کسی کو معلوم نہ ہوں استعارے اور تشبیہیں عام فہم ہونی چاہئیں ۔ روزمرہ اور عام بول چال کی زبان کا استعمال ہو اسطرح کے کلام کو سمجھنے میں دشواری نہیں ہوتی اور اس کی تاثیر بڑھ جاتی ہے ۔

طرزِ ادا ۔ تخیل الفاظ، ترتیب وغیرہ کے ساتھ طرز ادا کو بھی حسن کلام کیلئے ایک ضروری وصف مانا گیا ہے شبلی کے الفاظ میں ۔

"شاعری کا اصلی معیار کمال یہ ہے کہ جو مضامین ادا کئے جائیں اس طرح ادا کئے جائیں کہ مضمون کا اس سے زیادہ موثر اور بلیغ کوئی طریقہ ادا پیدا نہ ہو سکے" [1]

اسی خوبی کو مواد و ہیئت کی ناگزیریت کا بھی نام دیا جاتا ہے اس وضاحت میں شبلی نے آرنلڈ کا حوالہ بھی دیا ہے جو درج ذیل ہے ۔

"بہترین شاعری کی مخصوص صفت یہ ہے کہ اس کے مواد اور طرز میں واضح طور پر صداقت اور سنجیدگی ہوتی ہے یعنی بہترین شاعری کے طرز اور مواد میں صداقت اور سنجیدگی کی علویت کو جدا نہیں کیا جا سکتا ۔ یہ دونوں علویتیں ایک دوسرے سے پیوست ہوتی ہیں

---

[1] شعر العجم ۔ جلد پنجم ۔ شبلی ص ۴۷

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

اور ایک دوسرے سے مناسبت رکھتی ہیں جتنی اعلیٰ شاعرانہ صداقت
اور سنجیدگی شاعر کے مواد اور خیال میں کم ہوگی یقین رکھئے اتنا ہی زبان
و رفتار کا اعلیٰ شاعرانہ اثر طرز اور رنگ میں کم ہوگا۔ زبان و رفتار کا
یہ اعلیٰ شاعرانہ اثر طرز اور رنگ کے اعتبار سے جتنا کم ہوگا اتنی ہی
اعلیٰ شاعرانہ صداقت اور سنجیدگی مواد اور خیال کے اعتبار سے کم ہوگی" [1]

شاعری میں بدیع الاسلوبی۔

شبلی نے جدت ادا کے معنی میں ہی بدیع الاسلوبی کو بھی استعمال کیا ہے کسی خیال کو ایک نئے اور عجیب انداز سے پیش کیا جائے تو یہ بدیع الاسلوبی ہے شاعری میں اسکی اہمیت شبلی اسطرح ظاہر کرتے ہیں۔

"بدیع الاسلوبی کے معنی کسی خیال کو جدید اور عجوبہ زا پیرائے میں ادا کرنا ہے،
یہ وہ وصف ہے کہ بہت سے اہل فن کے نزدیک اسی کا نام شاعری ہے" [2]

معلوم ہوا کہ کسی بات یا خیال کو اس انداز سے پیش کرنا جو تعجب کی حد تک نیا ہو شبلی نے اسکو جدت ادا سے مختلف مانا ہے کیونکہ اس میں نئے پن کے ساتھ حیرت و استعجاب کا عنصر بھی پایا جاتا ہے۔ جدت ادا میں صرف نئے پن کو ظاہر کیا جاتا ہے۔

---

[1] مقالات شبلی جلد دوئم شبلی ص ۳۲
[2] شعر العجم۔ جلد چہارم۔ شبلی ص ۲۰۰

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

نبدش شبلی نے بار بار اس لفظ کو استعمال کیا ہے شعراء کا بیان کرتے وقت جہاں نبدش کی چستی محسوس ہوئی اس کی تعریف کی ہے اور اگر کمی پائی ہے تو اس کے کلام میں نقص بتایا ہے۔ نبدش کی چستی سے وہ یہ مطلب نکالتے ہیں کہ الفاظ و تراکیب کی نشست و ترتیب اس طرح معلوم ہو جیسے انگوٹھی میں نگینہ۔ قاری یا سامع کو بے ربطی اور ناہمواری کا قطعی احساس نہ ہو۔ تناسب توازن اور توافق تمام الفاظ میں موجود ہو۔ فرماتے ہیں۔

"جب کسی مصرع یا شعر کے تمام الفاظ میں ایک خاص قسم کا تناسب، توازن اور توافق پایا جاتا ہے اس کے ساتھ وہ تمام الفاظ بجائے خود بھی فصیح ہوتے ہیں تو وہ پورا مصرع یا شعر فصیح کہا جاتا ہے اور وہی چیز ہے جسکو نبدش کی صفائی نشست کی خوبی، ترکیب کی دل آویزی، برجستگی، سلاست اور روانی سے تعبیر کرتے ہیں" [1]

یہ بات بھی ہے کہ شبلی نبدش کی چستی کو وجدانی چیز سمجھتے ہیں اور اس کی مکمل تعریف ناممکن سمجھتے ہیں۔ انہوں نے خواجہ حافظ۔ شیرازی اور سلمان ساوجی کے کچھ اشعار منتخب کئے ہیں جو مضامین کے اعتبار سے یکساں ہیں لیکن تقابلی تجزیہ کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض شعر چست ہیں اور بعض سست۔

ذیل کے اشعار میں نبدش کی چستی پر رائے ظاہر کی گئی ہے ؎

---

[1] موازنہ انیس و دبیر۔ شبلی ص ۴۸

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

سلمان	حافظ
خال مشکیں در عارض گندم گوں دید	در خم زلف تو آویخت دل از چاہ زنخ
آدم آمد ز پئے دانہ و در دام افتاد	آہ کز چاہ بروں آمد و در دام افتاد

"ان آخر کے دونوں شعروں کے مقابلہ سے نبدش کی چستی کا مفہوم تم کو علانیہ واضح ہو جائیگا۔ سلمان کا شعر اگرچہ معنی کے لحاظ سے بالکل ناموزوں ہے چہرہ کو دام سے کوئی مناسبت نہیں بخلاف اس کے خواجہ صاحب نے ذقن کو چاہ اور زلف کا دام کہا ہے اور یہ عام مسلمہ تشبیہ ہے لیکن سلمان کے شعر میں نبدش کی جو چستی ہے، خواجہ صاحب کے شعر میں نہیں ہے۔ ع

آدم آمد ز پئے دانہ و در دام افتاد۔ آدم، دانہ، دام

یہ الفاظ ایسی ترتیب اور خوبصورتی اور روانی سے جمع ہوگئے ہیں کہ مصرع میں نہایت برجستگی پیدا ہوگئی ہے خواجہ صاحب کا مصرع پھس پھسا ہے اور خصوصاً آہ کے لفظ نے مصرع کو بالکل کم وزن کر دیا ہے"[1]

نبدش کی چستی کو شبلی نے کلام کا ایک بڑا جوہر مانا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

"ہمارے نزدیک حسن کلام کا بڑا جوہر یہی حسن نبدش ہے"[2]

حافظ نے بھی لطف ادا اور نبدش کو حسن کلام میں شامل کیا ہے ان کے خیال میں ایک ہی مضمون کئی شاعروں نے باندھا لیکن لفظوں کی ترتیب سے کسی خاص شاعر نے وہی مضمون کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

---

[1] شعر العجم - جلد دوئم - شبلی ص ۲۶۱-۲۶۲
[2] " " " ص ۲۶۳

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

جوشِ بیان کے متعلق شبلی کا خیال۔

شبلی نے اکثر جگہ جوشِ بیان پر بحث کی ہے۔ جوشِ بیان سے انہوں نے کہیں پر تو وہ مفہوم لیا جو قدیم زمانے میں مستعمل تھا اور بعض جگہ انہوں نے جوشِ بیان کی خصوصیات وہی بتائی ہیں جو حالی کے یہاں پائی جاتی ہیں۔ فیضی اور حافظ کے کلام کا جائزہ لیتے ہوئے انہوں نے جو خیالات ظاہر کئے ہیں وہ قابلِ توجہ ہیں۔ فیضی کے کلام کے بارے میں لکھا ہے۔

"فیضی کی خصوصیات میں سب سے بڑھکر جوشِ بیان ہے جس کا وہ موجد بھی ہے اور خاتم بھی۔ جوشِ بیان خواجہ حافظ میں بھی ہے اور اعلیٰ درجے پر ہے، لیکن رندانہ مضامین اور دنیا کی بے ثباتی کے ساتھ مخصوص ہے فیضی کے یہاں فخریہ، عشقیہ، فلسفیانہ، ہر قسم کے مضامین ہیں، وہی جوش پایا جاتا ہے جوشِ بیان اس کے ذاتی حالات کا خاص اثر ہے، جو کسی اور کو نصیب نہیں ہو سکتا ۔ ۔ ۔ جب وہ تخت شاہی کے پاس کھڑے ہو کر اکبر کو مخاطب کرتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک سیہ مست جوشِ مستی میں آپے سے باہر ہوا جاتا ہے اور ہنکار رہا ہے" [1]

حافظ کے کلام پر تبصرے میں فرماتے ہیں۔

خواجہ حافظ کے کلام میں جو جذبات ہیں وہ خود ان کے واردات اور حالات ہیں اسلئے ان کو وہ اس جوش کے ساتھ ادا کرتے ہیں کہ ایک عالم چھا جاتا ہے

---

[1] شعر العجم۔ جلد سوئم۔ شبلی ص ۶۲

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

جوشِ بیان کے لئے کسی مضمون یا کسی خیال کی خصوصیت نہیں، ہر مضمون، ہر خیال جوش کے ساتھ ظاہر کیا جا سکتا ہے، البتہ اختلافِ نوعیت کی وجہ سے صورتیں بدل جاتی ہیں۔ مثلاً شاعر جوشِ مسرت کا بیان کرتا ہے تو اس انداز سے کرتا ہے کہ گویا آپے سے باہر ہوا جاتا ہے۔ قہر اور غضب کا بیان ہے تو کہ دنیا کا مرقع الٹ دیگا، دنیا کی بے ثباتی کا تذکرہ ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام عالم ہیچ ہے، غصہ اور غضب کا مضمون ہے تو نظر آتا ہے کہ منہ سے انگارے برس رہے ہیں۔

خواجہ صاحب نے سیکڑوں گوناگوں خیالات ادا کئے ہیں اور جس خیال کو ادا کیا ہے اس جوش کے ساتھ کیا ہے کہ سننے والے پر وہی اثر طاری ہو جاتا ہے۔ جو خود خواجہ صاحب کے دل میں ہے" [1]

شبلی کیطرح حالی بھی جوشِ بیان سے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ مضمون میں بے ساختہ الفاظ کو اسطرح بیان کیا جائے کہ شاعر نے جوش کی حالت میں بے ساختگی کے ساتھ یہ بیان کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے۔

"جوش سے یہ مراد ہے کہ مضمون ایسے بے ساختہ الفاظ اور موثر پیرائے میں بیان کیا جائے جس سے معلوم ہو کہ شاعر نے اپنے ارادہ سے یہ مضمون نہیں باندھا بلکہ خود مضمون نے شاعر کو مجبور کر کے اپنے تئیں اس سے بندھوایا ہے" [2]

---

[1] شعر العجم۔ جلد دوئم۔ شبلی ص ۲۲۰-۲۲۱

[2] مقدمہ شعر و شاعری۔ حالی ص ۶۲

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

اس طرح جوش بیان کا مطلب یہ ہے کہ شعر میں جوش پایا جائے اور یہ محسوس ہو کہ شاعر نے جوش کی حالت میں شعر کہا ہے اور ظاہر ہے ایسا بیان سامعین پر بھی جوش طاری کر دے گا اس لئے جوشیلے الفاظ استعمال ہو سکتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ الفاظ نرم ہی ہوں مگر ان میں جوش چھپا ہو۔ شبلی حالی کے خیال سے متفق معلوم ہوتے ہیں۔ وہ جذبے کی ہر شدید صورت کے اظہار کو جوش بیان کا نام دیتے ہیں۔

شاعری میں خوشنوائی اور موسیقیت۔

خوش نوائی۔ خوش آہنگی یا موسیقیت کے ضمن میں شبلی کا خیال ہے کہ شاعری میں موسیقی بھی ایک عنصر ہے صاحب کمال شاعر خوشنوائی ضروری سمجھتے ہیں۔ حالی نے بھی شعر میں موسیقی اور خوشنوائی کو شاعری کے اونچے مرتبے کیلئے ضروری سمجھا ہے۔ خواجہ حافظ اپنی غزلوں میں ایسی بحریں رکھتے ہیں جو موسیقی سے نسبت رکھتی ہیں۔ خواجہ صاحب کے یہاں بھی ایسی لفظی صنعتوں کو استعمال کیا گیا ہے جن سے خوش آہنگی اور خوشنوائی پیدا ہوگئی ہے ان کے اشعار میں الفاظ کا تناسب ایسا ہے جو کانوں کو بھلا معلوم ہوتا ہے اور گیت کے اجزا معلوم ہوتے ہیں۔

شاعری کیا ہے۔

شاعری کی تعریف اور حقیقت کے بارے میں شبلی نے بڑی تفصیلی بحث کی ہے شاعری کو انہوں نے ایک قسم کی مصوری بتایا ہے جس میں ہر طرح کے خیالات جذبات اور احساسات

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

اس طرح پیش کیے جاتے ہیں کہ آنکھوں کے سامنے ان کی تصویر سی کھنچ جاتی ہے شبلی لکھتے ہیں۔

"شعر (جیسا کہ ارسطو کا مذہب ہے) ایک قسم کی مصوری یا نقالی ہے فرق یہ ہے کہ مصور صرف مادی اشیاء کی تصویر کھینچ سکتا ہے بخلاف اس کے شاعر ہر قسم کے خیالات، جذبات اور احساسات کی تصویر کھینچ سکتا ہے۔

ایک شخص کا عزیز دوست جدا ہو رہا ہے اس حالت میں جو اس پر صدمے گذرتے ہیں اور دلدوز خیالات کا جو طوفان اس کے دل میں اٹھتا ہے، شاعر اس کی تصویر اسطرح کھینچ سکتا ہے کہ اگر رنج و غم مادی چیزیں ہوتیں اور انکی تصویر کھینچی جاتی تو وہی ہوتی جو شاعر نے الفاظ کے ذریعہ کھینچی ہے کھینچی تھی۔

اس بنا پر کسی چیز کا بیان جب اسطرح کیا جائے کہ اس شے کی اصلی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے تو اس پر شعر کی تعریف صادق آئے گی" [1]

"شاعری کس چیز کا نام ہے؟ کسی چیز کا کسی واقعہ کا کسی حالت کا کسی کیفیت کا اسطرح بیان کیا جائے کہ اس کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے" [2]

شاعری صرف محسوسات کی تصویر ہی نہیں کھینچتی بلکہ جذبات اور احساسات کو بھی پیش نظر کر دیتی ہے اکثر ہم خود اپنے نازک اور پوشیدہ جذبات سے واقف نہیں ہوتے یا ہوتے ہیں تو صرف ایک دھندلا دھندلا سا نقش نظر آتا ہے

---

[1] شعر العجم - حصہ اول - شبلی ص ۱۱-۱۲

[2] موازنہ انیس و دبیر - شبلی ص ۲۵۳

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

شاعری ان پس پردہ چیزوں کو روشن کر دیتی ہے۔ دھندلی چیز چمک اٹھتی ہے۔ مٹا ہوا نقش ابھر آتا ہے۔ کھوئی ہوئی چیز ہاتھ آ جاتی ہے۔ خود ہماری روحانی تصویر جو کسی آئینہ کے ذریعہ سے ہم نہیں دیکھ سکتے شعر ہم کو دکھا دیتا ہے۔" [1]

"خدا نے انسان کو مختلف اعضا اور مختلف قوتیں دی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے فرائض اور تعلقات الگ ہیں ان میں سے دو قوتیں تمام افعال اور ارادات کا سرچشمہ ہیں۔ ادراک اور احساس۔ ادراک کا کام اشیا کا معلوم کرنا اور استدلال اور انبساط سے کام لینا ہے۔ ہر قسم کی ایجادات، تحقیقات، انکشافات، اور تمام علوم و فنون اسی کے نتائج عمل ہیں۔

احساس کا کام کسی چیز کا ادراک کرنا، یا کسی مسئلہ کا حل کرنا، یا کسی بات پر غور کرنا اور سوچنا نہیں ہے۔ اس کا کام صرف یہ ہے کہ جب کوئی مؤثر واقعہ پیش آتا ہے تو وہ متاثر ہو جاتا ہے۔ غم کی حالت میں صدمہ ہوتا ہے خوشی میں سرور ہوتا ہے، حیرت انگیز بات پر تعجب ہوتا ہے۔ یہی قوت جس کو احساس، انفعال یا فیلنگ سے تعبیر کر سکتے ہیں شاعری کا دوسرا نام ہے یعنی یہی احساس جب الفاظ کا جامہ پہن لیتا ہے تو شعر بن جاتا ہے۔" [2]

"ایک یورپین مصنف لکھتا ہے کہ "ہر چیز جو دل پر استعجاب یا حیرت یا جوش یا اور کسی قسم کا اثر پیدا کرتی ہے شعر ہے۔" [3]

شاعری کا تدریجی ارتقا

اپنے تدریجی ارتقا میں شاعری جن حالات سے متاثر ہوئی ہے اس کے بارے میں شبلی نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔ ابتدا میں سیدھے سادے خیالات ہوتے ہیں تشبیہات و استعارات بہت کم ہوتے ہیں۔ مضمون کو بے تکلف ادا کر دیتے ہیں اس کے بعد خیالات میں بلندی شروع ہوتی ہے صنائع بدائع اور

---

[1] شعر العجم۔ جلد چہارم۔ شبلی ص ۸۱
[2] " " " ص ۱-۲
[3]

مبالغہ پیدا ہو جاتا ہے مضمون کے لئے استعارے کا استعمال ضروری سمجھا جاتا ہے اس کے بعد دور شروع ہوتا ہے باریک بینی کا مبالغے حد سے بڑھ جاتے ہیں خیالی چیزوں پر زیادہ مدار ہوتا ہے یہ سب دور فارسی شاعری پر گذرے ہیں۔ ابتدائی حالت میں صحت الفاظ کی بھی پروا نہ تھی۔ عروض و قواعد کا بھی کچھ لحاظ نہ تھا تشبیہیں سادہ اور نیچرل ہوتی تھیں یعنی مثلاً کمر کو شاخ گل کہتے تھے پھر بال کہنے لگے۔ اس کے بعد کے زمانے میں رگ گل تار نظر کہا گیا اور پھر معدوم کر دیا۔ مدح میں سادگی اور واقعیت تھی عاشقانہ خیالات بھی سادہ اور نیچرل تھے۔ خواجہ حافظ کے بعد ایک مدت تک شاعری کی ترقی رکی رہی۔ صفویہ خاندان کے دور میں شاعری نے بہت ترقی کی۔ محتشم، شفائی، عرفی، نظیری نیشاپوری نے شاعری کو اعلیٰ درجے پر پہنچا دیا۔

اس سلسلے میں شبلی لکھتے ہیں۔

"شاعری کی بھی یہی حالت ہے ابتدا میں سیدھے سادے صاف صاف اور بے تکلف خیالات ہوتے ہیں تشبیہات اور استعارے کہیں کہیں آ جاتے ہیں الفاظ میں تراش خراش نہیں ہوتی، جس مضمون کو ادا کرنا چاہتے ہیں بغیر کسی ایچ پیچ کے بے تکلف ادا کر دیتے ہیں اس سے قدم آگے بڑھتا ہے تو خیالات میں بلندی شروع ہوتی ہے، استعارے رنگین ہو جاتے ہیں، تشبیہوں میں نزاکت آ جاتی ہے، مبالغوں میں زور پیدا ہو جاتا ہے، الفاظ میں تراش خراش شروع ہوتی ہے، جس مضمون کو ادا کرتے ہیں استعاروں کے رنگ میں ادا کرتے ہیں، اس کے بعد دقت آفرینی اور باریک بینی شروع

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

ہوتی ہے مبالغے آسمان تک پہنچ جاتے ہیں، بال کی کھال نکالی جاتی ہے،
استعارہ میں استعارہ پیدا کرتے ہیں، محسوسات سے گذر کر صرف خیالی
چیزوں پر مدار رہ جاتا ہے، یہ ترقی کی آخری منزل ہے جو منزل سے ہمدوش
اور ہم آغوش ہے اس اصول کی بنا پر فارسی شاعری کے دور اول کی
سب سے پہلی خصوصیت سادگی اور بے تکلفی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ یہ وہی بات ہے
کہ ہر چیز ابتدا میں نہایت سادہ اور بے تکلف ہوتی ہے" [1]

شبلی نے ان حالات اور پس منظر پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ جو شاعری پر اثر انداز ہوتے ہیں کسی ملک کی آب وہوا۔ مناظر قدرت۔ ملکی و سیاسی حالت تہذیب و تمدن عوامی اخلاق رسم و رواج یہ سبھی چیزیں شاعری پر کسی نہ کسی طور پر اثر ڈالتی ہیں شاعری کے اسالیب اور موضوعات کو یہ سب چیزیں متاثر کرتی ہیں ملکی آب وہوا کا شاعری پر اثر شبلی اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"یہ بدیہی بات ہے کہ ملک کی آب وہوا، سرسبزی، اور شادابی کا اثر خیالات پر پڑتا ہے کہ اس ذریعہ سے انشاء پردازی اور شاعری تک پہنچتا ہے، عرب جاہلیت کا کلام دیکھو تو پہاڑ، صحرا، جنگل، بیابان، دشوار گذار راستے، اگے ہوئے کھنڈر، ببولوں کے جھنڈ، پہاڑی جھاڑیاں، یہ چیزیں ان کی شاعری کا سرمایہ ہیں" [2]

فارسی شاعری میں ملکی حالت کے اثر سے کچھ خاص مضامین کو اہمیت دی گئی شبلی اسکے بارے میں لکھتے ہیں

---

[1] شعر العجم۔ جلد چہارم۔ شبلی ص ۹۷-۹۸
[2] " " " ص ۱۷۷

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

"فارسی شاعری میں اخلاق اور موعظت وحکمت کے جو اہم مضامین ہیں یہ ہیں، دنیا کی بے ثباتی، زمانے کا انقلاب اور بے اعتباری آسمان کی شکایت، نیک و بد اور قابل و ناقابل میں عدم تمیز کا گلہ، قناعت، زہد اور توکل کی ترغیب تمام اکابر اور خصوصاً صوفی منش شعراء کا کلام ان مضامین سے بھرا پڑا ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اخلاقی اور واعظانہ شاعری کا تمام تر سرمایہ یہی ہے یہ تمام مضامین طرز حکومت اور حالات حکومت کے اثر کے نتائج ہیں" [1]

"چونکہ سلاطین کے دربار میں کامیابی کا مدار زیادہ تر سعی و سفارش پر ہوتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اکثر ارباب کمال محروم رہ جاتے تھے اور ناقابل اور کم مایہ لوگ بڑے بڑے رتبوں تک پہنچ جاتے تھے اس کے ساتھ چونکہ ایرانیوں اور یونان کے معتقدات کے موافق اجرام فلکی کے موثر ہونے کا خیال عام طور پر پھیلا ہوا تھا، اس لئے لازمی طور پر خیال پیدا ہوا کہ آسمان کو نیک و بد کی تمیز نہیں، اس سے آسمان کی شکایت کا ایک وسیع مضمون پیدا ہوگیا، چنانچہ شاعری کا ایک بڑا حصہ ان ہی مضامین کے متعلق ہے اور اس میں خوب خوب نکتہ آفرینیاں کی گئیں" [2]

فارسی میں اخلاقی شاعری کے مضامین کس طرح پیدا ہوئے ان کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"اخلاقی شاعری میں توکل، قناعت، اور گوشہ گیری کی تعلیم ان ہی واقعات

---

[1] شعر العجم - جلد چہارم - شبلی ص ۱۲۵
[2] " " " ص ۱۲۸

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

کی بدولت وجود میں آئی، غیور طبیعتوں نے جب دیکھا کہ سلاطین کے
دربار میں خوشامد، جوڑ توڑ اور سازش کے بغیر فروغ نہیں ہو سکتا تو ان
لوگوں نے ترک دنیا ہی مناسب سمجھا اور لوگوں کو بھی اس کی تعلیم
دینی شروع کی، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ قناعت اور توکل شاعری کا
سب سے بڑا موضوع بن گیا اور چونکہ شاعرانہ تخیل کے لئے ایک
اس میں
اچھا میدان ہاتھ آگیا تھا لوگوں نے بھی طبع آزمائیاں کیں جنکو
قناعت کی ہوا بھی نہ لگی تھی مثلاً مرزا صائب اور علی قلی سلیم وغیرہ" [1]

کسی ملک کی سیاست ملکی نظام اور مادی حالات شاعری کے موضوعات پر کس طرح اثر مرتب کرتے ہیں اس کے بارے میں شبلی یوں وضاحت کرتے ہیں۔

"ملکی حالت کے بدلنے سے ملک کی زبان بدل دی، یہ ایک دقیق
راز ہے کہ ملک کی جو مادی حالت ہوتی ہے زبان پر بھی اسکا اثر
پڑتا ہے جس ملک میں زیادہ تر لڑائیاں برپا رہتی ہوں، ہر وقت
جنگ و جدل کا چرچا رہتا ہو، آنکھیں کھولنے کے ساتھ بچوں کی
نظر تیغ و خنجر پر پڑتی ہو وہاں کی زبان بھی اسی قسم کی بن جاتی ہے
لفظوں میں سنگینی، وقار اور عظمت ہوتی ہے فقروں میں جوش ہوتا ہے

---

[1] شعر العجم - جلد چہارم - شبلی ص ۱۲۹

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

طرز ادا میں متانت پائی جاتی ہے اس کا اثر قصیدہ اور مثنوی پر بھی
پڑا یعنی ان دونوں صنفوں میں تنزل آگیا قصیدہ کیلئے الفاظ
کا شان و شکوہ ترکیبوں کی چستی، طرز ادا کا وقار لازمی چیز ہے
متاخرین کی زبان چونکہ غزل کی زبان بن گئی اس لئے قصیدہ کی
وہ شان باقی نہ رہی۔ مثنوی پر بھی یہی اثر پڑا - - - - - -
تشبیہات اور استعارات بدل گئے مثلاً پہلے زلف کو کمند اور
چوگاں سے تشبیہ دیتے تھے اب سنبل، نارظ، دام، خوشۂ انگور،
رشتۂ عمر، کفر وغیرہ سے تشبیہ دینے لگے" [1]

ملکی حالات یا سیاست کے اثرات شاعری کے موضوعات کو کس طرح متاثر کرتے ہیں اس کے بارے میں مزید لکھتے ہیں۔

"ایشیا میں علم و فن صنعت و ہنر سب چیزیں سلطنت کی تابع ہوتی ہیں
سلطنت کا جو مذاق ہوتا ہے تمام چیزوں میں اثر کر جاتا ہے اسلئے
شاعری کی ترقی و تنزل نوعیت اور مذاق کی تحقیقات میں سب سے پہلے
حکومت کے مذاق کا پتہ لگانا چاہیئے" [2]

ادب و شعر پر کسی ملک کی تہذیب ثقافت بھی گہرے اثرات پیدا کرتے ہیں اس سلسلے میں شبلی نے لکھا ہے۔

---

[1] شعر العجم - جلد چہارم شبلی ص ۱۶۹
[2] " " " ص ۱۲۲-۱۲۳

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

"شاعری اور انشا پردازی تمدن کے ساتھ ساتھ چلتی ہے یعنی جس قسم کا تمدن ہوتا ہے اسی قسم کی شاعری بھی ہوتی ہے قوم کی ابتدائی ترقی کا جو زمانہ ہوتا ہے اس وقت شاعرانہ خیالات سادہ ہوتے ہیں جب ترقی کرتی ہے اور تمام شریفانہ جذبات مشتعل ہو جاتے ہیں تو وہ شاعری میں جوش اور زور پیدا ہو جاتا ہے لیکن اب بھی سچائی اور راستی کے مرکز سے نہیں ہٹتی۔ کیونکہ یہ وہ زمانہ ہوتا ہے جب قوم ہمہ تن عمل ہوتی ہے اس کے بعد عیش اور ناز و نعمت کی نوبت آتی ہے تو ہر ہر بات میں تکلف اور آورد پیدا ہو جاتی ہے" [1]

شبلی کے الفاظ میں شاعر کی تعریف

شاعر کی تعریف شبلی نے اسطرح کی ہے۔

"شاعر کے لفظی معنی صاحب شعور کے ہیں، شعور احساس (فیلینگ) کو کہتے ہیں یعنی شاعر وہ شخص ہے جسکا احساس قوی ہو انسان پر خاص خاص حالتیں طاری ہوتی ہیں مثلاً رونا ہنسنا، انگڑائی لینا یہ حالتیں جب انسان پر غالب ہوتی ہیں تو اس سے خاص خاص حرکات صادر ہوتے ہیں مثلاً رونے کی حالت میں آنسو جاری ہوتے ہیں ہنسنے کے وقت ایک خاص آواز پیدا ہوتی ہے، انگڑائی کی حالت میں اعضا تن جاتے ہیں، اسیطرح شعر بھی ایک خاص احساس کا نام ہے شاعر کی طبیعت پر رنج یا خوشی یا غصہ یا استعجاب

---

[1] شعر العجم۔ جلد چہارم شبلی ص ۸۰

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

کے طاری ہوتے ہی ایک خاص اثر پڑتا ہے یہ اثر الفاظ کے ذریعے سے ظاہر ہوتا ہے
اسی کا نام شاعری ہے شاعر کا احساس اور دل کے احساس سے قوی ہوتا ہے لیکن
اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کو اوروں کی بہ نسبت زیادہ رنج یا زیادہ خوشی ہوتی ہے
بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ احساس کے وقت اس کی تمام قوتیں جوش میں آجاتی ہیں" [1]

ایک جگہ اور فرماتے ہیں۔

"دنیا میں جسقدر قدرت کے مظاہر ہیں خواہ مادی ہوں مثلاً پہاڑ، بیابان، باغ، دریا
وغیرہ خواہ غیر مادی مثلاً وصل، ہجر، تحسین، نفرین ان سب سے دل پر اثر پڑتا ہے اور
ہر شخص کے دل پر پڑتا ہے، اثر کے مراتب متفاوت ہیں بعض اشخاص پر کم بعض پر
زیادہ ہوتا ہے جو شخص ان مظاہر قدرت سے عام لوگوں کی نسبت زیادہ متاثر ہوا
اور بعینہ اس اثر کو الفاظ سے ادا بھی کر سکتا ہو وہی شاعر ہے" [2]

مواد اور ہیئت۔

شاعری میں کیا کہنا چاہیئے اس پر بحث کرتے ہوئے شبلی نے شاعری کے دو خاص جزو بتائے ہیں لکھتے ہیں۔

"شاعری کے دو جزو ہیں مادہ و صفت یعنی کیا کہنا چاہیئے اور کیونکر کہنا چاہیئے انسان
کے دل میں کسی چیز کے دیکھنے سننے یا کسی حالت یا واقعہ کے پیش آنے سے جوش و مسرت
عشق و محبت درد و رنج، فخر و ناز حیرت و استعجاب، طیش و غضب وغیرہ وغیرہ

---

[1] مقالات شبلی حصہ دوئم شبلی ص ۲۴-۲۵
[2] شعر العجم۔ حصہ اول شبلی ص ۱۲

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

کی جو حالت پیدا ہوتی ہے اسکو جذبات سے تعبیر کرتے ہیں ان جذبات کا ادا
کرنا شاعری کا اصلی ہیولا ہے ان کے سوائے عالم قدرت کے مناظر مثلاً گرمی سردی،
صبح وشام، بہار وخزاں، باغ وبہار، دشت وصحرا، کوہ وبیاباں کی تصویر کھینچنا یا عوامی
واقعات اور حالات بیان کرنا بھی اسی میں داخل ہے لیکن یہ شرط ہے کہ جو کچھ کہا جائے
اس انداز سے کہا جائے کہ جو اثر شاعر کے دل میں ہے وہی سننے والے پر بھی چھا جائے یہ
شاعری کا دوسرا جزو یعنی اس کی صورت ہے اور انہیں دونوں جزوں کا نام شاعری ہے"[1]

شاعری کی تاثیر اور افادیت۔

نثر کے مقابلے میں شاعری سامع یا قاری کے دل و دماغ پر زیادہ اثر انداز ہوتی ہے اس سے بڑے بڑے مضامین بہت کم الفاظ میں ادا ہو سکتے ہیں اور آسانی سے مقبول ہو سکتے ہیں شاعری کی افادیت پر شبلی کے چند اقتباس درج ذیل ہیں۔

"شریفانہ اخلاق پیدا کرنیکا شاعری سے بہتر کوئی ہنر اعلیٰ نہیں ہو سکتا علم اخلاق ایک مستقل
فن ہے اور فلسفہ کا ایک جزو اعظم ہے ہر زبان میں اس فن پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن اخلاق
تعلیم کیلئے ایک ایک شعر ایک ضخیم کتاب سے زیادہ کام دے سکتا ہے شاعری ایک موثر
چیز ہے اس لئے جو خیال اس کے ذریعے سے ادا کیا جاتا ہے دل میں اتر جاتا ہے اور جذبات
کو برانگیختہ کرتا ہے اس بنا پر اگر شاعری کے ذریعہ سے اخلاقی مضامین بیان کئے جائیں
اور شریفانہ جذبات مثلاً شجاعت، ہمت، غیرت، حمیت، آزادی کو اشعار کے ذریعہ
سے ابھارا جائے تو کوئی اور طریقہ اس کی برابری نہیں کر سکتا"[2]

---

[1] موازنہ انیس و دبیر۔ شبلی ص ۲۱۲
[2] شعر العجم۔ جلد چہارم۔ شبلی ص ۸۴

یہ امر بدیہی ہے کہ شعر ایک موثر چیز ہے لیکن یہ بحث طلب ہے کہ اس اثر کا اصلی سبب کیا ہے ارسطو نے کتاب الشعر میں اس کی جو وجہ لکھی ہے اس کا حاصل یہ ہے۔

"انسان میں نقالی اور محاکات کا فطری مادہ ہے جانوروں میں یا تو یہ مادہ مطلق نہیں ہوتا یا ہوتا ہے تو کم ہوتا ہے ... بخلاف اس کے انسان آواز سے، اشارہ سے، حرکات سے، سکنات سے اور اور مختلف طریقوں سے ہر چیز کی نقل اتار سکتا ہے"... چونکہ شعر بھی ایک قسم کی نقالی اور مصوری ہے اس لئے خواہ مخواہ اس سے طبیعت پر اثر پڑتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ موسیقی اور راگ بالطبع موثر چیز ہے اور شعر میں موسیقی کا جزو شامل ہے" [1]

"شاعری کے صیغہ (اقسام) ہیں یعنی فلسفیانہ، اخلاقی، عشقیہ، تخیلی، سب سے مفید کام لئے جاسکتے ہیں فلسفیانہ شاعری دقیق خیالات کو آسانی کے ساتھ ذہن نشین کر سکتی ہے، اخلاقی شاعری اخلاق کو سنبھالتی ہے، عشقیہ شاعری سے زندہ دلی اور تازگی روح پیدا ہوتی ہے تخیل سے طبیعت کو اہتزاز اور انبساط ہوتا ہے۔" [2]

"شاعری کو جذبات ہی سے تعلق ہے اس لئے تاثیر اس کا عنصر ہے، شاعری ہر قسم کے جذبات کو برانگیختہ کرتی ہے اس لئے رنج، خوشی، جوش، استعجاب، حیرت میں جو اثر ہے شعر میں بھی وہی اثر ہوتا ہے" [3]

---

[1] شعر العجم۔ جلد چہارم شبلی ص ۷۹
[2] " " " " ص ۸۶
[3] " " " " ص ۸۰

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

شاعری اور سائنس میں فرق۔

شاعری جذبات کے اظہار سے متعلق ہے جبکہ سائنس استدلال کو پیش کرکے کسی نظریہ کو ثابت کرتی ہے شاعری محرکات کو کام میں لاتی ہے جبکہ سائنس میں تجربہ اور ثبوت اہمیت رکھتے ہیں۔ شاعری کی بنیاد قوت تخیل ہے اور وہی اس کی بنیاد ہے جبکہ سائنس کی بنیاد ادراک کی طاقت ہے اور یہی اس کی بنیاد ہے۔ شاعری کے ذریعہ ہمارے سامنے لفظی مناظر پیش کئے جاتے ہیں اور جذبات میں شدت پیدا کرتی ہے کسی کی موت کے واقعہ کو مرثیہ کے ذریعہ اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ رقت طاری ہو جاتی ہے سائنس کا یہ مقصد نہیں ہے اس کے ذریعہ کسی چیز کی ایجاد یا قوانین قدرت کی کھوج کی جاتی ہے اور انکشافات سامنے آتے ہیں۔

شبلی کے الفاظ میں شاعری اور سائنس کا فرق اسطرح ظاہر کیا گیا ہے۔

"اسقدر سب تسلیم کرتے ہیں کہ شعر کا نمایاں وصف جذبات انسانی کا برانگیختہ کرنا ہے یعنی اسکو سن کر دل میں رنج یا خوشی، یا جوش کا اثر پیدا ہوتا ہے، یہ خصوصیت شاعری کو سائنس اور علوم وفنون سے ممتاز کر دیتی ہے شاعری کا تخاطب جذبات سے اور سائنس کا یقین سے سائنس استدلال سے کام لیتا ہے اور شاعری محرکات کو استعمال کرتی ہے سائنس عقل کے سامنے کوئی علمی مسئلہ پیش کرتا ہے لیکن شاعری احساسات کو دلکش مناظر دکھاتی ہے" [1]

---

[1] شعر العجم - جلد چہارم شبلی ص ۳

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

ڈرامہ افسانہ نگاری اور شاعری۔

تاریخ۔ڈرامہ اور افسانہ نگاری شاعری کے جزو ہو سکتے ہیں۔ شاعری کی ترقی بہت کچھ تاریخ پر منحصر ہے۔ ڈرامہ اور افسانہ نگاری میں واقعات کو بیان کیا جاتا ہے اور زندگی کی تصویر پیش کی جاتی ہے اسلئے مختلف طریقے اپنائے جاتے ہیں۔ شاعری اور افسانہ نگاری میں فرق یہ ہے کہ شاعری میں احساسات اور جذبات کی تصویر کشی ہوتی ہے یا روحانیت کے اظہار کا نام ہے۔ افسانہ نگاری میں شاعری سے بھی کام لیا جائے تو افسانہ نگاری اور ڈرامے کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے جبکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ تاریخ کے بغیر شاعری اور شاعری کے بغیر افسانہ نگاری کمال حاصل نہیں کرتی۔ تاریخ کسی واقعہ یا تجربہ کو علمی طریقے سے صحیح صحیح بیان کرنے کو کہتے ہیں اور اگر کسی واقعہ کو اسطرح بیان کیا جائے کہ اس کی تصویر سامنے آجائے اور جذبات میں بھی شدت پیدا کرے تو وہ شاعری ہے یہی تاریخ اور شاعری میں فرق ہے شبلی کے الفاظ میں تاریخ اور شاعری کا فرق ذیل کے اقتباس میں درج کیا گیا ہے۔

"تاریخ اور شعر کا فرق ایک مثال کے ذریعہ سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔ ایک شخص جنگل میں جا رہا ہے کسی گوشہ سے ایک مہیب شیر ڈکارتا ہوا نکلا اس کی پر رعب گونج بھیانک چہرہ خشمگیں آنکھوں نے اس شخص کے دل کو لرزا دیا۔ یہ شخص کسی کے سامنے شیر کا حلیہ اور شکل و صورت جن موثر لفظوں میں بیان کرے گا وہ شعر ہے۔

علم الحیوانات کا ایک عالم کسی عجائب خانہ میں جاتا ہے وہاں ایک شیر

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

کٹھرے میں بند ہے یہ عالم شیر کے ہر ایک عضو کو علمی حیثیت سے دیکھتا ہے اور علمی طریقہ سے کسی مجمع کے سامنے شیر پر لکچر دیتا ہے یہ سائنس، تاریخ یا واقعہ نگاری ہے،، [1]

شاعری اور خطابت۔

شاعری میں جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے شاعر کو دوسروں سے غرض نہیں ہوتی وہ صرف اپنی فطرت کے ماتحت کام کرتا ہے جبکہ خطیب حاضرین کے سامنے موجود ہوتا ہے اور ان کے مذاق، عقیدے اور رجحان کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے خیالات پیش کرتا ہے اور کسی مقصد کو مدنظر رکھتا ہے۔ شاعری میں جذبات اور احساسات کی تصویر کشی ہوتی ہے اور شاعر ان چیزوں کو دیکھتا اور دکھاتا ہے جنھیں عوام عام طور سے نہیں دیکھ سکتے۔ خطیب سیاست کو بھی سامنے رکھتا ہے اور عوام کے ارادے اور خواہشوں اور انکی نفسیات کو سمجھنے میں ماہر ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں شبلی نے اپنے خیالات ان الفاظ میں پیش کئے ہیں۔

"شاعری اور خطابت بالکل جدا جدا چیزیں ہیں، خطابت کا مقصود حاضرین سے خطاب کرنا ہوتا ہے، اسپیکر حاضرین کے مذاق، معتقدات، اور میلان طبع کی جستجو کرتا ہے تاکہ اس کے لحاظ سے تقریر کا ایسا پیرایہ اختیار کرے جس سے ان کے جذبات کو برانگیختہ کر سکے اور اپنے کام میں لائے بخلاف اس کے شاعر کو دوسروں سے غرض نہیں ہوتی وہ یہ نہیں جانتا کہ کوئی اس کے سامنے ہے بھی یا نہیں؟ اس کے دلمیں

---

[1] شعر العجم - جلد چہارم - شبلی ص ۴

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

جذبات پیدا ہوتے ہیں وہ بے اختیار ان جذبات کو ظاہر کرتا ہے جسطرح درد

کی حالت میں بے ساختہ آہ نکل جاتی ہے" [1]

شاعری اور مبالغہ۔

شاعری تخیل کی پیداوار ہوتی ہے شاعر اپنے تخیل سے کسی مضمون کو باندھتا ہے اور پھر مناسب الفاظ مناسب وزن جدت ادا اور سادگی وغیرہ کا لحاظ رکھتے ہوئے ایک ایسے انداز سے پیش کرتا ہے جو قاری یا سامع کے ذہن پر خوشگوار اثر ڈالتا ہے شاعر کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اپنے جذبات کے اظہار کیلئے اس نے جو الفاظ اور طریقہ اپنے کلام کو پیش کرنے کا استعمال کیا ہے وہ سننے والوں پر ایسا اثر ڈالے کہ ان کے احساسات اور جذبات میں وہی جوش اور ابھار پیدا ہو جو شاعر نے محسوس کیا۔ اس سلسلے میں بعض اوقات شاعر اپنے کلام کو موثر بنانے کی دھن میں اپنے مضمون کو اتنا بڑھا چڑھا کر اور صنائع بدائع سے زیادہ سے زیادہ کام لیکر پیش کرتا ہے جس میں وہ کچھ خلاف واقعہ اور ناممکن چیزوں کا بیان بھی کر جاتا ہے اب بعض جگہ تو یہ طریقہ مناسب اور موثر ہوتا ہے اور ذہن پر کوئی ناگوار اثر نہیں ڈالتا اور بعض جگہ شاعر کا مقصد پورا نہیں ہوتا کیونکہ اس کا کچھ حصہ ناقابل یقین اور ناممکنات کی حدود میں پہنچ جاتا ہے شبلی نے شاعری کی بحث میں اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ شاعری کا کام انسانی جذبات کو مشتعل کرنا ہے اس لئے وہ بعض حالات میں مبالغہ کو مناسب اور جائز خیال کرتے ہیں وہ حالی کیطرح اسکو شاعرانہ جھوٹ، بہتان، خوشامد، تعلی وغیرہ نہیں سمجھتے۔ یہ ضرور ہے کہ وہ مبالغے کے کچھ مفرانات سے بچنے کی ہدایت بھی کرتے ہیں لیکن ان کے خیال میں شاعری کے اثر کو مبالغہ ہر جگہ زائل نہیں کرتا چنانچہ لکھتے ہیں۔

---

[1] شعر العجم۔ جلد چہارم۔ شبلی ص ۵

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

تخئیل میں واقعہ سے غرض نہیں ہوتی بلکہ زیادہ تر یہ مطمح نظر ہوتا ہے کہ قوت تخئیل کسی قدر پرزور اور وسیع ہے اس بنا پر اس قسم کی شاعری میں مبالغہ سے کام لیا جائے تو بہ نما نہیں" [1]

قدیم شعراء کے یہاں مبالغہ کے استعمال کے بارے میں انہوں نے لکھا ہے۔

"قدما اسی جائز حد تک مبالغہ کرتے تھے" [2]

اس طرح یہ نتیجہ نکلا کہ بعض صورتوں میں ہی مبالغے کا استعمال جائز ہوگا دراصل شبلی کو اس بات کا پورا احساس ہے کہ شاعری اصلیت کا سو فیصدی اظہار نہیں ہوتا شاعری کے لئے تو اصل چیز پر کچھ رنگ و روغن چڑھانا بھی ضروری ہے تبھی کلام میں تاثیر پیدا ہوگی ایک جگہ انہوں نے شاعری کو خود بینی کہا ہے جسمیں جھوٹی چیزیں بھی استعمال میں آتی ہیں ان کا خیال ہے کہ یہ مبالغہ نہیں بلکہ خود بینی کا اثر ہے۔

عاشقانہ جذبات میں مبالغہ کافی حد تک جائز مانا ہے لکھتے ہیں۔

"عشقیہ اشعار میں مبالغے اس لئے چنداں بے نما معلوم نہیں ہوتے کہ شاعر میں گو وہ باتیں نہ ہوں لیکن عشق و محبت کے جوش میں اس قسم کے واقعات ناممکن نہیں" [3]

شاعر ایک خاص کیفیت سے دوچار ہوتا ہے اس کے جذبات اور احساسات میں بڑی گرمی اور استعجال ہوتا ہے عام لوگوں میں یہ احساس اور جذبہ دبا ہوا اور خوابیدہ ہوتا ہے شاعر اپنے جذبے کو پوری

---

[1] شعر العجم - جلد چہارم شبلی ص ۷۵
[2] و [3] " " ص ۷۷

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

طرح ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے اس طرح مبالغہ پیدا ہو جاتا ہے اور بعض جگہ شاعری کی ضرورت بن جاتا ہے اسکو جھوٹ یا افترا سمجھنا اور قابل نفرت خیال کرنا غلط ہے لیکن اس کو کچھ حدود میں رہنا بھی ضروری ہے۔

مبالغے پر شبلی کی رائے ذیل کے اقتباس سے اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔

"شاعری سے اگر صرف تفریح خاطر مقصود ہو تو مبالغہ کام آسکتا ہے لیکن وہ شاعری جو ایک طاقت ہے جو قوموں کو زیر و زبر کر سکتی ہے، جو ملک میں ہلچل ڈال سکتی ہے جس سے عرب قبائل میں آگ لگا دیتے تھے، جس سے نوحہ کے وقت در و دیوار سے آنسو نکل پڑتے تھے وہ واقعیت اور اصلیت سے خالی ہو تو کچھ کام نہیں کر سکتی، تم نے تاریخ میں پڑھا ہوگا کہ جاہلیت میں ایک شعر ایک معمولی آدمی کو تمام عرب میں روشناس کر دیتا تھا، بخلاف اس کے ایران کے شعراء نے جن ممدوحوں کی تعریف میں دفتر کے دفتر سیاہ کر دئے ان کا نام بھی کوئی نہیں جانتا۔ اسکی یہی وجہ ہے کہ شعرائے جاہلیت کے کلام میں واقعیت ہوتی تھی اسلئے انکا واقعی اثر ہوتا تھا، ایرانی شعراء باتوں کے طومار نباتے تھے جس سے دم بھر کی تفریح ہو سکتی تھی، باقی ہیچ، یہ اثر اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب شعر میں واقعیت ہو، ورنہ خالی باتوں کی سنجیدہ کاری سے کیا ہو سکتا ہے عرب کی شاعری

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

میں جو یہ اثر تھا کہ قبیلہ کے قبیلہ میں ایک شعر آگ لگا دیتا تھا اسی وقت تک تھا جبتک شاعری میں واقعیت تھی کہ جو کچھ کہتے تھے سراسر سچ ہوتا تھا جب عباسیہ کے دور میں مبالغہ شروع ہوگیا تو شاعری ایک بانگ بے اثر رہ گئی۔ شعراء دیوان کے دیوان لکھ ڈالتے تھے اور کوئی خبر نہیں ہوتا تھا یہ ضرور نہیں کہ شعر میں جو کچھ کہا جائے وہ سرتاپا واقعیت ہو بلکہ غرض یہ ہے کہ اصلیت کے اثر سے خالی نہ ہو مثلاً ایک واقعہ واقع میں نہیں ہوا لیکن شاعر کو اس کا پورا یقین ہے یہ واقعہ شعر میں ادا ہوگا تو اثر سے خالی نہ ہوگا۔" [1]

بحروں کا استعمال حسن ردیف اور قافیہ۔

شعر میں حسن اور تاثیر پیدا کرنے کیلئے بحروں کا مناسب استعمال بھی اہم ہے۔ ہر موضوع اور صنف کیلئے مناسب بحروں کا انتخاب کرنا چاہیئے شبلی نے لکھا ہے۔

"شعر کی دل آویزی اور دل فریبی کا ایک بڑا نکتہ یہ ہے کہ ہر مضمون کے مناسب بحریں اختیار کی جائیں" [2]

شبلی کے خیال کے مطابق شعریت پیدا کرنیکے لئے یہ ضروری ہے کہ جو مضمون جس بحر میں ادا کرنا مناسب ہو وہی استعمال کی جائے۔ فارسی کے بعض شعراء کی مقبولیت کا سبب بھی یہی تھا فردوسی نے

---

[1] شعر العجم - جلد چہارم - شبلی ص ۷۵ - ۷۶

[2] موازنہ انیس و دبیر - شبلی ص ۵۵ - ۵۶

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

شقیہ واقعات کے لئے جو بحر استعمال کی وہ رزمیہ مضمون کیلئے مناسب تھی۔ شبلی نے میر انیس کی توصیف جو کی ہے اس کا خاص سبب یہ بتایا ہے کہ وہ ایسی بحروں کا انتخاب کرتے ہیں جو رزم و بزم دونوں کیلئے مناسب ہوتی ہیں ان میں فقروں کی ترتیب خواہ مخواہ چست ہو جاتی ہے۔ انیس کے اشعار کی بحریں اور مناسب اوزان الفاظ خوشنوائی پیدا کرتے ہیں جو کسی اور طرح سے ممکن نہ تھا۔ شبلی کے خیال میں لفظوں کی تکرار سے ہی موسیقیت پیدا ہوتی ہے اور اشعار کانوں کو بھلے معلوم ہوتے ہیں فارسی اور اردو میں حسن قافیہ و ردیف بھی تاثیر کلام کا ایک بڑا سبب مانے جاتے ہیں یہ شعریت اور نغمگی پیدا کرتے ہیں۔ غزل۔ قصیدہ۔ مرثیہ۔ مثنوی وغیرہ میں قافیہ کا موزوں انتخاب ضروری ہے ردیف سے بھی حسن کلام میں اضافہ ہوتا ہے شبلی نے ردیف کی حیثیت وہی بتائی ہے جو تال اور سُر کی موسیقی میں ہوتی ہے۔ ردیف سے شعر میں چمک آ جاتی ہے اور موسیقی کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے شبلی نے لکھا ہے :-

"فارسی اور اردو میں تو ردیف۔ تال سُر کا کام دیتی ہے جس طرح راگ میں تال نہ ہو تو بدمزہ ہے یہی حالت اردو شعر کی ہے۔ البتہ ردیف کے التزام کیلئے بہت بڑا قادرالکلام ہونا ضروری ہے ورنہ ردیف کے التزام کے ساتھ آمد اور بے ساختگی قائم نہیں رہتی لیکن اگر یہ خوبی ہاتھ سے نہ جانے پائے تو ردیف سے شعر چمک جاتا ہے

ان دونوں شعروں پر غور کرو۔

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

ساقیا عید ہے، لا بادے سے مینا بھر کے ۔ کر مے آشام پیاسے ہیں مہینا بھر کے

چاہنا خلق کو صہبا و صنم سے محروم ۔ ایسی نیت پہ بہشت آپکو واعظ معلوم

دونوں شعر اپنی اپنی جگہ حیثیت سے لاجواب ہیں لیکن پہلے شعر کو ردیف نے

کسقدر چمکا دیا ہے بعض جگہ ردیف کی تکرار نہایت لطف پیدا کر دیتی ہے" [1]

شبلی کی عملی تنقید۔

تنقید کے اہم بنیادی اصول پیش کرنے کے بعد شبلی نے عملی تنقید کے میدان میں قدم رکھا۔ بڑے بڑے استاد شعراء کے کلام کا جائزہ لیا اور اپنے خاص اصولوں کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کی خصوصیات اور کلام کا درجہ متعین کیا۔ جذبات۔ محاکات۔ تخیل الفاظ کی مینا کاری شاعرانہ مصوری۔ جدت ادا۔ طرز ادا وغیرہ کی خوبیاں شعراء کے کلام میں تلاش کیں اور ایک خاص تنقیدی معیار کے مطابق شعراء پر تبصرے کئے۔

فارسی شاعری کی ابتدا۔

مولانا شبلی ڈاکٹر براؤن کے اس خیال کو صحیح نہیں مانتے۔ کہ فارسی کا پہلا شاعر بارید ہے ان کا خیال ہے کہ بارید نے راگ لکھے تھے نہ کہ شعر۔ مولانا آزاد فارسی کا پہلا شاعر بہرام گور کو مانتے ہیں لیکن اس بات کو بھی صحیح نہیں مانا جا سکتا۔ دراصل فارسی شاعری کا آغاز عباس مروزی نے خلیفہ مامون کی مدح میں قصیدہ لکھ کر کیا اور کافی انعام حاصل کیا۔ بعد میں حنظلہ، محمود وراق، فیروز مشرقی وغیرہ بہت سے شاعر پیدا ہوئے۔ بہرحال ہم یہ تسلیم کر سکتے ہیں کہ فارسی شاعری

---

[1] موازنہ انیس و دبیر۔ شبلی ص ۴۸

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

مداحی اور قصیدہ گوئی سے شروع ہوئی جبکہ عربی شاعری رجز سے شروع ہوئی فارسی کا شاعر کتابوں کے ذریعہ علم حاصل کرتا تھا لیکن عربی شاعر صرف قدرت سے شاعری سیکھتا تھا۔

فارسی شاعری کی امتیازی خصوصیات۔

۱۔ فارسی شاعری میں تاریخی نظمیں بہت ہیں اور عربی میں نہ ہونے کے برابر۔ عربی میں مثنوی کا وجود نہیں ہے جو تاریخی نظموں کیلئے ضروری ہے۔

۲۔ عاشقانہ خیالات میں فارسی زبان عربی سے بہت آگے ہے بلکہ ہر زبان سے بڑھی ہوئی ہے۔

۳۔ فلسفہ۔ اخلاق۔ تصوف کی شاعری کا فارسی میں جواب نہیں۔

۴۔ زاہدوں اور ریاکار عبادت گزاروں کے عیب فارسی میں زیادہ ظاہر کئے گئے ہیں۔

۵۔ وسیع خیالات کو کم سے کم الفاظ میں ظاہر کرنا فارسی کی امتیازی خصوصیت ہے۔

۶۔ ایران کے طرز معاشرت۔ نزاکت کیوجہ سے فارسی شاعری بھی متاثر ہوئی ہے۔ اور اس میں بھی لطافت و نزاکت آگئی ہے یہ لفظی اور خیالی لطافت کمال تک پہنچ گئی ہے۔ فارسی مرکبات وسیع خیال ادا کرنے کیلئے ممد و معاون ہوتے ہیں۔

۷۔ تخیل میں جدت اور محبوبیت فارسی زبان کی امتیازی خوبی ہے۔

عربی شاعری کی خصوصیات جن سے فارسی شاعری خالی ہے۔

۱۔ عربی شاعری میں بہادری۔ مہمان نوازی۔ ہمت و جرأت اور آزادی کے موضوع بکثرت ملتے ہیں جبکہ فارسی میں یہ موضوع بہت کم ملتے ہیں۔

۲۔ عربی شاعری سے عرب کی تہذیب و تمدن رہن سہن اور خانگی حالات سے واقفیت ہوتی ہے یہ بات فارسی شاعری میں نہیں ملتی۔

www.urduchannel.in

۳ - عربی شاعری میں فخر یہ واقعات اور آزادی کے جذبات بیان کئے جاتے ہیں۔ فارسی شاعر صرف اپنی شاعری کی تعریف کرتا ہے۔

۴ - عربی شاعری میں محبوب عورت ہے اور فارسی میں مرد۔

۵ - مرثیہ گوئی میں عربی شاعری فارسی شاعری سے بہت اعلیٰ درجہ کی ملتی ہے۔

عربی شاعری کے فارسی شاعری پر اثرات

فارسی شعراء نے یہ تسلیم کیا ہے کہ انہوں نے عربی شعراء سے اپنا فن سیکھا چنانچہ وہی ان کے استاد ہیں۔ انوری کے بقول ؎

شاعری دانی کدامی قوم کردند آنکہ بود ـــ اول شاں امرالقیس و آخر شاں بوفراست۔

فارسی شاعری میں عربی اثرات کو پانا کوئی مشکل بات نہیں اکثر ایسے واقعات کیطرف اشارہ کیا گیا ہے جن کے کردار عربی ہیں مثلاً لیلیٰ کو فارسی شاعری میں منتخب کیا گیا اس حد تک کہ محبوب اور لیلےٰ مترادف ہوگئے ہیں۔ بنی اسرائیل کے قصے۔ ایرانی شاعری کا بڑا سرمایہ بن گئے۔ طوفان نوح۔ حضرت ابراہیمؑ کی قربانی۔ حرم کعبہ کی تعمیر۔ صبر ایوب۔ حاتم کی سخاوت۔ یہ سب عربی تلمیحیں نہ فارسی شاعری میں بھی ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔

عرب اور فارس میں مذہب ایک مشترک چیز تھی اسلام کا ظہور عرب سے ہوا۔ یہ بھی ایک وجہ ہے فارس پر عرب تہذیب و تمدن کے اثرات کی۔ چنانچہ مذہبی اعتقاد اور خیالات کے متعلق جو الفاظ فارسی میں مستعمل ہیں وہ زیادہ تر عربی سے ماخوذ ہیں مثلاً شراب طہور۔ حور غلمان۔ نامہ اعمال۔ صبح محشر روح القدس وغیرہ

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

فارسی صنائع بدائع زیادہ تر عربی شاعری سے لئے گئے ہیں حالانکہ تشبیہات میں یہ اثر کم ملیگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایران کا شاعر بڑا رنگین مزاج اور شوخ ہوتا ہے وہ ایسی ایسی تشبیہات لاسکتا ہے جو عرب شعراء کے بس کی بات نہیں۔ پھر بھی کہیں نہ کہیں پرانے شعراء کے کلام میں عربی تشبیہیں بھی نظر آجاتی ہیں مثلاً زلف کو صلیب سے تشبیہ دینا قدیم فارسی قصیدہ گو شعراء نے بھی عربی رنگ اختیار کیا۔ لیکن بعد میں اسکو ترک کر دیا۔ فارسی شاعری میں بعض جگہ عربی شاعری سے خیالات اور مضامین بھی لئے گئے ہیں یہاں تک کہ بعض فارسی اشعار عربی اشعار کا ترجمہ لگتے ہیں۔ فارسی شعراء عرب کے شاگرد تھے مگر انہوں نے اپنے فن میں بہت ترقی کی اور اس حد تک کہ عرب کو بھی فارس سے استفادہ کرنا پڑا اور عربی شعراء نے فارسی محاورے کہاوتیں، جملے اور نادر مضامین کا ترجمہ کرنا شروع کر دیا۔

عربی فارسی شاعری کی بحث میں ایک اہم بات یہ ہے کہ فارسی شاعری نے عرب کی اصلی شاعری کی تقلید نہیں کی کیونکہ عربی شاعری اسلام سے بہت پہلے شروع ہو چکی تھی اور بنو امیہ کے زمانے تک اس کا دور رہا اس کے بعد عربی حکومت کا مرکز بغداد میں منتقل ہو گیا یہاں عجم سے میل جول بڑھتا گیا اور عرب کا تمدن بہت کچھ تبدیل ہو گیا اور پھر ان کی شاعری نے بھی ایک نیا انداز اپنا لیا اس طرح فارسی شاعری نے عرب کی تقلید تو کی لیکن اصل میں وہ اپنی ہی تقلید تھی۔ لہٰذا فارسی شاعری ان تمام اوصاف سے محروم ہو گئی جو عرب کی اصلی شاعری میں پائے جاتے تھے۔ عربی شاعری میں مساوات۔ آزادی۔ ہمت و حوصلہ۔ بہادری۔ جنگ آزمائی۔ مہمان نوازی، وفاداری کے مضامین اس کے خاص عنصر تھے۔ لیکن فارسی شاعری میں یہ مضامین نہیں ملتے۔ اور اگر ملتے بھی ہیں تو ذاتی واقعات نہیں ہوتے بلکہ دوسروں کے واقعات ہوتے ہیں عرب کیطرح ایرانی شاعری میں بھی فخر و ناز

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

کے مضمون ملتے ہیں لیکن وہ امتیاز علمی پر محدود ہیں۔ اس کے خلاف عربی شاعر ایک فاتح ایک سپہ سالار ایک حوصلہ مند سپاہی کی حیثیت سے فخریہ اشعار کہتا ہے۔ لیکن وہی کہتا ہے جو کر چکا ہے۔

فارسی شعراء اور انکی خصوصیاتِ کلام۔

سعدی کی شاعری تصوف کے مضمون پر ہے وہ قدرتی شاعر تھے زبان خداداد تھی سادگی اور انداز بیان نے اور اضافہ کر دیا۔ سیر و سیاحت میں عمر بسر کی۔ ان کو پیغمبر غزل مانا گیا ہے۔

خواجہ حافظ کا پورا نام خواجہ شمس الدین تھا۔ صاحب باطن تھے آپ کے کلام میں حسن بیان۔ لطافت اور شستگی اس درجہ موجود ہے کہ فارسی غزل میں کہیں اور ملنا مشکل ہے آپ نے ترک دنیا۔ صبر و رضا کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اگرچہ یہ مضامین ایک زمانے سے پامال ہوتے چلے آرہے ہیں لیکن حافظ نے ان مضامین کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ کوئی ان کی برابری نہ کر سکا۔ وہ خشک فلسفہ کو غزل میں رنگین اور لطیف بنا دیتے ہیں۔ حافظ سے پہلے غزل صرف عاشقانہ خیالات تک محدود تھی آپ نے اس میں اخلاق، فلسفہ۔ تصوف۔ وغیرہ کثرت سے شامل کر دئے ہیں کہ کہیں پر بھی فصاحت و بلاغت اور شیرینی میں فرق نہیں آنے دیا۔

قومی۔ ملکی۔ تہذیبی مسائل کے متعلق جہاں بھی آپ نے اظہار خیال کیا ہے وہاں غزل کی لطافت میں فرق نہیں آیا ہے۔ مذہبی منافرت اور اس کے نتائج اخلاقی پستی اعلیٰ انسانی صفات کے متعلق بڑے موثر بیان آپ کی غزلوں میں ملتے ہیں آپ نے غزل میں ہر موضوع کو شامل کر کے اسے مجموعہ شاعری بنا دیا آپ نے ہر مضمون پر اسقدر خیالات کا اظہار کیا ہے کہ بڑے بڑے مضمون لکھے جا سکتے ہیں۔

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

فغانی۔ غزل کے تیسرے دور کے شاعر ہیں۔ متاخرین نے انہیں کا رنگ اختیار کیا ہے مثلاً۔ عرفی نیشاپوری، نظیری، وغیرہ سب انہیں کے رستے پر چلتے ہیں۔ شبلی نے فغانی کے بارے میں لکھا ہے کہ

فغانی نے سادگی چھوڑ کر بات کو پیچ دیکر کہنا شروع کیا اور ان کے مقلدوں نے اس طرز کو انتہائی درجہ پر پہنچا دیا۔ فغانی نے تشبیہات و استعارات کے استعمال میں جدت پیدا کی ہے'

مثلاً ؎ آں نکہ ایں نامہ سربستہ نوشتست نخست
گرہے سخت بسر رشتہ مضمون زد و ست۔

فغانی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ کم سے کم الفاظ میں مضمون کو ادا کرنا فغانی کے سلسلے میں آہستہ آہستہ خیال بندی مضمون آفرینی اور دقت پسندی پیدا ہوئی۔ عرفی۔ ظہوری۔ جلال اسیر طالب عاملی اور حکیم وغیرہ نے اسکو ترقی دیکر حد درجہ پر پہنچا دیا۔ اور پھر دہی طرز مقبول ہوگیا مگر اس طرز میں جب بے اعتدالی پیدا ہوگئی تو یہ شاندار سلسلہ ختم ہوگیا۔ کیونکہ غزل کا اصلی جوہر یعنی جذبات فنا ہوگئے اور زبان کی لطافت اور شیرینی جاتی رہی۔

فارسی میں اخلاقی شاعری۔

ابتداہی سے شعراء نے اخلاق کے مضامین انسانی کردار کیلئے نصیحت کو کلام میں شامل کیا۔ بدایعی بلخی جو محمود غزنوی کے عہد میں تھا اس نے پند نامہ کتاب جو فارسی ادب کی یادگار ہے اس کتاب کو نظم کا جامہ پہنایا۔ اسمیں مسائل اخلاق پیش کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد تصوف کی وجہ سے بھی اخلاقی شاعری ترقی کرتی رہی۔ بہت سے شعراء صوفی بھی تھے انہوں نے اخلاقی نصیحت پر مبنی مثنویاں لکھیں۔

چند مشہور مثنویوں کے نام یہ ہیں ۔

مطلع الانوار (امیر خسرو) نقش بدیع (غزالی مشہدی) مخزن اسرار (نظامی) ۔

تحفت الامرار (جامی) دیدہ بیدار (ثنائی اصفہانی)۔

فارسی میں آزادی کی تعلیم ۔ ۔ اس زمانے میں بادشاہوں کا دور تھا جو ظالم و جابر تھے اور انکی زبان ہی قانون کا درجہ رکھتی تھی ۔ اس زمانے میں انسان کے سچے جذبات دبے رہتے تھے ۔ ایرانی شعرا کا ہمیں شکریہ ادا کرنا چاہیئے کہ انہوں نے بادشاہوں کے ظلم اور بے انصافی کو کم کرنیکے لئے شاعری کے ذریعہ کوشش کی اور کامیاب بھی ہوئے ۔ سعدی بادشاہ کو مخاطب کرکے کہتے ہیں ؎

رعیت چو بیخ است و سلطان درخت ۔ درخت اے پسر باشد از بیخ سخت

اس زمانے کے مطابق فارسی شاعری میں یہ کوشش کی گئی کہ یہ ثابت کیا جائے کہ بادشاہ کا فرض رعایا کو آرام پہنچانا ہے ۔ سرکاری خزانہ بادشاہ کے عیش و عشرت کیلئے نہیں ہے بادشاہوں کے سامنے سچائی اور انصاف کی مثالیں پیش کی جائیں ۔ حکومت اور سلطنت کی بے ثباتی کو بیان کیا جائے فارسی شعرا اس مقصد میں کامیاب ہوئے ۔ سعدی کہتے ہیں ۔

شنیدم کہ در وقت نزع رواں ۔ بہ ہرمز چنیں گفت نوشیرواں

کہ خاطر نگہدار درویش باش ۔ نہ در بند آسائش خویش باش

فارسی شاعری میں فلسفے کا وجود ۔

ہر ملک کی زبان کی شاعری میں فلسفہ کا وجود ملتا ہے لیکن فارسی میں یہ سرمایہ سب سے زیادہ

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

موجود ہے اجمل طبیعیات۔ فلکیات۔ اور الٰہیات وغیرہ کا نام فلسفہ ہے لیکن شاعری میں وہ سب چیزیں فلسفے میں داخل ہیں جو کچھ عالم میں موجود ہے اور روزمرہ کی باتیں بھی اس میں شامل ہیں۔ لیکن فلسفے کے خشک اور انتہائی مشکل مسائل شاعری کے حدود سے باہر ہیں صرف وہی مسائل اسمیں شامل ہیں جو شاعرانہ انداز میں ادا کئے جا سکیں فارسی شاعری میں فلسفہ تصوف۔ الٰہیات۔ نبوت باری تعالیٰ کے مسائل اور اخلاق کے مضامین کی شکل میں ملتا ہے۔ صوفی شعراء نے فلسفے کے مسائل شاعری میں ادا کئے۔ امام غزالی۔ مولانا سعدی اور سنائی کے ذریعہ فلسفہ شاعری میں داخل ہوا۔ ناصر خسرو نے سب سے پہلے فلسفہ کو شاعری میں داخل کیا اور پھر دوسرے صوفی شعراء نے اسکو آگے بڑھایا۔ نظامی نے فلسفیانہ شاعری کو ترقی دی۔ سکندر نامہ بحری میں اس نے یونان کے علمی مباحثے بڑی تفصیل سے تحریر کئے ہیں اور شاعرانہ طرز ادا کو قائم رکھا ہے فلسفے کی اصطلاحات جو عربی زبان میں استعمال ہوتی تھیں فارسی میں بھی شامل ہوگئیں۔ فارسی شاعری میں نظامی کے بعد فلسفے کی کثرت ہوگئی مگر تاتاریوں کے حملے کے بعد یہ رفتار رک گئی۔ صفویہ حکومت کے دور میں فلسفے کی بہت ترقی ہوئی شعراء نے یہی رنگ اختیار کیا۔ عرفی۔ ظہوری۔ اسیر وغیرہ کے کلام میں فلسفہ نمایاں طور سے موجود ہے فلسفیانہ الفاظ مثلاً۔ جوہر فعال۔ جوہر فرد اور ہیولا وغیرہ کثرت سے فارسی میں استعمال ہوئے۔ سچی دوستی۔ مذہبی جھگڑے۔ دنیاوی طمع۔ خود غرضی۔ فقیر اور غنی اسطرح کے مضامین کثرت فارسی میں پائے جاتے ہیں۔

فارسی قصیدے کا زوال۔ تاتاریوں کے حملوں نے ایران کا سارا دفتر منتشر کر دیا تھا۔ بادشاہ جن کیلئے قصیدے لکھے جاتے تھے ختم ہو گئے۔

قصیدہ گو کہاں سے آتے یہی وجہ ہے کہ دور متوسط میں سلمیٰ ساوجی کے سوا کوئی مشہور قصیدہ گو شاعر نہیں ملتا۔ ظاہر ہے اگر تاتاری حملے نہ ہوتے تو قصیدے کا فن بہت ترقی کرتا۔ حالانکہ اس زمانے میں ہلاکو کا پوتا اسلام میں شامل ہو گیا تھا اور اس خاندان میں حکومت بھی رہی لیکن دربار میں وہ ماحول نہ رہا جو ایرانی بادشاہوں کے زمانے میں تھا دربار میں شاعروں اور علم و فن کی طرف توجہ نہ تھی بلکہ جنگی ماحول غالب تھا۔

تین سو سال کے بعد پھر ہوا کا رخ بدلا اور شاہی دربار ایک نئے انداز سے سجایا گیا شاعری کی قدر و قیمت کو سمجھا گیا اور شعراء کی ہمت افزائی کی گئی قصیدہ گوئی اپنے انتہائی عروج پر پہنچی۔ قصیدہ گو شعراء مثلاً سنائی محتشم کاشانی۔ سنجر کاشانی اور عرفی وغیرہ نے قصیدے کے فن کو کمال پر پہنچایا۔

کیا قصیدہ گوئی بے مقصد اور بے کار چیز تھی اور اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا؟ اس فن پر جو کوشش اور محنت کی گئی وہ بیکار نہیں اس سے شاعری کی ترقی میں بہت مدد ملی قصیدے کی ایک خاص زبان بن گئی الفاظ کی بندش و چستی الفاظ کا زور شاندار خیالات پیدا ہو گئے قصیدہ گو شعراء مدح کرنے سے تھک گئے تو اسی شاعری کی دوسری اصناف کی ابتدا ہوئی بعض شعراء نے عالمانہ مضامین اور پند و نصائح بھی قصیدے کی زبان میں پیش کئے مثلاً سنائی۔ سعدی۔ جامی وغیرہ کا کلام اس کا شاہد ہے۔ ؎

خوش است عمر دریغا کہ جاوداں نیست — پس اعتماد بریں پنج روز فانی نیست

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

فارسی غزل کے محاسن و محاسن۔

فارسی غزل میں ہر شعر الگ ہوتا ہے جس میں کوئی مفرد خیال بیان کیا جاتا ہے عربی اور یورپین زبانوں کی غزلیات میں کسی معاملے یا واردات کا مسلسل بیان ہوتا ہے فارسی غزل میں محبوب کا جو خاکہ بیان کیا جاتا ہے وہ عام طور پر مبتذل اور بازاری ہوتا ہے اور بناوٹی محبت کا اظہار کیا جاتا ہے عرب میں محبوب عصمت کا پتلا اور صفات حسنہ کا حامل ہوتا ہے۔ عرب لوگ باعفت محبوب کے طالب ہوتے ہیں محبوب کے محافظ کو رقیب کہتے ہیں عرب کی غزل میں سچے جذبات ہونیکی وجہ ان کے محبوب کی عفت و عصمت ہے یہ بات فارسی غزل کو حاصل نہیں ہے فارسی اشعار میں واقعیت بہت کم ہوتی ہے مبالغہ زیادہ ہوتا ہے اس وجہ سے وہ دل پر پورا اثر نہیں کرتے عرب کا شاعر مبالغے کو مناسب نہیں سمجھتا اور اس کا بیان اتنا ہی ہوتا ہے جتنا کہ واقعہ ہو اور اسی لئے اشعار میں اثر ہوتا ہے۔

ایرانی محبوب حسن و صورت کے لحاظ سے تو بے نظیر ہوتے ہیں مگر سیرت کے لحاظ سے عیوب کا مجموعہ مگر عرب میں محبوب صورت میں بے مثل ہے اور سیرت میں بھی لاجواب ہوتا ہے ایرانی شاعر محبوب کو عیوب کا مجموعہ کیوں کہتا ہے محبوب اپنی کسی مجبوری کیوجہ سے عاشق کے ساتھ ہر وقت بندھا نہیں رہ سکتا اور عاشق اپنے احساسات کی شدت کی وجہ سے اسکو بے وفائی عہد شکنی اور بے رحمی کے الزامات لگا دیتا ہے فارسی شاعری میں ان اوصاف کو محبوب کے حقیقی اوصاف قرار دیدیا ہے۔

فارسی غزل میں مبالغہ کی کثرت ہے مگر صوفیاء کے کلام میں جوش اور حقیقت پائی جاتی ہے

عشقیہ شاعری میں ایسے مضامین مکمل طور پر پائے جاتے ہیں جو اس کے لئے ضروری ہیں۔ ایران میں عشقیہ شاعری کی نسبتاً زیادہ ترقی ہوئی اسکی وجہ شبلی نے یہ بیان کی ہے۔

"جہاں انسان ہے عشق بھی ہے اور چونکہ کوئی قوم شاعری سے خالی نہیں اسلئے کوئی قوم عشقیہ شاعری سے بھی خالی نہیں ہو سکتی، لیکن ایران اس خصوصیت میں اور تمام ملکوں سے بڑھا ہوا ہے یہاں مدت دراز کے تمدن نے انسانی جذبات کو نہایت لطیف اور زود اشتعال بنا دیا تھا اسلئے ذرا سی تحریک سے ہر شعلہ بھڑک اٹھتا تھا اور دل و دماغ کو آتش فشاں بنا دیا تھا یہی وجہ ہے کہ ایران میں جسقدر عشقیہ شاعری کو ترقی ہوئی اور اصناف سخن کو نہیں ہوئی" لہ

فارسی شاعری کا ایک بڑا حصہ تصوف کے مضامین پر مشتمل ہے اس کے بارے میں شبلی لکھتے ہیں۔

"فارسی شاعری اسوقت تک قالب بیجان تھی جبتک اسمیں تصوف کا عنصر مسلسل نہیں ہوا شاعری میں اصل جذبات کا نام اظہار ہے تصوف سے پہلے جذبات کا سرے سے وجود ہی نہ تھا، قصیدہ، مداحی، اور خوشامد کا نام تھا، مثنوی واقعہ نگاری تھی غزل زبانی باتیں تھیں ۔ ۔ ۔ ۔ عشق حقیقی کی بدولت مجازی کی بھی قدر ہوئی اور اس آگ نے تمام سینہ و دل گرما دئے اب زبان سے جو کچھ نکلتا تھا گرمی سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ ارباب دل ایک طرف اہل ہوس کی باتوں میں بھی تاثیر آگئی" کہ

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

فردوسی کی شاعری پر حسب ذیل تبصرہ کرتے ہیں۔

"فردوسی کے کلام کا جو اصلی جوہر ہے یہی ہے کہ جس واقعہ کو بیان کرتا ہے اسکی تصویر کھینچ دیتا ہے" [1]

فرخی کے کلام کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"جب کسی چیز کی تعریف یا کسی واقعہ کی حالت اور کیفیت بیان کرتا ہے تو اس کا اصلی سماں آنکھوں کے سامنے کھینچ دیتا ہے" [2]

ظہیری کی شاعری پر یہ تبصرہ کیا ہے۔

"وہ اکثر وجدانی باتوں کو ایسے طریقے سے ادا کرتا ہے کہ مجسم بن کر سامنے آجاتی ہیں اور اس سے عجیب خاص لطف پیدا ہوتا ہے" [3]

نظامی کی قوت تخیل جدت اور اختراع کی تعریف وتوصیف ان الفاظ میں کی ہے۔

"شاعری کے تمام نازک اور مشکل مقامات میں ان کی جدت اور اختراع کی عجیب وغریب صناعیاں نظر آتی ہیں قصہ کے خاکے کھینچنے میں، ترتیب واقعات میں، تمہید میں، واقعہ نگاری میں، بندش مضامین میں، تشبیہات میں، استعارات میں، مبالغوں میں ہر جگہ نیا انداز نظر آتا ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ انکی قوت تخیل (امیجنیشن) کس قدر قوی اور زبردست ہے" [4]

---

[1] شعر العجم، جلد اول۔ شبلی ص ۱۲۴
[2] " " " ۱۷
[3] شعر العجم۔ جلد سوئم۔ شبلی ص ۱۳۲
[4] شعر العجم۔ جلد اول۔ شبلی ص ۲۷۳

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

شیخ سعدی کی قوت تخیل کا بیان کرتے ہیں۔

"شیخ (سعدی) کی انتہائے قوت تخیل کا اندازہ ان فرضی حکایتوں سے ہو سکتا ہے جو محض اس کی قوت تخیل کا نتیجہ ہوتی ہیں اور جنکو وہ واقعیت اور حسن استدلال کا مجموعہ بنا دیتا ہے" [1]

شبلی نے ظہیر فاریابی کے حسن کلام میں لفظی مینا کاری کا بیان کیا ہے۔

"ترکیب اور بندش میں جسقدر بلندی اور زور پیدا کیا ہے چنانچہ اس وصف میں کمال اسماعیل اور سلمان ساوجی بھی اس سے آگے نہ بڑھ سکے" [2]

میر انیس کا کمال فن شبلی کو از حد متاثر کرتا ہے مثلاً وہ لکھتے ہیں۔

"باپ بیٹے کی محبت، بھائی بھائی کی محبت، یار آشنا کی محبت، آقا و غلام کی محبت وغیرہ وغیرہ انیس کے مرثیوں میں نہایت کثرت سے ان جذبات اور ان کے مختلف مدارج کا ذکر ہے۔ لیکن جس جگہ جس چیز کو لیا ہے اس کمال کے ساتھ اسکی تصویر کھینچی ہے کہ اسکا پورا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے" [3]

---

[1] شعر العجم - جلد دوئم شبلی - ص ۷۷
[2] ،، - جلد پنجم شبلی - ص ۵
[3] موازنہ انیس و دبیر شبلی - ص ۱۱۰

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

انیس کے وہاں مناظر کی عکاسی ۔ جنگ ۔ صبح ۔ شام ۔ دھوپ کی شدت ۔ رخصت ۔ شہادت اسطرح پیش کئے ہیں گویا ہمارے سامنے وہ واقعات اصلیت میں گذر رہے ہیں ۔ الفاظ کا جادو بھی اعلیٰ درجے کا ہے ۔ شبلی نے ان سب خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے محاکات اور تصویر کشی مرثیہ نگاری میں بڑے معاون ہوتے ہیں ۔ مرثیہ نگار ایک ڈرامے کیطرح واقعات پیش کرتا ہے اس کیلئے خاص طور سے وہ الفاظ سے ہی کام لیتا ہے وہ اپنے الفاظ سے ہمارے سامنے ایک منظر پیش کر دیتا ہے جس میں کردار چلتے پھرتے نظر آتے ہیں شبلی نے جگہ جگہ میر انیس کے کمال شاعری تناسب الفاظ اور فصاحت و بلاغت کو تسلیم کرتے ہوئے ان کا ایک اعلیٰ مقام متعین کیا ہے دبیر کے مقابلے میں ان کی برتری ثابت کی ہے ۔

فارسی مثنوی اور اس کی اقسام ۔

مثنوی شاعری کی ایک مفید اور ہمہ گیر صنف ہے ۔ اسکی خوبی یہ ہے کہ شاعری کے سب انواع اس میں ادا کئے جا سکتے ہیں مثلاً جذبات انسانی تخیل ۔ اخلاق مناظر قدرت واقعہ نگاری ۔ فلسفہ ۔ تصوف رزمیہ ۔ تاریخ وغیرہ ۔ اس کا ہر شعر الگ ہوتا ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ پوری نظم ایک ہی قافیہ میں ادا کیجائے اس میں اشعار کی تعداد حسب منشا بڑھائی جا سکتی ہے ۔ ہر قسم کے مضامین ادا کر سکتے ہیں ۔

مثنوی کی ابتدا ایران میں کیسے ہوئی ؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو ایرانی شعراء نے اسے ایجاد کیا یا پھر عرب کے رجز کی تقلید کی ۔ دراصل عرب میں مثنوی مستقل طور پر نہیں تھی اس بحث میں رودکی کو مثنوی کا

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

موجد مانا گیا ہے۔ اس کے بعد بکثرت فارسی مثنویاں لکھی گئیں مثلاً فردوسی کا شاہنامہ۔ سکندر نامہ۔
فارسی مثنوی کے اقسام اس طرح بیان کئے جا سکتے ہیں ۱) عشقیہ مثلاً شیریں خسرو ۲) رزمیہ اور تاریخ
مثلاً شاہنامہ سکندر نامہ گشتاسپ نامہ ۳) اخلاقی۔ مثلاً بوستان حدیقہ سنائی۔ ۴)
داستان و افسانہ۔ مثلاً ہفت پیکر ہشت بہشت ۵) تصوف و فلسفہ مثلاً مثنوی مولانا روم و جام جم
احدی۔

مثنوی کا اعلیٰ معیار۔

مثنوی کا کمال یہ ہے کہ واقعات کو بہترین طریقے سے ترتیب دیا جائے اسمیں جو شخصیتیں اور کردار ہوتے ہیں
ان کی خصوصیات کو پوری طرح قائم رکھنا چاہیے۔ عورت۔ مرد۔ بچہ۔ جوان۔ امیر۔ غریب سبکو ان کی خصوصیت
میں دکھایا جائے اور جہاں جہاں کسی کردار کا ذکر آئے اس کی خصوصیت بدلنے نہ پائے۔
شاعری ایک قسم کی مصوری ہے جسمیں واقعہ نگاری میں اصلی اور صحیح تصویر پیش نہیں کی جائیگی وہ ذہن پر نہیں اسکتی۔

شاہنامے کی تاریخی حیثیت ۔ فردوسی کی مشہور مثنوی شاہنامہ دراصل ایران
کی ایک انسائکلو پیڈیا ہے جسمیں ایران کے بارے میں زندگی کے ہر پہلو کی معلومات تفصیل سے مل سکتی ہے
اس میں جو واقعات بیان کئے ہیں وہ قدیم ایرانی تاریخوں کے مطابق ہیں فردوسی اپنی ذمہ داری کا بڑا لحاظ رکھتا ہے
جب کوئی واقعہ بیان کرتا ہے تو اپنا ماخذ بھی بیان کرنا ضروری سمجھتا ہے شاہنامے میں ایران کے تہذیب و تمدن
کی پوری تفصیل پائی جاتی ہے مذہب۔ فلسفہ۔ اخلاق۔ نظام حکومت وغیرہ سب کچھ بیان کر دیا ہے۔ مثلاً ایرانی
تمدن کے سلسلے میں شاہی دربار کا بیان بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ بادشاہ نہایت شاندار تخت پر بیٹھتا تھا۔

www.urduchannel.in

ایک شخص مقرر ہوتا تھا جو لوگوں کو بادشاہ کے سامنے پیش کرتا تھا۔ امرا تخت شاہی کو بوسہ دیتے تھے اور سجدے میں پڑے رہتے تھے فوجی سردار دربار میں بلائے جاتے تھے اور انعامات کی ترغیب دیکر جنگ کے میدان میں بھیجے جاتے تھے۔ انعام کے مختلف طریقے تھے مثلاً لال و یاقوت سے منہ بھر جاتے تھے کبھی روپیوں کا انبار لگوائے تھے۔ خون کے انتقام کیلئے عہد کئے جاتے تھے۔ مثلاً رستم نے سیاوش کے قتل ہونے پر عہد کیا تھا کہ جنتک انتقام نہ لیں گے ہتھیار نہ اتاریں گے اور منہ پر پانی نہ ڈالیں گے رستم نے سیاوش کے انتقام میں قتل عام کا حکم دیا تھا۔ شاہنامے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ فارس میں مذہبی آزادی نہ تھی۔ دشمن کا خون پینے کے واقعات کا بھی ذکر کیا ہے عورتوں کو موسیقی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مردے کو دفن کرنے کے رواج میں یہ بھی شامل تھا کہ لاش میں مشک اور کافور بھرتے تھے۔ تابوت میں گلاب کے شیشے اور زعفران رکھتے تھے۔ آگ کی پرستش کرتے تھے اور سفید کپڑے پہنتے تھے۔ مرد بھی زیورات پہنتے تھے۔

شاہنامے میں ہر داستان ناول اور افسانے کی طرح ہے اور اس میں ادبی علمی۔ تہذیبی۔ تمدنی معلومات بھی حاصل ہوتی ہے۔ معمولی واقعات کے بیان میں ایران کی معاشرت۔ تعلیم۔ جنگ کے طریقے۔ سیاست۔ عشقیہ جذبات پدرانہ محبت۔ فرزندانہ ناز وغیرہ کا مفصل بیان کیا گیا ہے۔ مذہب کے سلسلے میں فردوسی کا نظریہ یہ ہے کہ مذہب اور سلطنت ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتے۔ تمام مذاہب حق ہیں۔ مذہبی تعصب اور مذہب کے نام پر ظلم و زیادتی مذہب میں شامل نہیں ہیں۔ خدا کی تعریف اور اس کے اوصاف کسی کی عقل میں نہیں آسکتے۔ ہر چیز خدا کے موجود ہونے پر گواہی دیتی ہے کیونکہ کوئی چیز مختار اور حاکم نہیں ہے خدا کے متعلق صرف یہی معلوم ہو سکتا ہے کہ ہے اور کیا ہے۔

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

شاہنامہ ایک بہت بڑی نظم ہے۔ لیکن اس میں کہیں بھی بلاغت میں فرق نہیں آنے پایا ہے یہ ایک رزمیہ، قومی، تاریخی اور شاعرانہ نظم ہے۔ ہر حیثیت سے بلاغت کے فرض کو ادا کیا گیا ہے۔

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

حالی اور شبلی کی تنقید کا تقابلی جائزہ

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

حالی اور شبلی کی تنقید کا تقابلی جائزہ۔

حالی اور شبلی دونوں ہی بزرگ ایک ہی زمانے اور تقریباً یکساں حالات سے متاثر ہوئے حالی نے غدر سے پہلے اور بعد کے حالات کو اچھی طرح دیکھا تھا۔ پھر غدر کے واقعات سامنے آئے اس کا دردناک انجام اپنی آنکھوں اور حساس طبیعت سے دیکھا۔ غدر کے اثرات مسلم قوم کی حالت پر زیادہ پڑے اس قوم کی حالت جو پہلے ہی خراب تھی اب بدتر ہوگئی حکومت کے مظالم کا شکار بھی قوم زیادہ ہوئی۔ سیاسی شکست کے بعد مغربی تہذیب نے پیر جمانا شروع کئے اور ہر جگہ مشرقی تہذیب کو زوال دکھائی دینے لگی۔ ایسا لگتا تھا کہ مسلم قوم کی سیاسی، معاشی، اقتصادی، علمی اور تہذیبی ہر لحاظ سے تباہی و بربادی کو کوئی روک نہیں سکے گا۔

ان حالات میں ملک و قوم پر مایوسی، احساس کمتری، پست ہمتی اور بے عملی کی فضا طاری ہوگئی تھی۔ نہ کوئی رہنما تھا نہ رہبر آخر دانشوروں میں یہ احساس پیدا ہوا کہ عملی قوتوں کو بیدار کیا جائے اس کے لئے شعر و سخن بھی ایک موثر ذریعہ سمجھا گیا اور اسی دوران سرسید کی تحریک بھی شروع ہوئی۔ حالی شبلی دونوں نے سرسید کو قوم کے گرداب سے نکالنے کا ایک بڑا سہارا اور عمدہ وسیلہ سمجھا۔ ان دونوں بزرگوں نے شعر و ادب کے ذریعے ایک پژمردہ ماحول میں نیا جذبہ، حوصلہ اور عمل کی قوت پیدا کرنے کے وسائل تلاش کئے اور اسی مقصد کے تحت تنقید کے میدان میں قدم رکھا۔

حالی سرسید کے اول تا آخر ممد و معاون رہے حالانکہ وہ ان کی اندھی تقلید اور جی

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

حضوری کرنے پر کبھی تیار نہ ہوئے ۔ بلکہ اپنی انفرادی شان قائم رکھتے ہوئے اپنی رائے پیش کرنے سے نہیں ہچکچتے تھے ۔ سر سید بھی ان کی شخصیت، قوی جذبہ، علمی ادبی حیثیت سے از حد متاثر تھے ۔ اور اپنی تحریک کے لئے ان کے تعاون کو پوری اہمیت دیتے تھے ۔ انھیں قوم کا سچا ہمدرد و رہبر سمجھتے تھے ۔ واقعہ یہ ہے کہ سر سید کی تحریک کو کامیاب بنانے میں حالی کا بڑا اہم حصہ تھا ۔ حالی نہ ہی انسان تھے لیکن مذہب کو جائز مقام دیتے ہوئے وہ مادی ترقی کو نظر انداز نہیں کرتے تھے ۔ وہ محض جنت کے خیال پر جینے کی صلاح نہیں دیتے تھے انہوں نے نہ صرف خالص تعلیم کو ضروری سمجھا بلکہ صنعتی و زراعتی تعلیم و تربیت پر بھی زور دیا تاکہ قوم کی معیشت بھی پروان چڑھے ۔ شبلی بھی سر سید کے حامی و ناصر رہے لیکن آہستہ آہستہ انھیں یہ احساس پیدا ہوا کہ سر سید کی تحریک مشرقی تہذیب کو زوال کی طرف لے جا رہی ہے ۔ چنانچہ انہوں نے ایک علیحدہ طریقہ کار اپنایا اور سر سید تحریک سے علیحدگی اختیار کی ۔

شاعری وقت کی ترجمان ہوتی ہے شاعر ماحول سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ۔ زمانے کے خد و خال ادب سے نمایاں ہوتے ہیں ۔ شاعر محض تصورات کی دنیا میں گم نہیں رہ سکتا حالی اور شبلی جیسی عظیم ہستیاں بھی زمانے کے نشیب و فراز سے متاثر ہوئیں کیٹس (Keats) نے بھی کچھ ایسا ہی کہا تھا ۔ جس کا اردو ترجمہ یہ ہے ۔

شاعری سوسائٹی کی تابع اور شاعر ماحول کا آئینہ دار ہوتا ہے

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

حالی کی زندگی میں غالب و شیفتہ کی صحبت نے اس حد تک اثر ڈالا کہ ان کی شاعری عامیانہ اور رکیک خیالات سے پاک رہی۔ انہوں نے قدرت سے سنجیدہ طبیعت بھی پائی تھی لہٰذا ان کی ابتدائی شاعری تو ایک ایسے دور سے گذری جسے گل و بلبل، قیس و فرہاد، لیلیٰ اور غدر والی مجازی عشق کی شاعری کہہ سکتے ہیں یعنی وہ شاعری کے خیالی گھوڑے دوڑاتے رہے لیکن یہ عشقیہ شاعری قلبی واردات کی ترجمان نہ تھی۔ سادہ انداز بیان تھا جو اثر میں ڈوبا ہوا تھا لیکن ان کے باطنی جذبات کو جلد ہی غلبہ حاصل ہوگیا۔ انھیں یہ احساس ہوا کہ عیش و نشاط کی محفلوں نے لوگوں کو بے حس کر دیا ہے وہ ایک وقتی نشہ طاری کرنے کے عادی ہوگئے ہیں اور اپنی واقعی حالت کا جائزہ لینے کے قابل نہیں ہیں انھوں نے غدر کا ہولناک سانحہ دیکھا۔ شان و شوکت، عزت و آبرو کی بربادی کا دل پر بڑا احساس ہوا۔ حالانکہ اوروں نے بھی یہ سب کچھ دیکھا تھا۔ مگر ان کے پاس حالی جیسا حساس دل نہ تھا۔ حالی نے اپنے فطری جذبے کے تحت خاموشی گوارہ نہ کی وطنی اور اصلاحی نظمیں لکھیں۔ اپنے دور کی شاعری کے بے مقصد اور بے کار ہونے کا احساس ہوا یہ خیال بھی گذرا کہ شاعری کی جو خوبی قدرت نے عطا کی ہے اس کو خدمت خلق میں لگایا جائے۔

اب وہ ایک رہبر اور مصلح قوم بن کر سامنے آئے اس کے لئے سرسید سے تعاون کا راستہ اپنایا۔ افلاس، جہالت اور پستی کے بڑھتے ہوئے طوفان کے خلاف نبرد آزما ہوئے اور سرسید کے اصرار پر مشہور و معروف مسدس لکھی جس میں تاریخی واقعات کو خیال آرائی اور مبالغہ سے دور ہوکر

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

سیدھے سادے انداز اور سلیس عبارت میں بیان کیا۔ جسے اُمّی سے عالم تک سبھی سمجھ سکتے اور متاثر ہوتے ہیں اس طرح حالی کے نظریات و خیالات پر اس زمانے کے مخصوص حالات نے بڑا اثر ڈالا۔ جس میں ان کے فطری جذبے نے مدد کی اور ایک خاص مقصد کے حصول کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی تمام صلاحیتوں کو صرف کرنے پر آمادہ ہوگئے اخلاقی عنصر ان کی ذات میں ایک قدرتی عطیہ اور زمانے کے مسائل کا تقاضہ بھی تھا۔ ان کی ذاتی زندگی بھی متعدد پریشانیوں اور نامساعد حالات سے دوچار رہی۔ اس کے باوجود انھوں نے قومی اور سماجی مقصد کو اپنے ذاتی مسائل سے بالاتر رکھا عام شعراء کے برعکس انھوں نے سامعین کی واہ واہ اور داد حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ پس منظر میں رہ کر ہی قوم کو پستی سے نکالنے کی کوشش کی۔

حالی اسلاف کے کارناموں کو ایسی داستانوں کا درجہ نہیں دینا چاہتے تھے جو وقتی مسرت کا ذریعہ ہوں بلکہ وہ نئی نسل کو بدلتے ہوئے حالات کے تحت عمل اور ترقی کی تحریک میں شامل کرنا چاہتے تھے اور یہی مقصد سرسید کے پیش نظر بھی تھا۔ وہ مذہبی اور اخلاقی جذبات سے اس حد تک سرشار نہ تھے کہ قوم کی پریشانی کا حل ماضی میں تلاش کرتے انھوں نے سرسید کی تحریک کو وقت کی ضرورت سمجھ لیا تھا اور اس کی کامیابی و کامرانی کے لئے ممد و معاون رہے انھیں خود لیڈر بننے کی تمنا نہ تھی۔ انھوں نے شبلی کی طرح ایک الگ راستہ اختیار کرنے کی کوشش نہیں کی نہ ہی انھوں نے کبھی سرسید کی شہرت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

وہ مجسم خلوص تھے۔ خود پسندی سے انہیں کوئی واسطہ نہ تھا۔ انہوں نے سرسید کا تمام نشیب و فراز میں ساتھ دیا تھا۔ وہ ان کے نظریات صفات اور عزائم سے خوب واقف تھے

شبلی کی پرورش بھی ایک ایسے گھرانے میں ہوئی جہاں مذہبی ماحول تھا۔ انہوں نے اس وقت کے رواج کے مطابق مذہبی تعلیم نیز فارسی اور عربی میں دستگاہ حاصل کی۔ شبلی کے اساتذہ میں مولانا فاروق چریا کوٹی، مولانا ارشاد حسین رامپوری اور مولانا فیض الحسن سہارنپوری جیسے ادیب و شاعر تھے۔ پروفیسر آرنلڈ سے بھی انہوں نے فیض حاصل کیا۔ عربی، فارسی اور اردو کے علاوہ کچھ فرانسیسی بھی جانتے تھے۔

ابتدا میں وکالت کے پیشے میں منسلک ہوئے لیکن بعد ازاں ۱۸۸۳ء میں علی گڈھ پہنچے اور عربی کے اسسٹینٹ پروفیسر مقرر ہوئے انتہائی ذہین اور باصلاحیت تھے علی گڈھ میں رہنا بڑا مفید ہوا۔ سرسید کی صحبت سے خوب خوب فائدہ اٹھایا بہت کچھ سیکھا انگریزی تہذیب اور علم و ادب سے واقفیت حاصل کی اور جلد ہی علمی اور ادبی میدان میں مشہور ہو گئے۔ کشمیر، روم، شام، مصر، بیروت، ترکی، فلسطین وغیرہ کی سیاحت کی۔ لیکن آہستہ آہستہ سرسید سے دور ہوتے گئے۔ اور پھر ایک جداگانہ راہ اختیار کی جسکو وہ مشرقی تہذیب و تمدن کی اقدار اور ان کی بقا کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔

حالی کی طرح شبلی کو بھی یہ احساس تھا۔ کہ پرانے طریقے اور انداز موجودہ دور میں مفید

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

نہیں رہے لیکن وہ ماضی سے تعلق کو بالکل ختم نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ ماضی اور حال کے امتزاج کے حامی تھے۔ ان کے مطابق علماء کو بھی انگریزی اور ہندی و سنسکرت کی تعلیم حاصل کرنا چاہیے۔ حالی کی طرح انہوں نے سماجی اصلاح کے لئے مفید مشورے دئے مثلاً عورتوں کو علم سے ذوق رکھنے، جدید معلومات حاصل کرنے اور تہذیب و تمدن کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی رائے دی۔ اس کے ساتھ ہی وہ پردے کو بھی ضروری سمجھتے تھے۔ حالی نے بھی سماج میں عورتوں کی حالت پر افسوس ظاہر کیا اور ان کے انسانی اور مذہبی حقوق کی وکالت کی۔ حالی اور شبلی دونوں ہی سچے عقیدے کے دیندار شخص تھے۔ عالم، فاضل اور شعرا کی صحبت سے یہ دونوں مستفید ہوئے خاص طور پر حالی اور غالب کی ملاقات بڑی اہم مانی گئی ہے شجاعت علی سنبھلی نے حالی کو باکمال استاد کا باکمال شاگرد کہا ہے۔

قدرتی طور پر حالی اور شبلی کے تنقیدی نظریات اور اصولوں کے وضع کرنے میں ان کی ذاتی شخصیت کا بھی بڑا دخل رہا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم ان کی شخصیت کے پس منظر میں ان کے نظریات کو دیکھیں ظاہری طور پر تو ان کی شخصیت میں اخلاقی اور مذہبی رنگ نظر آتا ہے لیکن ان کی شخصیت کے چند پہلو دبے رہتے ہیں یہاں تک کہ کبھی کبھی ایسے بلند و ارفع اوصاف کے حامل انسان کی شخصیت میں رنگین مزاجی، ذوق جمالیات اور نسکین جذبات کی موجودگی حیرت کا باعث ہوتی ہے ان کی گرمئ جذبات اور طبیعت کی رنگینی جگہ جگہ نمایاں ہوتی ہے۔

شبلی کبھی کبھی موسیقی اور میلوں ٹھیلوں میں بھی دلچسپی لیتے تھے۔ حالی کو چونکہ ہنسی، دل لگی، مذاق، مسخرگی، بے حیائی اس قسم کی باتوں سے نفرت تھی۔ اس لئے مسلمانوں میں اس قسم کی عادات کو انھوں نے کثرت سے محسوس کیا تھا اور اس کی مذمت کی تھی چنانچہ قدرتی طور پر حالی نے شبلی جیسے عظیم شاعر، مورخ اور سوانح نگار کی شخصیت میں گرئی جذبات اور طبیعت کی رنگینی کو بنظر استعجاب دیکھا۔ حالی کا یہ تاثر ٹھیک ہی تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ شبلی کی عظیم شخصیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ رندی، ہوسناکی، جذباتیت، عیش و عشرت کو ایک حد تک زندگی کے صحیح لطف وانبساط کے لئے جائز سمجھتے ہیں اس کے ثبوت میں متعدد مثالیں ان کی ذاتی زندگی اور شاعرانہ کلام سے پیش کی جاسکتی ہیں ان کے اکثر اشعار کا مفہوم یہ ہے کہ عیش و عشرت اور رندی کا صحیح لطف اسی کے حصے میں آتا ہے جو عقل و ہوش، مذہب اور اخلاقی حدود سے بیگانہ ہو جائے۔ لبا اوقات وہ خود داری، وضع داری، اخلاقی ضوابط اور شہرت و مقبولیت کی خواہش کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔

شبلی کی رنگین مزاجی ان کی زندگی کے متعدد واقعات سے ظاہر ہوتی ہے مثلاً موسیقی کے وہ شوقین تھے اور فن موسیقی پر استادانہ رائے دے سکتے تھے تفریح اور میلے ٹھیلوں سے بھی ذوق رکھتے تھے۔ وہ شعر کے ظاہری حسن کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں الفاظ کی نمائش اور فنی تاثر سے ایک ایسی کیفیت پیدا کر جاتے ہیں کہ اس کی گہرائی اور معنی کی طرف

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

سے لاپرواہ ہو جاتے ہیں۔ اس طرح وہ ذوقی اور تحسینی نقاد کے روپ میں سامنے آتے ہیں۔

حالی پر شبلی کی فارسی غزلوں نے جو تاثر پیدا کیا اس کا اظہار کئے بغیر وہ نہ رہ سکے چنانچہ ایک خط میں حالی نے شبلی پر اس طرح تبصرہ کیا۔

"کوئی کیوں کر مان سکتا ہے کہ یہ اس شخص کا کلام ہے جس نے سیرت النعمان، الفاروق اور سوانح مولانا روم جیسی مقدس کتابیں لکھی ہیں۔ غزلیں کاہے کو ہیں شراب دو آتشہ ہیں۔ جس کے نشہ میں خمار چشم ساقی ملا ہوا ہے۔ غزلیات حافظ کا وہ حصہ جو رندی و بے باکی کے مضامین پر مشتمل ہے ممکن ہے اس کے الفاظ میں زیادہ دل ربائی ہو مگر خیالات کے اعتبار سے تو یہ غزلیں اس سے بھی زیادہ گرم ہیں۔"

شبلی کے کلام سے یہ نظریہ بھی نمایاں ہوتا ہے کہ نام آوری کے لحاظ سے جو لوگ طرز زندگی اپناتے ہیں وہ رندانہ مقاصد میں ناکام رہتے ہیں۔ عزت و شہرت کے چکر میں آدمی صحیح روحانی مسرت نہیں پا سکتا اور اس کے فطری جذبات کی تسکین نہیں ہو سکتی ان کی شخصیت کا یہی پس منظر ہے جس کی بنا پر وہ تخیل کو شاعری کا اہم جزو مانتے ہیں۔ تشبیہ اور استعارات، کنایہ اور تمثیل کے استعمال پر زیادہ حدود کو پسند نہیں کرتے۔ اس کے برخلاف حالی ایک مقصدی، اصلاحی قومی اور اخلاقی شاعری کے طرفدار ہیں۔ وہ ایسی طرز شاعری کے انتہائی مخالف ہیں جو صرف تخیل، عشقیہ اور محض دلی جذبات کی تسکین کا ذریعہ ہو۔

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

ان کے اس طرز فکر کو سمجھنے کے لئے ان کی ذاتی شخصیت کا مطالعہ بھی مفید ہے ان کی زندگی پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ شروع سے ہی افسردگی اور پریشان کن حالات سے گذرے چونکہ فطرتاً حساس تھے نہ صرف اپنے ذاتی معاملات سے بلکہ ماحول اور معاشرے کی عام صورت حال سے حد درجہ متاثر ہوتے تھے۔ ان کے کچھ اشعار جو ابتدائی دور میں لکھے گئے وہ شاعری کی عام روش کے مطابق تو تھے۔ مگر وہ ان کی ذاتی شخصیت سے میل نہیں کھاتے تھے۔ چنانچہ یہ طرز شاعری انہوں نے بہت جلد ترک کر دی۔ اور پھر ان کی شاعری مکمل طور سے ایک اخلاق اور بامقصد تحریک کا جزو بن گئی وہی رنگ ان کی زندگی میں آخر تک قائم و دائم رہا۔ ان کی نظم و نثر سب میں ان کی ذاتی شخصیت کا رنگ نمایاں ہے۔

حالی اور شبلی میں اپنے دور کا سیاسی اور سماجی شعور بھی موجود تھا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حالی میں سیاسی اور سماجی شعور زیادہ تھا۔ اور شبلی میں اس کی کمی تھی۔ بہرحال یہ ایک غلط فہمی معلوم ہوتی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ حالی نے سماجی تنقید میں پہل کی تھی۔ انہوں نے ادب و سماج کے رشتے کو باقاعدہ طور پر واضح کیا تھا۔ لیکن شعر العجم کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ عملی تنقید میں سماجی اور تاریخی نظریۂ تنقید اس طور پر موجود ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شبلی کا تاریخی اور سماجی شعور بھی اعلیٰ درجہ کا حامل تھا۔ اور انہوں نے تاریخی اور سماجی حالات کا سیر حاصل بیان کیا ہے۔

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

سرسید کی تحریک مغربی انداز و افکار پر اس لئے زور دے رہی تھی۔ کہ اس سے قوم کی معیشت پر اچھے اثرات پڑ سکتے تھے۔ اور اس سے ذہن میں جدید تصورات پیدا ہو سکتے تھے۔ حالی بھی اس نظریہ سے متفق تھے۔ لیکن شبلی نے جب انگریزی تعلیم کی ضرورت محسوس کی تو وہ حالی کی طرح قدیم تہذیب اور ادب کے بارے میں احساس کمتری کا شکار نہیں تھے۔ بلکہ ان کا خیال تھا کہ اہل یورپ نے مشرق کے بارے میں جو اعتراضات کئے ہیں وہ کچھ غلط فہمیوں کی وجہ سے ہیں۔ اور ان کا جواب اسی طرح دیا جا سکتا ہے کہ انگریزی میں استعداد پیدا کی جائے۔ شبلی کو یہ احساس تھا کہ قوم ماضی کے ورثہ سے غافل ہوتی جا رہی ہے اور مغربیت تیزی سے اپنے قدم جما رہی ہے۔ شبلی مغربی تعلیم سے لیس ہو کر ماضی کے بیش قیمت سرمائے کو واضح کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ مغرب کے اثرات سے ماضی کے نقوش مٹ نہ جائیں۔

حالی اور شبلی نے اپنی تنقید کی عمارت کا جو بنیادی ڈھانچہ قائم کیا وہ ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ خاص فرق یہ تھا۔ کہ حالی نے عربی روایات نظریات کے پس منظر میں اور شبلی نے فارسی ادب کی بنیاد پر اپنے تصورات و نظریات کی تشکیل کی۔ ابوالکلام قاسمی نے لکھا ہے۔

"حالی کی ذہنی نشو و نما اور ادبی تربیت میں عربی کی تنقیدی روایت کا عمل دخل بہت نمایاں ہے شبلی کے برخلاف حالی اپنی تنقید کا بنیادی ڈھانچہ عربی کے معیار نقد کی مدد سے

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

تیار کرتے ہیں۔ شبلی کی تنقید کا خمیر فارسی کی شعری روایت اور نظریات تنقید سے اٹھا ہے۔ یہ دونوں عربی اور فارسی ادب کی روایت کا علم و عرفان رکھتے ہیں۔ مگر اپنے اپنے مزاج کی مناسبت کے سبب ایک کا رجحان بنیادی طور پر فارسی ادب کی روایت سے ہم آہنگ ہے اور دوسرے کا بنیادی حوالہ عربی ادب کی روایت بنتی ہے۔" [1]

شبلی نے عربی اور فارسی ادب دونوں کا گہرائی سے مطالعہ کیا تھا۔ لیکن بنیادی طور پر انہوں نے فارسی نقادوں سے استفادہ کیا۔ انہوں نے جگہ جگہ فارسی اساتذہ کے نمونے اور اقوال پیش کئے اور ان کی مدد سے اپنے نظریہ کو واضح کیا۔ فارسی اساتذہ کے نمونے بھی پیش کئے حالی نے اردو شاعری میں ایسے طریقے اور روایات کو موجودہ حالات میں غیر مفید سمجھا جن کی بنیادیں فارسی شاعری میں پائی جاتی ہیں۔ شبلی نے ایک مورخ کی حیثیت سے فارسی اور عربی شاعری کا جائزہ لیا اور اس کے مختلف پہلوؤں کا بیان کیا۔

حالی نے اکثر عرب شعرا کے کلام کا مطالعہ کیا تھا۔ اور اسی کی روشنی میں اپنے نظریات و خیالات وضع کئے تھے۔ عربی فارسی دونوں ہی کا ذکر ان کی تحریروں میں ملتا ہے۔ مثلاً سعدی، سوزنی، صائب، کعب، حافظ، نظیری، عرفی، ابونواس، فضل بن ربیع، جریر، رقاشی، ابن رشیق،

---

[1] فکر و نظر، حالی نمبر، مشرقی روایات نقد اور حالی کی تنقید ابوالکلام قاسمی ص ۴۷

ابن خلدون، فردوسی، ابن یحییٰ، متمم، ناصر خسرو، نظامی، اصمعی خلیل ابن احمد، معاویہ، ظہیر، کبیر، فرزدق، کمیت، اور اس طرح کے ناموں کا جگہ جگہ ذکر حالی کے وسیع مطالعہ کا ثبوت ہے حالی نے سیوطی کی مزھر، ابن خلدون کی مقالات ابن ادب ابن رشیق کی العمدہ اور رسالہ مجلہ کے خیالات سے اپنے تصورات قائم کرنے میں مدد حاصل کی ہے بعض جگہ ان کا انداز ابن قتیبہ، قدامہ بن جعفر سے متاثر معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال انھوں نے اپنی تنقید کا زور فارسی اور عربی شعرا کے بجائے اردو شعرا پر صرف کیا ہے انہوں نے شبلی کی طرح تاریخ کے تفصیلی بیان پر اپنا زور نہیں دیا۔

حالی اور شبلی دونوں نے مغربی ادب سے واقفیت حاصل کی حالی نے مغربی افکار کا جو مطالعہ کیا وہ اگرچہ ناکافی تھا، پھر بھی اس کی مدد سے وہ مشرقی و مغربی ادب کی خوبیوں کا مقابلہ کر سکے۔ انہوں نے انگریزی اساتذہ مثلاً کالراج، ملٹن، میکالے وغیرہ سے اپنے تنقیدی نظریات میں استفادہ کیا انھوں نے محسوس کیا کہ مشرق میں افادیت مقصدیت اور اصلیت کا فقدان ہے جب کہ مغرب میں یہ تمام خوبیاں عام طور سے پائی جاتی ہیں انھوں نے یہ بھی سمجھ لیا کہ مشرق میں مواد پر زور نہیں دیا گیا بلکہ ظاہری شکل اور رنگینی و دلکشی پر ہی تمام ۔ صلاحیتیں صرف کی گئی ہیں۔ ایک طرح سے حالی نے مشرقی ادب کے بارے میں

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

احساس کمتری کا شکار ہو گئے تھے۔ جب کہ شبلی نے ماضی کی تاریخ کا بڑے جذباتی انداز سے مطالعہ کیا تھا۔ انھیں ایک فطری لگاؤ اور روحانی ذوق و شوق عرب اور ایران کی تاریخ سے تھا۔ یہ ذوق اس حد تک تھا۔ کہ وہ اس کے معائب کو نظر انداز کر دیتے تھے اور سرمایہ پرستی، شمشیر زنی، عیش و عشرت، موسیقی، رقص و سرود، جمہوریت کے فقدان اور عامرانہ طرز حکومت قسم کے عیوب کو بھی قابل توجہ نہیں سمجھتے ہیں۔ بہر حال حالی کی طرح انھیں بھی یہ احساس تھا کہ مغربی تعلیم و افکار سے دامن بچانا ممکن نہیں۔ چنانچہ انہوں نے نہری لوئس، نیوٹن، ارسطو، ہومر، گیٹے وغیرہ کے خیالات سے استفادہ کیا لیکن ماضی کی محبت دل سے نہ جا سکی۔ اور وہ مغرب کی تقلید کے ساتھ ساتھ ماضی سے اپنے ربط کو کسی نہ کسی شکل میں برقرار رکھنے کی سعی کرتے رہے وہ ایک ایسی ملی جلی طرز زندگی کے حامی تھے۔ جس میں ماضی کے ورثہ کو بھی مناسب مقام دیا گیا ہو۔ بہر حال انہوں نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا۔ کہ مغربی تعلیم قومی ترقی کے لئے ناگزیر ہے چنانچہ وہ ایک زمانہ تک سرسید کے ہم خیال اور ہم رکاب کار رہے۔ موازنہ انیس و دبیر میں اور شعر العجم جلد چہارم میں جگہ جگہ مغربی نظریات کا اثر پایا جاتا ہے۔ حالی کے بارے میں ایک غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ ان کے تنقیدی نظریات کی بنیاد مغربی ادب ہی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حالی نے مغربی تصورات سے بہت کچھ حاصل کیا۔ مگر اس سے کہیں زیادہ قدیم مشرقی تصورات سے حاصل کیا۔

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

حالی کے تصورات کی بنیاد مشرقی افکار ہی ہیں جن کی توثیق کے لئے وہ مغربی تصورات کا سہارا لیتے ہیں۔ اس طرح یہ کہنا کہ ان کی ساری تنقید کی بنیاد مغربی ادب پر ہے غلط فہمی پر مبنی ہے۔

حالی کی تنقید کے بارے میں مختلف آرا پائی جاتی ہیں۔ ظہیر احمد صدیقی حالی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"انہوں نے خداداد ذہانت پائی تھی اور پھر سرسید کی رہنمائی نے ان کو زندگی کے تجربات سے قریب تر کر دیا تھا۔ شیفتہ کی صحبت نے ان کے ذہن کو جلا بخشی تھی۔ اردو میں حالی کی تنقید کی پشت پر ہم کو ان کی وسیع النظری، تفکر اور بلند خیالی نظر آتی ہے ۔۔۔ شبلی کی حیثیت مورخ کی ہے نقاد کی نہیں" [1]

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حالی نے شاعری پر حد سے زیادہ سخت انداز میں تنقید کی ہے خوبیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے خامیوں پر اعتراض کیا ہے ان کے بیان میں تضادات بھی پائے جاتے ہیں۔ بعض مقامات پر انہوں نے خوامخواہ مضمون میں طوالت پیدا کی ہے۔ وہ انگریزی ادیبوں کے خیالات کو سمجھا نہیں پائے۔ لیکن بعض لوگوں نے حالی پر ان اعتراضات کو بے بنیاد اور غلط فہمی پر مبنی قرار دیا ہے۔ اور ان کو اردو تنقید کا امام تسلیم کرنا حق بجانب و جائز سمجھتے ہیں ایک اعتراض حالی اور شبلی دونوں پر کیا گیا ہے

---

[1] تحقیقی مطالعہ حالی ظہیر احمد صدیقی ص ۱۱۶

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

کہ وہ ہیرو پرستنے ہیں شبلی جب انیس کے اوصاف بیان کرتے ہیں تو کسی خامی پر نظر نہیں ڈالتے اسی طرح حالی جب اپنے بزرگ استاد غالب کی سوانح لکھتے ہیں۔ تو ان کی شخصیت کے بعض پہلوؤں کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ جن کے بیان سے استاد محترم کی قدر و منزلت میں فرق آتا۔ شبلی ایک عالم، سوانح نگار، ماہر زبان، شاعر اور نقاد تھے گہرا تنقیدی شعور ان میں موجود تھا۔ ان کی تنقید میں جگہ جگہ حالی سے اختلاف پایا جاتا ہے نظریات اور اصول پیش کرنے کے ساتھ ساتھ عملی تنقید بھی شبلی کے یہاں ملتی ہے۔ شعر العجم تنقیدی کتاب بھی ہے اور شاعری کی تاریخ بھی ہے اس میں شعرا کے بارے میں ان کے جائزے تنقیدی اہمیت کے لحاظ سے بڑے مفید ہیں۔ انہوں نے ایسے اشعار درج کئے ہیں۔ جن سے تنقیدی اصول سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے حالی نے قدیم شاعری پر جگہ جگہ اعتراضات کئے ہیں۔ جب کہ شبلی نے قدیم شاعری کی مخالفت نہیں کی حالی نے سماج کے حالات کو ایک حساس مزاج و طبیعت کے ساتھ دیکھا اور معیار قائم کرنے میں سختی برتی۔ جمالیاتی پہلو کو نظر انداز کیا ہے شبلی کے یہاں ایسا نہیں ہے بلکہ وہ شاعری کو لطف و انبساط اور کیف و سرور کا ذریعہ بھی مانتے ہیں۔

حالی کی مقدمہ شعر و شاعری اور شبلی کی شعر العجم دونوں کا مقصد تقریباً یکساں ہے لیکن راستے مختلف اپنائے گئے ہیں بعض جگہ یہ کتابیں ایک دوسرے کے نظریات کو رد کرتی ہیں۔ اس کے باوجود ان دونوں بزرگوں کی لگاتار کوششوں نے تنقیدی ماحول پیدا کرنے میں اور مذاق سخن کی تربیت

www.urduchannel.in

کے لئے ہماری رہبری کرتی رہی ہیں اور آئندہ بھی تنقیدی سعی و کاوشیں بہ مددگار رہیں گی۔

شبلی اور حالی نے شاعر کو اپنے زمانے کی خصوصیات کو مد نظر رکھنے کی ہدایت کی ہے شبلی نے ان حالات پر روشنی ڈالی ہے جن کی بنا پر شاعری کی عام روش متاثر ہوتی ہے اور ملک کی عام زبان پر بھی اثر پڑتا ہے۔ اسلامی طاقت کے زوال پذیر ہونے پر اخلاقی گراوٹ بھی آگئی اور اس کا زبان و ادب پر بھی کافی اثر پڑا۔ یہاں تک کہ بزرگ صفت اور بلند اخلاق شعرا نے بھی اپنے کلام میں تہذیب اور شائستگی سے گری ہوئی باتوں کو شامل کیا۔ شبلی نے ان سیاسی اسباب و علل کا بھی بیان کیا ہے جن کی بنا پر شاعری پر ایک خاص قسم کے اثرات مرتب ہوئے اور زبان کا ایک مخصوص انداز بن گیا۔ شعر العجم میں انہوں نے تاریخی اور سماجی حالات کا بیان کرتے ہوئے شاعری پر ان کے اثرات کا جائزہ لیا ہے۔ شاعر کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس بات پر دھیان دے کہ عوام کا مذاق کیا ہے ان کا ذہن کن چیزوں سے متاثر ہوتا ہے۔ ملکی حالات کیا ہیں۔ حالی نے بھی شاعری اور سوسائٹی کے تعلق پر غور و خوض کیا اور شاعری پر سوسائٹی کے اثرات کو ناگزیر بتایا ہے۔ حالی اور شبلی کے تنقیدی نظریات سے ان کے سماجی شعور کی پختگی ظاہر ہوتی ہے حالی نے شاعری کی خامیوں کو دور کرنے اور اس میں اصلاحی اقدامات پر زور دیا ہے چونکہ اس طرح انہیں امید ہے کہ سماج کی ترقی ہوگی۔

شبلی کے ذوق جمالیات کا تعریفی پہلو بھی بیان کیا جاتا ہے خلیل الرحمٰن اعظمی لکھتے ہیں۔

شبلی کا نظریہ انبساط یونان کے مشہور فلسفی ارسطو کے خیالات سے متاثر معلوم ہوتا ہے کیونکہ ارسطو نے شاعری کے جن تین بنیادی عناصر کو ضروری بتایا ہے۔ شبلی بھی انہیں عناصر کو اہمیت دیتے ہیں ارسطو اور شبلی دونوں ہی انبساط کو شاعری کا خاص مقصد تسلیم کرتے ہیں دونوں کا یہ خیال ہے کہ شاعری میں انبساط کیلئے جذبات میں اشتعال، تصویر کشی اور الفاظ کی مینا کاری اہم ترین وسیلے ہیں۔ سنسکرت کے مشہور عالم و ناقد وشوناتھ کوی راج نے بھی اسی نوع کے خیالات ظاہر کئے ہیں چونکہ شبلی نے سنسکرت ادب کا بھی مطالعہ کیا تھا اس لئے ہو سکتا ہے کہ ان کے نظریات کی تشکیل میں اس کا بھی اثر کارفرما رہا ہو شبلی کے ایک مضمون تحفۃ الھند کے مطالعہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شبلی سنسکرت ادب سے متاثر تھے

شبلی کے ذوق جمالیات اور نظریہ انبساط کی وجہ سے ان کی تنقید میں کچھ نقص بھی ظاہر ہوئے وہ ایسے کلام کو اہمیت نہیں دے سکے جس میں معنی کی گہرائی اور پیچیدگی پائی جاتی تھی۔ وہ فارسی اساتذہ کے کلام پر سیر حاصل تنقید کرنے میں ناکام رہے اور بہت سے ایسے نکات کو نظر انداز کر گئے جن کی تشریح ضروری تھی اپنے جمالیاتی نقطۂ نظر کے زیر اثر شبلی ایسے شعر کو قابل قدر اور اعلیٰ درجے کا مانتے ہیں جس میں عمدہ الفاظ استعمال کئے گئے ہوں اور وقتی طور پر سامعین کو متاثر کر دیں چاہے اس میں معنویت اور مقصدیت نہ پائی جائے ان کے خیال میں خوشی، انبساط یا رنج و غم کا وہ جذبہ طاری ہو جائے جو شاعر کا مقصد ہے تو وہ شعر اعلیٰ درجے کا مانا جائے گا اس طرح شاعری کا مقصد ان کے یہاں وقتی طور سے لطف و مسرت کا حاصل کرنا ہے یعنی وہ جمالیاتی اور تاثراتی پہلو کو شعر کی گہرائی اور معنویت پر ترجیح دیتے ہیں ان کے نظریہ کے مطابق شعر میں تین ضروری عناصر یہ ہیں ۱ جذبات کو مشتعل کرنا ۲ شاعرانہ تصویر کشی ۳ الفاظ کی مینا کاری۔

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

بہر حال جو بھی تنقید کا نظریہ بھی کچھ اس قسم کا ہے کہ شاعر کی شخصیت اس کے ذاتی تخیل اور جذبات کا اظہار اس کے اشعار سے ہوتا ہے اس طرح شاعری کسی شاعر کی شخصیت کو نمایاں کرتی ہے۔ عوام کے جذبات کا لحاظ کرنا اس کے لئے لازم نہیں۔ یہی بات شبلی اپنے نظریات میں ظاہر کر چکے ہیں انھوں نے شاعری اور خطابت میں فرق کو واضح کیا۔ یعنی خطیب تو سامعین کے جذبات، ان کی ضرورت اور مقصد کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے خیالات پیش کرتا ہے۔ جبکہ شاعر اس جذبہ کو جو اس کے دل پر کسی سبب سے طاری ہو جاتا ہے اس کو الفاظ کے ذریعہ سے ادا کرتا ہے الفاظ جس قدر موزوں و مناسب ہوتے ہیں اور ان کی ترتیب جسقدر عمدہ طور پر کی جاتی ہے اسی لحاظ سے شعر کا درجہ متعین ہوتا ہے اس طرح شبلی کا نظریہ شعر وہی ہے جو جدید تنقید نگاروں کا ہے۔

حالی اور شبلی دونوں ہی اردو ادب کو بلند درجے پر پہنچانے کے خواہش مند تھے اور اس کیلئے انھوں نے اصلاحی اقدامات تجویز کئے حالی نے اخلاقی عنصر پر زور دیا ہے اس کے برخلاف شبلی اخلاقی شاعری کے بارے میں زیادہ غور وخوض نہ کر سکے۔ ان کی زیادہ تر توجہ عشقیہ وصوفیانہ شاعری پر رہی جس کے تمام پہلوؤں کا انھوں نے تفصیلی بیان کیا ہے اور تنقیدی نکات پیش کئے ہیں۔ فارسی ادب کی تاریخ کے تفصیلی بیان سے اردو ادب کے خزانے میں قابل لحاظ اضافہ ہوا ہے شعر العجم میں سیکڑوں کتب کے اہم نکات کو اس خوبی سے یکجا کیا ہے کہ کوئی اہم نکتہ باقی نہیں رہ جاتا۔

حالی اور شبلی کی تنقید کی اہمیت کے بارے میں مختلف اور متضاد آرا پائی جاتی ہیں

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

"شبلی کی تنقید پھر بھی قابل تعریف ہے کہ وہ محض نکتہ چینی اور حرف گیری کا مجموعہ نہیں ہے وہ اپنے بہترین لمحوں میں ذوقی اور تحسینی نقاد ہیں۔ شعر سے لطف اندوزی ان کے یہاں ایک تخلیقی عمل بن گئی ہے۔ وہ شاعر کے تجربات کی اس طرح بازآفرینی کرتے ہیں کہ وہ شعر ہر شخص کی اپنی واردات معلوم ہونے لگتا ہے ان کا جمالیاتی ذوق رچا ہوا ہے اور ان کے احساسات بے حد لطیف و نازک ہیں۔ اس لئے عام طور پر ان کی نظر اچھے اشعار پر پڑتی ہے بالخصوص متغزلانہ شاعری میں ان کی نگاہ انتخاب اپنا جواب نہیں رکھتی۔ شعر العجم میں تحقیق و تنقید کی لاکھ خرابیاں نکال دیجئے۔ یہ کتاب اس اعتبار سے قابل قدر ہے اس نے اپنے دامن میں فارسی شاعری کے بہترین جواہر پاروں کو سمیٹ لیا ہے شبلی نے ان کی تشریح و ترجمانی ایسے موثر انداز میں کی ہے کہ عجم کا حسن طبیعت ہم پر ایک لازوال نقش چھوڑ جاتا ہے شبلی کی تنقیدی نگارشات نے کئی نسلوں کے مذاق سخن کی تربیت کی ہے وہ موجودہ دور میں بھی کافی دور تک ہماری رہنمائی کر سکتے ہیں"[1]

---

[1] مضامین نو شبلی کا تنقیدی مسلک ۔ خلیل الرحمن اعظمی ص ۵۷

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

کچھ حلقوں میں تعریف و توصیف اور بعض جگہ نکتہ چینی بھی کی جاتی ہے شبیہ الحسن نونہروی نے لکھا ہے

"حالی کا مقدمہ ہمیں گھنے جنگلوں اور بے تکے نشیب و فراز سے نکال کر محض ایک چوڑے تک پہنچاتا ہے اور کسی مخصوص سمت کی طرف اشارہ نہیں کرتا عہد جدید کا نقاد خواہ وہ کسی مکتبہ خیال سے بھی تعلق رکھتا ہو اور کسی سمت میں بھی سفر کر رہا ہو پیچھے مڑ کر جب بھی دیکھے گا تو اسے حالی کا نشان جادہ چوڑا ہی نظر آئے گا۔" [1]

اسی مضمون میں آگے چل کر کہا گیا ہے۔

"حالی نے اردو ادب کے مختلف اصناف کی تنقید میں خاصی خطابت سے کام لیا ہے۔ بیشتر مقامات پر وہ رواں اور پرشکوہ طرز تحریر کے ذریعے سے پڑھنے والے کے ذہن کو بڑی جلدی متاثر کر لیتے ہیں۔ نہ صرف ان کے مقدمہ کو پڑھکر اردو شاعری کے متعلق رائے قائم کرنے والا یقیناً گمراہی میں مبتلا ہو جائیگا ان کے مقدمہ میں جا بجا مسحور کن سماں بندھی ملتی ہے جس کی شدید مقناطیسیت کی طرف پڑھنے والا زبردستی کھنچتا ہے مگر ظاہر ہے کہ اس کا اثر دیرپا نہیں ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ مناسب ذہانت رکھنے والا قاری پیچ و خم سے باہر نکل آتا ہے۔" [2]

---

[1] نقش حالی ۔ حالی کا نظریہ اور شخصیت ۔ شبیہ الحسن نونہروی ص — ۸۲
[2] نقش حالی ۔ حالی کا نظریہ اور شخصیت ۔ شبیہ الحسن نونہروی ص — ۸۹

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

عبدالشکور شبلی کی تنقید نگاری کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"شبلی کے بارے میں ایک امر قابل ذکر ہے نفسیاتی اعتبار سے وہ کامیاب ناقد نہیں ہو سکتے تھے۔ فطرتاً بت پرست واقع ہوئے تھے ہیرو ورشپ کا ملکہ تھا۔ جس شاعر کو پسند کرتے تھے اس پر عاشق ہو جاتے تھے ایسی صورت میں غیر جانب دار رہتے ہوئے ان سے عدل کی توقع کرنا بے سود تھا ان کی طبیعت میں فلسفے کا "لمس" بہت کم موجود تھا۔۔۔ ناقدین کے وزنی اور ٹھوس فرائض انجام دینا ان کا کام نہ تھا۔ شبلی نے انیس کو ہیرو مان لیا ہے اور دبیر کے محاسن کا ذکر تک نہیں کیا ہے یہی انھوں نے شعر العجم میں کیا ہے"[1]

فضل امام کا اعتراض ملاحظہ ہو۔

"یوں تو شبلی کی سبھی تحریروں میں تضادات اور تردیدات کا پہلو نمایاں ہے لیکن "موازنہ" میں اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں"[2]

اس قسم کی نکتہ چینی کے ساتھ ہی فضل امام نے شبلی کی فکر اور تبحر علمی کی تعریف و ستائش بھی کی ہے

---

[1] تنقیدی سرمایہ عبدالشکور۔ ص ۷۶

[2] موازنہ انیس و دبیر، مرتبہ ڈاکٹر فضل امام ص ۱۲

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

اسی مضمون میں لکھتے ہیں۔

"شبلی کی دیانت داری اور ان کے اردو زبان کے درد کو سمجھا جا سکتا ہے شبلی نے "موازنہ" لکھکر اردو شاعری پر بجاطور پر احسان کیا ہے انھوں نے اردو زبان و شاعری کی وسعتوں کے امکانات کا پرتو کلام انیس کے باب میں دیکھا اور اردو شاعری کی جملہ اصناف کا اعلیٰ معیار مراثی انیس میں پایا۔ اس لیے شبلی کی فکر اور تاریخی نظر اردو شاعری کو ایک نئے طرزِ تنقید اور وقیع تلاش و تجسس سے روشناس کراتی ہے"۔ ؎۱

شبلی کے مقابلے میں حالی کی نثر خشک اور روکھی پھیکی لگتی ہے اس میں جمالیاتی ذوق نہیں پایا جاتا جبکہ شبلی کی نثر متوازن و معتدل ہوتی ہے اور اس میں جمالیاتی تاثر ملتا ہے وہ الفاظ کا استعمال بڑے مناسب اور موزوں طریقے سے کرتے ہیں۔ ظفر احمد صدیقی شبلی کی انشاء پردازی کی توصیف میں لکھتے ہیں۔

"نہ صرف معنوی بلکہ صوتی مناسبتوں کا بھی لحاظ رکھتے ہیں۔ البتہ رعایت لفظی کے گورکھ دھندوں میں الجھنا پسند نہیں کرتے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ ان کے اسلوب میں علمیت و ادبیت کا ایسا حسین امتزاج ہے جسکی مثال اور کہیں نہیں ملتی ۔۔۔۔

علمیت اور ادبیت جسطرح شبلی کی تحریروں میں پہلو بہ پہلو اور عناد رعنا نظر آتی ہے وہ اپنی مثال آپ ہی ہے"۔ ؎۲

؎۱۔ موازنہ انیس و دبیر مقدمہ و تعارف / مرتبہ ڈاکٹر فضل امام ص ۸-۹ (۲) شبلی ظفر احمد صدیقی ص ۱۷

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

شعر و سخن کی اہمیت ۔ حالی اور شبلی نے بہ نظر تحسین یہ جائزہ لیا کہ علم و فن کی ترقی اور مغرب کے اثرات سے مادہ پرستی کی فضا ہر طرف طاری ہوتی جارہی تھی ان حالات میں شاعری اور ادب کی اہمیت کم ہوتی جارہی تھی عام خیال تھا کہ شعر و سخن سے معشیت اور قومی ترقی کا کوئی تعلق نہیں اور شاعری قومی مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ نہیں بن سکتی ۔ لہٰذا یہ کوئی مفید اور موثر رول ادا کرنے سے قاصر ہے حالی اور شبلی دونوں نے اس طرز فکر کو ناپسند کیا ۔ چنانچہ مقدمہ شعر و شاعری میں حالی نے اور شبلی نے شعر العجم میں اس نظریہ کو غلط قرار دیا ۔ کہ شاعری کا عوامی زندگی میں اب کوئی مفید اور اصلاحی رول باقی نہیں رہا ۔ انھوں نے زور دیکر کہا کہ شاعری اب بھی سماجی اخلاقی ، اصلاحی اور قومی مقاصد کیلئے مفید و کارآمد ہے ۔ شبلی نے کہا

" شعر ایک ایسی قوت ہے جس سے بڑے بڑے کام لئے جاسکتے ہیں بشرطیکہ اس کا استعمال صحیح طور سے کیا جائے "[1]

شبلی نے شاعری کو فلسفہ کا جزو اعظم بتایا اور اخلاقی تعلیم کیلئے نثر کی کتابوں سے زیادہ موثر بتایا اور یہ کہ شریفانہ جذبات ۔ شجاعت ۔ غیرت ۔ آزادی وغیرہ اخلاقی مضامین شاعری کے ذریعہ سے بخوبی ادا کئے جاسکتے ہیں ۔

حالی نے بھی شعر کی افادیت متعدد مثالوں کے ذریعہ واضح کی ہے انھوں نے لکھا ہے کہ یورپ میں شاعری کو مفید اور تعمیری مقاصد کیلئے استعمال کیا گیا ہے اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ مشرق میں بھی شاعری قوم و ملک کی ترقی میں مفید رول ادا نہ کرسکے ۔ بہرحال وہ شاعری کی موجودہ حالت سے

---

[1] شعر العجم جلد چہارم شبلی نعمانی ص ۹۵ ۔

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

مطمئن نہیں ہیں اور اس کی اصلاح کیلئے مناسب مشورے تجویز کرتے ہیں۔

اس نظریہ کے پیش نظر حالی نے اپنی نظموں اور مسدس کے ذریعہ قومی، سماجی، سیاسی، تعلیمی اخلاقی اور معاشی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی۔ قومی ترقی کے تمام ہی اہم پہلوؤں پر شعر و ادب کے ذریعہ روشنی ڈالی۔ ملک اور قوم کو بیدار کیا اور اپنی کمزوریوں اور پسماندگی کے حالات سے نکلنے کا جذبہ و حوصلہ پیدا کیا۔

نیچرل شاعری کی ضرورت ۔ حالی نے محسوس کیا کہ اردو میں نیچرل شاعری کی بڑی ضرورت پائی جاتی ہے انھوں نے اس کی اہمیت پر بہت کچھ لکھا ہے۔ انھوں نے شعر کی ایک اہم خوبی یہ بتائی کہ ایسی چیزیں اس میں شامل نہ کی جائیں جو دنیا میں واقع نہیں ہوتیں اور ایسی زبان استعمال نہ کی جائے جو عوام کی بول چال کے مطابق نہ ہو۔ شبلی نے بھی نیچرل شاعری کو اہمیت دی اور بتایا کہ کسی چیز کا اصل حسن اسکی نیچرل حالت میں پایا جاتا ہے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ اردو شاعری نیچرل حالت سے دور ہوگئی ہے۔ شبلی نے یہ بات تسلیم کی کہ ملکی حالات اور تہذیب و تمدن میں تبدیلی کی وجہ سے شاعری میں تصنع اور تکلف پیدا ہوگیا۔ فارسی کے کچھ شعراء کی تعریف و توصیف انھوں نے نیچرل شاعری کی خوبیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کی ہے۔ نظامی اور منوچہری کی انھوں نے اس بنا پر تعریف کی ہے کہ وہ نیچر کی تصویر کھینچ دیتے ہیں۔ حالی نے بھی میر۔ انیس۔ شوق اور داغ وغیرہ شعراء کی شاعری کو نیچرل شاعری کا درجہ دیا ہے اور اسی بنا پر انھیں قابل قدر بتایا ہے۔ بہرحال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حالی اور شبلی دونوں کا ہی ذہن نیچر اور نیچرل اصطلاحوں کے بارے میں صاف نہیں تھا۔

www.urduchannel.in

تخئیل کی بحث ۔ شبلی نے فن شاعری میں تخئیل اور محاکات کی آمیزش کو بنیادی شرط قرار دیا ہے انھوں نے یہاں تک لکھا ہے کہ تخئیل اور محاکات کا نام ہی شاعری ہے حالی نے بھی یہی نقطۂ نظر پیش کیا ہے اور تخئیل کو شاعری کیلئے اولین شرط قرار دیا ہے ان کا خیال ہے کہ قوت متخیلہ یا تخئیل شاعری کو اعلی درجہ پر پہونچاتی ہے لیکن یہ خوبی بڑی حد تک قدرت کی عطا کردہ ہے اور کوشش سے حاصل نہیں ہو سکتی اس کے لئے مطالعہ کائنات ضروری ہے اس سلسلہ میں مادہ کی اہمیت پر حالی لکھتے ہیں۔

" قوت متخیلہ کوئی شے بغیر مادہ کے پیدا نہیں کر سکتی بلکہ جو مصالح اسکو خارج سے ملتا ہے اس میں وہ اپنا تصرف کر کے ایک نئی شکل تراش لیتی ہے[1]

شبلی نے فلسفہ شاعری، اور سائنس ان سب میں ہی تخئیل کی ضرورت بتائی ہے یہی قوت فلسفہ میں دقیق معاملات کو حل کرتی ہے سائنسداں میں قوت ایجاد پیدا کرتی ہے اور شاعری میں اعلی درجے مضامین پیش کرتی ہے بلکہ جو لوگ کسی بھی فن کے ماہر ہیں ان میں قوت متخیلہ موجود ہوتی ہے یہ ضرور ہے کہ ہر جگہ اس کا استعمال اور اس کے مقاصد مختلف ہوتے ہیں۔ فلسفی تو کسی ایسی چیز پر بحث نہیں کرتا جو موجود نہ ہو لیکن شاعری میں تخئیل کی حدود بہت وسیع ہیں۔ شاعر ایسی چیزوں کا بھی بیان کرتا ہے جسکا سرے سے ہی کوئی وجود نہیں ہے لیکن وہ ان کے وجود کا تصور کرتے ہوئے اپنے خیالات پیش کرتا ہے اس کا طرز بیان اور فنی صلاحیت اس درجہ کی ہوتی ہے کہ وہ سامعین کو اپنا ہم خیال بنا لیتا ہے اور وہ اس

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری ۔ حالی ص ۲۱۴

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

غیر موجود شئے کو موجود مان لیتے ہیں ناممکن واقعہ کو ممکن تسلیم کر لیتے ہیں شاعرانہ تخیل میں کوئی تلاش و جستجو نہیں ہوتی پھول کو دیکھکر شاعر کو محبوب کا خیال آتا ہے وہ محبوب اور پھول میں کچھ یکساں خوبیاں دیکھتا ہے۔ پھر وہ زیادہ جستجو نہیں کرتا اور جو خیالات اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں ان کو موزوں الفاظ کی مدد سے پیش کر دیتا ہے۔ تخیل کسی چیز کو بے جان نہیں سمجھتا وہ بے جان چیزوں کی آواز بھی سنتا ہے اور انہیں مخاطب کرتا ہے۔

حالی نے بھی تخیل کے بارے میں اسی طرح کے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ وہ تخیل کے ساتھ مطالعہ فطرت اور تفحص الفاظ پر زور دیتے ہیں۔ صرف تخیل ہی شعر کو بلند درجہ پر نہیں لا سکتا جبتک کہ کافی جستجو کے بعد مناسب الفاظ مہیا نہ کئے جائیں اور اسی لئے وہ شعر پر بار بار غور و خوض کرنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ تخیل کو شاعری کی بنیادی شرط قرار دیتے ہوئے حالی نے اس کی اہمیت اس طرح بیان کی۔

"سب سے مقدم اور ضروری چیز جو کہ شاعر کو غیر شاعر سے تمیز دیتی ہے قوت متخیلہ یا تخیل ہے جسکو انگریزی میں امیجینیشن کہتے ہیں" [1]

شبلی تخیل کو وسعت دینا چاہتے ہیں اور اس کا محدود ہونا پسند نہیں کرتے وہ اسے ایک ایسی طاقت مانتے ہیں جو شاعر کو وقت اور زمانہ کی قید سے آزاد کر دیتی ہے۔ یہاں حالی اور شبلی میں ایک خاص فرق یہ ہے کہ حالی قوت متخیلہ کو ایک حد اعتدال کا پابند بناتے ہیں۔

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری، حالی ص ۳۷

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

اور اس کے لئے قوت ممیزہ کی موجودگی کو ضروری سمجھتے ہیں۔ خلیل الرحمن اعظمی اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"حالی چونکہ شاعری کو اخلاق کا نائب مناب سمجھتے ہیں اور اسے تعمیری مقاصد کیلئے استعمال کرنا چاہتے ہیں اس لئے وہ شاعری کی قوت متخیلہ کو پابند کر دینا چاہتے ہیں کہتے ہیں کہ قوت ممیزہ کے بغیر قوت متخیلہ شاعر کیلئے اس بے لگام اور منہ زور گھوڑے کیطرح ہے جو اپنے سوار کو کسی بھی خندق میں لیجا کر گرا سکتا ہے۔ حالی کا تصور ان کے تنقیدی مسلک کو کلاسیکیت سے قریب کر دیتا ہے شبلی کا مزاج رومانی ہے اس لئے وہ شاعر کو مکمل آزادی دینا چاہتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک تخلیق شعر ایک خود اظہاری کا عمل ہے شاعر کو دوسرے افراد سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیئے۔" [1]

اسطرح تخئیل میں قوت ممیزہ کا ہونا حالی کے یہاں ضروری ہے وہ اسکو شعر میں تاثیر کیلئے ضروری سمجھتے ہیں۔ شبلی نے قوت ممیزہ کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے لیکن بعض جگہ انھوں نے بھی تخئیل کی بے اعتدالی کو بیجا بتایا ہے اس میں سب سے زیادہ نقصان مبالغہ سے ہونا بتایا ہے تخئیل کی بے اعتدالی سے فرضی استعارات اور تشبیہیں پیدا ہو جاتی ہیں اس سے اکثر تخئیل باطل اور دور از کار ہو جاتا ہے اور ایسے مضامین پیش کئے جاتے ہیں جو اصلیت سے بہت

---

[1] مضامین نو، خلیل الرحمن اعظمی، ص ۴۸ - ۴۹

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

دور چلے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں میر انیس کے کلام کو حالی اور شبلی دونوں نے بہ نظر تحسین دیکھا ہے۔ انیس نے اپنے مراثی میں خاص طور سے واقعات کربلا کی جو منظر کشی کی ہے اس کی دونوں ناقدین نے داد دی ہے۔ نظریۂ تخیل کے سلسلہ میں خلیل الرحمٰن اعظمی نے شبلی کو زیادہ باریک بیں سمجھا ہے انہوں نے لکھا ہے۔

"شبلی بھی ارسطو ہی کی طرح محاکات کے علاوہ تخیل کو شعری عمل میں فعال قرار دیتے ہیں۔ تخیل کو حالی نے بھی شاعری کیلئے بنیادی شرط قرار دیا ہے لیکن تخیل کی تعریف اور اس کے دائرہ کار کی وضاحت میں شبلی کی نگاہ جن باریکیوں تک پہونچی ہے، وہاں تک حالی کا ذہن نہیں پہونچ سکا ہے شبلی کی تحریروں میں ایسا کوئی اشارہ تو نہیں ملتا جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ آیا انہوں نے کولرج کی "لٹریریا بیاگرافیہ" سے استفادہ کیا تھا یا نہیں؟ مگر ان کے بعض خیالات میں کولرج سے حیرت انگیز مماثلت ملتی ہے ممکن ہے ان خیالات تک رسائی انہیں مل (Mill) کے ذریعہ ہوئی ہو جس نے کولرج کی طرح شاعری کو سائنس کی ضد قرار دیا ہے اور شبلی نے نہ صرف یہ کہ اس کا حوالہ دیا ہے بلکہ اس پر مہر تصدیق ثبت کی ہے"[1]

---

[1] مضامین نو - خلیل الرحمٰن اعظمی ص ۸۴

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

الفاظ و معنی کی بحث - انسانی جذبات کو موزوں و مناسب الفاظ میں ظاہر کرنا شعر کہلاتا ہے اس طرح فن شعر میں الفاظ کو اہم ترین حیثیت حاصل ہے چنانچہ حالی اور شبلی نے اس پر کافی بحث کی ہے شبلی نے کتاب العمدہ کا ایک اقتباس پیش کیا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ اور مضمون کا وہی رشتہ ہے جو جسم اور روح کا ہے - اگر لفظ اچھے ہوں اور مضمون میں خرابی ہو تو شعر میں نقص پایا جائے گا اسی طرح اگر الفاظ اچھے نہ ہوں اور مضمون عمدہ ہو تب بھی شعر میں عیب سمجھا جائے گا - عرب میں الفاظ کو زیادہ اہم سمجھا گیا ہے کچھ اہل فن مضمون کو اہمیت دیتے ہیں لیکن شبلی کا فیصلہ الفاظ کے حق میں جاتا ہے ان کا خیال ہے کہ شاعری میں حسن کا راز الفاظ پر ہی منحصر ہے "گلستاں" میں کوئی نادر و نایاب مضامین نہیں ہیں لیکن موزونئ الفاظ اور ان کی ترتیب میں اس نے جادو کا اثر پیدا کر دیا ہے - شبلی نے ظہوری کے ساقی نامہ کو "سکندر نامہ" کے مقابلہ پر کم درجہ دیا ہے اور اس کی وجہ سکندر نامہ میں الفاظ کی متانت اور بندش کی خوبی بتائی ہے حافظ کے بعض اشعار میں اگر الفاظ بدل دئے جائیں تو شعر اپنا اثر کھو دیتا ہے - میر انیس نے جو الفاظ کسی موقع کی منظر کشی کیلئے استعمال کئے ہیں اگر ان میں تغیر کیا جائے تو شعر میں تاثیر ختم ہو جائے گی - یہی وجہ ہے کہ شاعر کیلئے ایک خاص مرحلہ تلاش الفاظ ہے - اس طرح اکثر الفاظ ایسے ہیں جن کے معنی میں نہیں بلکہ ظاہری ہیئت اور آواز میں شان و شوکت ہوتی ہے -

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

شبلی نے ایک اور نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ بڑے بڑے خیالات ایک لفظ کے بر موقع استعمال سے ظاہر کئے جا سکتے ہیں۔ ایک مصور اپنے فن سے کسی منظر کی تصویر کشی کرتا ہے وہی اثر شاعر کے ایک لفظ سے پیدا ہو سکتا ہے اس طرح شبلی شاعری میں تاثیر کیلئے لفظی مینا کاری پر زور دیتے ہیں۔ اپنی عملی تنقید میں شبلی نے مختلف شعراء کے کلام کا جائزہ لیتے وقت اسی اصول کو مدنظر رکھا ہے انہوں نے ایسے شعراء کے کلام کو اعلیٰ درجہ دیا ہے جن کے یہاں الفاظ کی نشان و شوکت اور نبدش کی درستی پائی جاتی ہے اور جن کے کلام میں یہ خوبی نہیں پائی جاتی ان کے کلام میں خامی نبائی ہے۔ شبلی الفاظ اور انداز بیان سے اسقدر متاثر ہوئے ہیں کہ انھوں نے فردوسی کے "شاہنامہ" پر الگ عنوان سے بحث کی ہے اور اس کے الفاظ کی فصاحت و بلاغت کی توصیف و توصیف، صفحات پر مشتمل ہے اسطرح فصاحت و بلاغت کی شبلی کے یہاں بڑی اہمیت ہے "موازنہ انیس و دبیر" میں شبلی نے دبیر پر انیس کی برتری جگہ جگہ ظاہر کی ہے اور انیس کی فصاحت و بلاغت اور الفاظ کی موزونیت اور بے مثال منظر کشی کی بنا پر اسکو ثابت کیا ہے۔

الفاظ کے باہمی تعلق اور تناسب پر بھی شبلی نے بحث کی ہے۔ الفاظ فصیح ہوں اور ساتھ ہی یہ لحاظ بھی رکھنا ضروری ہے کہ کسی طور پر انکی ترتیب میں ناہمواری نہ پیدا ہو۔

حالی نے بھی الفاظ کی بحث میں شبلی سے ملتے جلتے خیالات و تصورات پیش کئے ہیں۔ لیکن خاص فرق یہ ہے کہ وہ الفاظ اور معنی دونوں کو ضروری سمجھتے ہوئے معنی کی اہمیت پر زیادہ زور دیتے ہیں۔

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

جب کہ شبلی الفاظ پر۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی رہی ہوگی کہ حالی سرسید کی تحریک سے پوری طرح وابستہ رہے۔ اور ہر مرحلے پر سرسید کے ہمنوا اور معاون رہے چونکہ سرسید تحریک کا بنیادی مقصد اردو ادب کو مقصدیت کی طرف لانا تھا اس لئے حالی نے بھی ادب میں مواد اور معنی کو الفاظ پر ترجیح دی۔ بہر حال انہوں نے الفاظ کی اہمیت سے قطعی انکار نہیں کیا ہے انہوں نے بعض شعراء کے کلام کی اس بنا پر تعریف کی کہ اس میں الفاظ کا تاثر قابل لحاظ پایا جاتا ہے انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ الفاظ کا موزوں استعمال ایک خاص اثر رکھتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ الفاظ یکساں معنی رکھتے ہوں لیکن ان کا استعمال ہر موقع پر مختلف ہو سکتا ہے یعنی الفاظ کے کردار مختلف ہو سکتے ہیں اس سلسلہ میں بعض جگہ حالی کے تصورات میں تضاد بھی ملتا ہے وہ خیال کی اصلیت پر زور دیتے ہیں اور کمال شعر کے معاملہ میں الفاظ کو اولیت دیتے ہیں اس طرح ان کے یہاں الفاظ و معنی کے سلسلہ میں ایک کشمکش پائی جاتی ہے روکھے پھیکے مضمون میں تاثیر پیدا کرنیکے لئے استعارہ۔ کنایہ۔ وغیرہ استعمال کرنا ضروری خیال کرتے ہیں اور یہ تاکید بھی کرتے ہیں کہ ان کا استعمال اس طور پر کیا جائے کہ بدیع الفہم نہ ہوں حالی نے غالب کے بعض اشعار کو اس بنا پر پسند کیا ہے کہ ان میں نئی نئی تشبیہیں اور استعارے استعمال کئے گئے ہیں۔ حالی نے خیال کے لئے مناسب الفاظ کی سعی و جستجو پر زور دیا ہے۔ انہوں نے مناسب الفاظ کے ساتھ انکی ترتیب پر بھی زور دیا ہے حیات سعدی، مقدمہ شعر و شاعری اور یادگار غالب میں حالی نے بعض اشعار کی تشریح کرتے وقت

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

فنی محاسن کو معانی پر ترجیح دی ہے۔

شبلی ابن خلدون کے اس نظریہ کی تائید کرتے ہیں کہ معنی کچھ بھی ہوں اگر موثر الفاظ میں نظم پیش کیجائے تو اثر سے خالی نہ ہوگی لیکن حالی اس سے متفق نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کھاری یا گدلا پانی سونے چاندی کے پیالے میں پلایا جائے تو پسند نہیں کیا جائیگا۔ یعنی حالی کے یہاں معنی کی اہمیت زیادہ پائی جاتی ہے۔

شبلی جب شعراء کے کلام پر اظہار رائے کرتے ہیں تو معنی کی طرف زیادہ توجہ نہیں دیتے بلکہ صرف الفاظ کی موزونیت کو مدنظر رکھتے ہوئے کلام کے مرتبہ کا تعین کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ شبلی شعراء کی ان خوبیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں یا ان شعراء کو مناسب مقام نہیں دیتے جن کے کلام میں معنی کی گہرائی موجود ہو، بعض استاد شعراء پر ان کی تنقید انصاف پر مبنی نہیں مانی گئی ہے۔

محاکات ۔ محاکات کے استعمال میں بھی الفاظ کیلئے جستجو و تلاش کرنی پڑتی ہے شبلی نے محاکات کے عنوان سے شاعری کی ایک اہم خصوصیت کا بیان کیا ہے۔ محاکات کا مفہوم یہ ہے کہ جو جذبہ خوشی یا غم یا حیرت کا شاعر کے دل میں کسی منظر یا واقعہ کی بنا پر پیدا ہوا ہے اس کا بیان اس قدر مناسب الفاظ اور بحر میں کیا جائے کہ اس شے یا منظر کی ہو بہو تصویر سامنے آجائے اس میں بعض اوقات جزئیات کا سہارا لینا پڑتا ہے جس سے تصویر کشی میں کامیابی ہوتی ہے محاکات کو اعلیٰ درجہ کا بنانے کیلئے ہر قسم کی اشیاء کا بغور مشاہدہ ضروری ہے مثلاً کسی قوم یا کسی طبقے کے افراد کا بیان کرنا ہے تو اس طبقہ کے لوگوں کی اطوار و عادات کا مطالعہ انتہائی غور و خوض سے

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

کرنا چاہیئے اور اسی طرح ان کے خیالات اور حالات کی تصویر کشی ممکن ہے۔ محاکات کے لئے تشبیہ کا سہارا لیا جاتا ہے جو نہایت موثر ہوتا ہے شبلی نے محاکات اور تخیل کو ایک دوسرے کے لئے ضروری بتایا ہے اگر تخیل نہ ہو تو محاکات کا درجہ صرف انتقالی ہی رہے گا۔

شبلی کی طرح حالی نے محاکات کا کوئی باقاعدہ عنوان تو قائم نہیں کیا لیکن تخیل کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ شعر کی یہ خوبی ہے کہ تخیل کی تصویر ہو بہو آنکھوں کے سامنے پیش ہو جائے اور الفاظ کی ترتیب اس طرح پر ہو جو سامعین کو مسخر کر دے۔ بہر حال حالی نے قوت ممیزہ کا بیان کر کے تخیل کی بے اعتدالی پر روک بھی لگا دی ہے۔

تشبیہ و استعارہ ۔ شبلی نے انشا پردازی اور شاعری کیلئے تشبیہ و استعارہ کا استعمال نہایت مفید اور موثر بتایا ہے یہ ایک فطری طرز ادا ہے۔ یہ کلام میں فصاحت بلاغت اور لطافت کی خوبیاں پیدا کرتی ہے مختصر الفاظ میں ان کے ذریعہ طویل مضمون ادا کیا جا سکتا ہے بلکہ بعض مضمون اگر تشبیہ و استعارہ کے سہارے نہ پیش کئے جائیں تو کلام میں کوئی زور نہیں پیدا ہوتا۔

حالی نے بھی استعارہ کو بلاغت کا رکن اعظم مانا ہے دلی خیالات کو ان کی مدد سے بخوبی ادا کیا جا سکتا ہے حالی نے بھی استعارہ وغیرہ کے استعمال میں یہ ضروری سمجھا ہے کہ یہ بعید الفہم نہ ہوں یہ خیال غلط ہے کہ حالی کو استعارہ کا خوف تھا۔ شبلی نے عملی تنقید میں شعراء کی تعریف و توصیف اکثر اس بنا پر کی ہے کہ انہوں نے تشبیہ اور استعارے کے استعمال میں جدت پیدا کی ہے وہ مفرد تشبیہ کے مقابلہ میں مرکب تشبیہ کو زیادہ لطیف سمجھتے ہیں۔

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

تشبیہ اور استعارہ پر شبلی نے بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے اور کلام میں وسعت اور زور پیدا کرنے کے لئے سب سے موثر حربہ کہا ہے اس بارے میں انہوں نے نہایت لطیف نکات پیش کئے ہیں۔ وہ تشبیہ اور استعارہ کے فرق کو بخوبی سمجھتے ہیں اور اس بنا پر استعارہ کو تشبیہ سے زیادہ موثر خیال کرتے ہیں۔

جدید اردو ناقدین نے شبلی کے ان خیالات سے کافی استفادہ کیا ہے اور کم و بیش وہی خیالات پیش کئے ہیں جو شبلی بہت پہلے پیش کر چکے ہیں بہر حال اس سلسلہ میں شبلی کے خیالات بہت کچھ مغربی ناقدین سے ملتے جلتے ہیں۔

حالی نے تشبیہ و استعارہ پر اسقدر تفصیلی گفتگو نہیں کی ہے انہوں نے استعارہ کی اہمیت کو اس طرح ظاہر کیا ہے۔

"استعارہ بلاغت کا ایک رکن اعظم ہے اور شاعری کو اس کے ساتھ وہی نسبت ہے جو قالب کو روح کے ساتھ۔ کنایہ اور تمثیل کا حال بھی استعارہ ہی کے قریب قریب ہے یہ سب چیزیں شعر میں جان ڈالنے والی ہیں"[1]

سادگی اصلیت اور جوش ۔ حالی نے اردو شاعری کے ماضی اور حال کا جائزہ لیا اور محسوس کیا کہ اردو شاعری اپنی افادیت کھو چکی ہے انہوں نے اس کی اصلاح کے لئے غور و خوض کیا

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری حالی ص ۱۵۹

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

مشرقی اور مغربی ادب کا مطالعہ کرکے کچھ اصلاحی نکات وضع کئے انہوں نے شاعری کے لئے کچھ نئی بنیادیں قائم کیں شاعری کے لئے ایسے انداز اپنانے کی سفارش کی جو ہر طبقے کے افراد کیلئے عام فہم ہوں اور دلوں میں جاگزیں ہوسکیں الجھاؤ اور پیچیدگی سے پاک ہوں اس سلسلہ میں وہ کالرج اور کانٹ جیسے مغربی مفکرین سے متاثر تھے۔ سادگی شعر کو تصنع سے بچاتی ہے کالرج نے شاعری کیلئے ایک آسان اور خوشگوار راستہ تجویز کیا جسمیں مسافر کو کسی طرف بھی پریشان کن، یا بدنما مناظر نہ دکھائی دیں۔ حالی یہ خیال اس طرح ظاہر کرتے ہیں۔

"شعر پڑھنے یا سننے والے کو ایسی ہموار اور صاف سڑک ملنی چاہئیے جس پر وہ آرام سے چلا جائے۔ ندی نالے اس کے ادھر ادھر چل رہے ہوں اور پھل پھول، درخت اور مکان اس کی منزل ہلکی کرنے کیلئے ہر جگہ موجود ہوں"[1]

اس طرح سادگی کا مطلب آسان شاعری ہے لفظ آسان سے غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے حالی نے واضح کیا کہ سادگی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شعر میں معنی کی گہرائی نہ پائی جائے۔ یا شاعر کمزور ذہن والا محسوس ہو یا اسمیں کوئی پیچیدہ مسئلہ نہ ہو بلکہ سادگی کا مفہوم یہ ہے کہ بلند پایہ اور دقیق مضمون کو بھی معمولی بول چال اور روزمرہ کی مدد سے اس طرح پیش کیا جائے کہ پیچیدگی اور ناہمواری محسوس نہ ہو اور ہر قسم کا ذہن اسکو قبول کرلے انہوں نے یہ بھی واضح کیا کہ ایک شعر اعلیٰ درجہ کے افراد میں سادہ کہا جائے گا اور معمولی درجہ کے لوگ اسی شعر کو ازحد مشکل و بعید الفہم سمجھ سکتے ہیں۔ بہرحال

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری، حالی ص

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

حالی نے ایسے کلام کو بھی سادگی ہی درجہ دیا ہے سادگی یا سادگی ادا شبلی کی تنقید میں بھی ایک اہم موضوع ہے وہ اس کو حسن کلام کیلئے ضروری خیال کرتے ہیں وہ ہدایت کرتے ہیں کہ مضمون میں پیچیدگی نہ ہونی چاہیئے اس کے تمام اجزاء پوری طرح ادا کئے جائیں اور اگر کسی واقعہ کیطرف اشارہ کیا جائے تو یہ لحاظ رہے کہ عوام اس سے قطعی ناواقف نہ ہوں جملوں کے اجزاء کی فطری ترتیب کو قائم رکھا جائے ایسی تشبیہات اور استعارے استعمال نہ کئے جائیں جو شعر کو دقیق اور ناقابل فہم بنا دیں روزمرہ اور بول چال کی زبان استعمال کی جائے صاف اور سادہ الفاظ کو ترجیح دی جائے سادگی ادا کو شبلی کلام میں تاثیر کیلئے ضروری سمجھتے ہیں۔ الفاظ کی ایک خاص ترتیب کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے اس خوبی کے ذریعہ شعر میں روانی اور سلاست پیدا ہوتی ہے اس سلسلے میں شبلی نے سعدی اور خسرو کو ممتاز حیثیت دی ہے اس کے علاوہ نبدش کی چستی۔ خوشنوائی اور خوش آہنگی۔ قافیہ ردیف کا بہتر استعمال یہ بھی سادگی بیان میں معاون ہوتے ہیں۔

اصلیت اور واقعیت ۔ اصلیت اور واقعیت کے موضوع پر حالی اور شبلی دونوں نے اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں حالی نے کالرج سے ملتا جلتا نظریہ اپنایا ہے وہ خیال کی بنیاد کسی حقیقت پر رکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو مضمون ایک خواب کا تماشہ بن جائیگا۔ حالی نے اصلیت کی توصیف اور اس کا جو بیان کیا ہے وہ ایک بڑا کارنامہ ہے یہ شاعری کی دنیا میں ایک نیا تصور پیش کرتا ہے اصلیت کی وضاحت حالی نے اس طرح کی ہے۔

"جس بات پر شعر کی بنیاد رکھی گئی ہے وہ نفس الامر میں یا لوگوں کے عقیدے میں

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

یا محض شاعر کے عندیہ میں فی الواقع موجود ہو یا ایسا معلوم ہوتا ہو کہ اس کے عندیہ میں فی الواقع موجود ہے۔" [1]

حالی کے اس بیان سے ان کے استاد غالب ان کی زد میں آنے سے محفوظ رہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بیان نہایت اہم ہے اس میں فن شعر کے بہت سے مسائل حل کرنیکا ذریعہ بتایا گیا ہے۔

جوش بیان ۔ شبلی نے جوش بیان کے سلسلے میں کئی جگہ اپنے خیالات و نظریات پیش کئے ہیں۔ فیضی اور حافظ کی شاعری پر تنقید کرتے ہوئے انہوں نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ قابل ذکر ہیں فیضی اور حافظ دونوں میں جوش بیان کی خوبی پائی جاتی ہے۔ حافظ میں رندانہ اور صوفیانہ مضامین میں جوش بیان موجود ہے لیکن فیضی میں ہر قسم کے مضامین میں جوش پایا جاتا ہے۔ عشقیہ، فلسفیانہ اور دیگر مضامین میں ان کے یہاں جس طور پر جوش بیان موجود ہے وہ انھیں کا حصہ ہے ان دونوں شعراء کے کلام میں جوش بیان کا سبب ان کے ذاتی حالات کا پس منظر بھی ہے۔ شبلی کا خیال ہے کہ شعر کہنے کے لئے شاعر پر ایک جوش کا جذبہ طاری ہونا ضروری ہے جب ایسے جذبہ کے تحت وہ خیالات کو پیش کریگا تو سننے والوں پر وہی کیفیت طاری ہو جائے گی جس سے شاعر متاثر ہوا تھا۔ حالی اور شبلی کے نظریات اس سلسلہ میں تقریباً یکساں ہیں۔ حالی نے بھی جوش بیان کو ایک خوبی بتایا ہے جب شاعر کسی جوش کے جذبہ کی کیفیت کے زیر اثر ہوتا ہے تو بے ساختہ ایسے الفاظ ادا ہوتے ہیں جو نہایت موثر ہوتے ہیں۔ اور سننے والے پر بھی شاعر جیسا جذبہ طاری ہو جاتا ہے جوشیلے یا زوردار الفاظ کی شرط اسمیں نہیں ہے نرم الفاظ میں بھی جوش بیان موجود ہونا ممکن ہے حالی نے جوش کی جو تعریف کی ہے وہ خاص طور سے اہم ہے۔

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری، حالی ص ۶۰

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

مبالغہ کہاں تک جائز ہے ۔ حالی اور شبلی دونوں نے شعر و ادب کی تاریخ کی روشنی میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ شاعری کی ابتدائی حالت میں اصلیت، واقعیت اور جذبات کا صداقت و راستی کے ساتھ اظہار کیا جاتا ہے آہستہ آہستہ زبان میں تصنع شامل ہو جاتا ہے اور پھر جب بڑھ جاتا ہے تو مبالغہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

حالی کے سامنے ایک عظیم قومی تحریک اور بلند مقاصد موجود تھے انھوں نے اصلیت پر زیادہ زور دیا اور مبالغہ کی شاعری کیلئے مضر سمجھا وہ اس کو شاعرانہ جھوٹ قرار دیتے ہیں۔ اور موجودہ زمانے میں اسکو قابل احتراز سمجھتے ہیں۔ شبلی مبالغہ کو ایک حد تک شاعری کے محاسن میں شامل کرتے ہیں۔ وہ ذوق جمالیات اور رنگین طبع مزاج رکھتے ہیں۔ قدیم شعراء کے بارے میں انہوں نے لکھا ہے کہ وہ مبالغہ سے کام لیتے تھے اور اس سے کلام بڑی حد تک موثر ہو جاتا تھا۔ فردوسی کے کلام کا جائزہ لیتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ بعض حالات میں اصلیت کا اظہار شعر کو اعلیٰ درجہ پر پہونچانے میں کارگر نہیں ہوتا اور کچھ آب و رنگ چڑھانا ضروری ہو جاتا ہے مثلاً عشقیہ مضامین میں مبالغہ بڑی حد تک موثر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ عاشقانہ جذبات کے جوش میں ناممکن امور بھی ممکن محسوس ہوتے ہیں۔ شبلی نے شاعرانہ مصوری کو انسانی مسرت کا ذریعہ بتایا اور اس کے لئے تشبیہ و استعارہ کی مدد کو ضروری سمجھا ہے انہوں نے اس امر پر زور دیا کہ تشبیہات بعض جگہ تصویر کشی کیلئے ضروری ہو جاتی ہیں۔ شعر جبتک انسانی جذبات، احساسات اور خوابیدہ تصورات کو بیدار اور برانگیختہ نہ کرے وہ موثر نہیں ہوتا۔ اس بنا پر بعض جگہ مبالغہ کا استعمال نہ صرف مفید بلکہ ضروری ہو جاتا ہے۔

حالی چونکہ شروع سے ہی اخلاق صداقت اور اصلاحی مقصد لیکر چلتے ہیں اسلئے وہ مبالغہ کو ایک حد تک کذب اور بن نزاکتی سے جوڑ دیتے ہیں۔ بہر حال انہوں نے بھی محسوس کیا ہے کہ بعض جگہ تاثر میں شدت پیدا کرنے کیلئے مبالغہ مفید ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کی حدود وہ اس طرح قائم کرتے ہیں۔

"مبالغہ کی غایت یہ ہونی چاہیئے کہ جو مطلب بیان کرنا منظور ہے مبالغہ کے سبب سے اس کا اثر سامع کے دل پر نہایت قوت کے ساتھ ہو نہ یہ کہ اس کا رہا سہا یقین بھی جاتا رہے۔" ؎

اس طرح حالی اور شبلی دونوں مبالغہ کو بقدر ضرورت جائز خیال کرتے ہیں لیکن بے اعتدالی کو تاثیر شعر کے لئے ضرر رساں سمجھتے ہیں۔

ردیف اور قافیہ پر اختلاف رائے ۔ شعر میں ردیف و قافیہ کی ضرورت پر حالی اور شبلی کے خیالات کچھ مختلف ہیں۔ شبلی نے حسن کلام، خوشنوائی اور موسیقیت کا خاص سبب حسن قافیہ و ردیف بتایا ہے یہ اوصاف شعر کو نغمگی و آہنگ عطا کرتے ہیں ہر صنف میں مثنوی، غزل، مرثیہ وغیرہ ان میں ردیف سے حسن شاعری میں اضافہ ہو جاتا ہے شبلی نے ردیف کو شاعری میں وہ درجہ دیا ہے جو موسیقی میں تال و سُر کو دیا جاتا ہے۔ راگ میں تال نہ ہو تو کیا مزہ ہے۔ بہر حال شبلی نے بھی ردیف کے معاملہ میں شاعر کا قادر الکلام ہونا ضروری بتایا ہے۔ انہوں نے مثالیں دیکر ثابت کیا ہے کہ ردیف سے شعر اعلیٰ درجہ کا ہو جاتا ہے اور ردیف کی تکرار بھی بعض جگہ حسن شاعری کیلئے مفید ثابت ہوتی ہے۔

شبلی کے برخلاف حالی نے قافیہ کو شاعری کیلئے ضروری نہیں مانا ہے ان کے خیال کے مطابق قافیہ شعر کا حسن بڑھاتا ہے اور سامع کو خوشگوار لگتا ہے مگر شعرائے عجم نے اس کو سخت پابندیوں میں جکڑ دیا ہے

؎ مقدمہ شعر و شاعری، حالی ص ۱۹۸

www.urduchannel.in

ردیف اور قافیہ شاعر کو اس کا فرض ادا کرنے میں مانع آتا ہے خیال کی ترتیب اور الفاظ کی بجائے شاعر پہلے قافیہ تجویز کرتا ہے اس طرح شاعر خیال باندھنے کیلئے قافیہ کا تابع ہوتا ہے اور حسن شعر کے چکر میں شعر کی اصلیت ہی قائم نہیں رہتی اس طرح حالی شبلی کے برخلاف ردیف و قافیہ کو ضروری خیال نہیں کرتے۔

شعر کے اقسام پر بحث ۔ شبلی نے شعر کے اقسام کے بیان میں شعر کی دو قسمیں بتائی ہیں مادیات کے لحاظ سے اور جذبات و کیفیات کے لحاظ سے۔ مادیات سے مطلب قدرتی مناظر۔ چاند ستارے جنگل، پہاڑ، موسم وغیرہ کیفیات سے مطلب انسان کے جذبات، رنج، خوشی، محبت وکینہ، غم و غصہ وغیرہ کی تصویر کشی ہے۔ غزل و قصیدہ جذباتی شاعری میں داخل ہیں مثنوی اظہار قدرت کی تصویر کشی ہے لیکن شعراء نے اسکو محدود نہیں رکھا۔ اسی طرح غزل میں عشقیہ جذبات کے ساتھ فلسفہ اور تخیل کے مضامین بھی شامل ہوگئے لیکن شبلی غزل کو موجودہ شکل میں برقرار رکھنا ہی ٹھیک سمجھتے ہیں اور مقصدیت کے لحاظ سے حالی کیطرح اصلاح کے حامی نہیں ہیں اسکی وجہ وہی ذوق جمالیات ہے جسکو وہ ترک نہیں کرنا چاہتے۔

حالی کیطرح شبلی نے بھی مثنوی کو شاعری کی سب سے زیادہ مفید صنف مانا ہے۔ اسمیں جذبات، قدرتی مناظر، واقعات اور خیالی تصویر کشی سبھی کچھ پیش کیا جاسکتا ہے۔ اخلاق، فلسفہ اور تصوف کے معاملات بھی بخوبی ادا کئے جاسکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مثنوی کا ہر شعر الگ ہوتا ہے اور ایک قافیہ کی پابندی نہیں ہوتی۔ اشعار کی تعداد بھی مقرر نہیں ہوتی۔ ہر طرح کے مضمون ادا کئے جاسکتے ہیں۔ رودکی کو مثنوی کا موجد مانا جاتا ہے۔ اس کے بعد فردوسی، اسدی، عنصری وغیرہ نے بھی مثنویاں لکھیں۔

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

فردوسی، نظامی کو شبلی مثنوی کے آسمان کے چمکتے ستارے تسلیم کرتے ہیں۔ فردوسی کے شاہنامہ پر انہوں نے بڑی تفصیل سے تبصرہ کیا ہے اور اسکو ایران کی ایک باقاعدہ انسائیکلو پیڈیا بتایا ہے اس میں مذہب، اخلاق، ملکی و سیاسی حالات، قومی معاملات، معاشی مسائل، تہذیب و تمدن ہر چیز کی تفصیل موجود ہے۔ شاہنامہ میں فردوسی نے واقعہ نگاری کا قابل تعریف مظاہرہ کیا ہے۔

حالی نے اصناف سخن کے بیان میں غزل کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ اس کی موجودہ حالت پر بے اطمینانی ظاہر کی ہے اور اصلاحی نکات و مشورے دئے ہیں۔ غزل کو محدود کرنے کے خلاف ہیں اور ہر قسم کے مضامین اس میں شامل کرنے پر زور دیتے ہیں۔ اس خیال کی پرزور تردید کی کہ غزل کیلئے صرف عاشقانہ اور رنگین جذبات ہی مناسب ہیں۔ انہوں نے کہا کہ غزل میں دوسرے مضامین شامل کرنا اس کے لئے پیغام فنا نہیں ہوگا۔ قصیدہ جو صرف مدّاحی اور ہجو کا ذریعہ تھا حالی نے اس کو بھی بامقصد بنانے کی رائے دی اور اس سے اصلاحی کام لینا ممکن بتایا انہوں نے مدح کو اس طور پر کئے جانے کی رائے دی کہ وہ خوشامد نہ بن جائے۔ مرثیہ کو بھی وہ محض واقعات کربلا کا بیان اور رونے رلانے کا وسیلہ نہیں بنانا چاہتے وہ اسکو درستیٔ اخلاق کیلئے بھی مفید بنانا چاہتے ہیں۔ شبلی کیطرح حالی مثنوی کو سب سے زیادہ مفید صنف مانتے ہیں۔ اس میں اصلاحی نکات تجویز کئے ہیں۔ مبالغہ، بے ربط کلام، اور بعید الفہم واقعات سے احتراز برتنا ضروری بتایا ہے۔

شبلی کی عملی تنقید۔ شبلی نے نامی گرامی اساتذہ کے کلام کا تنقیدی جائزہ بھی لیا ہے۔ شیخ سعدی، نظامی، امیر خسرو، حافظ وغیرہ کے محاسن کو اجاگر کیا ہے۔ بہرحال یہ اعتراض انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ فارسی شاعری میں عشق و محبت کے گوناں عالم دکھائے گئے ہیں لیکن اخلاقی

جذبات مثلاً برادرانہ محبت، مہمان نوازی وغیرہ جذبات فارسی میں نہیں ملتے۔ تاہم فردوسی کو اس اعتراض سے بری قرار دیا ہے کیونکہ اس کے بیان پر قسم کے جذبات کو موثر طور پر ادا کیا گیا ہے۔ اس طرح شبلی نے شعرا کے کلام پر جو تبصرے کیے ہیں ان میں جذبات، شاعرانہ مصوری، محاکات، تخیل اور لفظی مناسبات کا معیار ان کے پیش نظر رہا ہے۔

حالی اور شبلی کے جو خیالات و تصورات گذشتہ صفحات میں پیش کیے گئے ہیں ان سے ان بر دو اساتذہ فن کے تنقیدی نظریات واضح ہو جاتے ہیں اور اردو تنقید کی تاریخ میں ان کی حیثیت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ حالی اور شبلی دونوں نے ہی اردو شاعری کی افادی و اخلاقی حیثیت پر زور دیا ہے اور اسکو تفریح طبع کا ذریعہ بنانے سے گریز کرنے کی ہدایت کی ہے۔ حالی کے مقدمہ شعر و شاعری اور شبلی کی شعر العجم اردو میں فن تنقید کی اولین باضابطہ کتب ہیں ان سے دونوں نامور ناقدین کی گہری تنقیدی بصیرت اور ذہنی صلاحیتوں پر بخوبی روشنی پڑتی ہے اور ان کے بنیادی افکار اور رجحانات کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے ان کی رایوں سے اختلاف تو ممکن ہے لیکن ان کے خلوص حب قومی اور دردمندی کو تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے۔ تنقید کے میدان میں یہ ایک دوسرے کو ممد و معاون رہے ہیں۔ بہرحال دونوں کی تنقید میں کچھ فرق بھی نمایاں ہوتا ہے۔ حلیم الدین احمد نے اس فرق کو اس طرح واضح کیا ہے۔

"حالی نے پرانی تنقید سے الگ ہو کر نئی تنقید کی ابتدا کی۔ شبلی نئی اور پرانی تنقید کے بیچ میں معلق نظر آتے ہیں۔"

اس طرح شبلی کی تنقید قدیم اور جدید کی آمیزش ہے جس میں عربی اور فارسی کے قدیم اصولوں کے ساتھ مغربی تنقید کے جدید

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

تصورات و معیار شامل ہیں۔ انھیں اپنے عہد کی تقاضوں کا بخوبی احساس تھا۔ اور انہیں حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے تعمیری ادب کو اپنا مقصد بنایا اور اس کے حصول کیلئے تنقید کے اصول و ضوابط پر غور و خوض کیا۔ حالی اور شبلی کے مقاصد میں ایک خاص فرق یہ تھا کہ حالی تو مشرقی ادب کی کم مائیگی کے احساس کمتری کا شکار ہو گئے تھے اور مغربی تصورات سے از حد متاثر تھے اور انھیں خطوط پر مستقبل کیلئے کوئی مناسب طرز عمل تلاش کر رہے تھے جبکہ شبلی ماضی کی عظمت کو واضح کرنے کے لئے مغربی طرز فکر کی واقفیت کو ضروری سمجھتے تھے۔ دونوں ہی صف اول کے نقاد ہیں۔ شعر میں تاثیر کے لئے حالی نے موضوع اور مواد کی اہمیت پر زور دیا ہے جبکہ شبلی نے ہیئت اور اسلوب کو ترجیح دی ہے۔

چنانچہ ان کے یہاں اسلوب بیان کی اہمیت معنی و نظریات سے زیادہ ہے۔ وہ الفاظ کی فصاحت اور سحر انگیزی کے قائل ہیں۔ حالی اور شبلی دونوں کے یہاں نظری اور عملی تنقید پائی جاتی ہے اسطرح چند اختلافات کے باوجود حالی اور شبلی اردو زبان و ادب کی مایہ ناز اور قابل قدر ہستیاں ہیں۔ تنقید کے میدان میں ان کی فنی حیثیت بلند اور مستحکم ہے اور ان کے تنقیدی کارنامے مستقبل میں بھی رہروان ادب کی رہنمائی کرتے رہیں گے۔

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

کتابیات

www.urduchannel.in

کتابیات

تصنیف - مصنف / مرتب ——— ایڈیشن

آب حیات - محمد حسین آزاد - رام نرائن لال بینی مادھو پبلشر و بکسیلر ۱۹۶۲ء

اردو تنقید پر ایک نظر - کلیم الدین احمد ادارہ فروغ اردو لکھنؤ بار سوم ۱۹۶۹ء

اردو تنقید کا ارتقاء - ڈاکٹر عبادت بریلوی - ایجوکیشنل بک ہاؤس علیگڈھ ۱۹۸۶ء

اردو تنقید کی تاریخ - مسیح الزماں خیابان الہ آباد ۱۹۵۴ء

اصول انتقاد ادبیات - عابد علی عابد مجلس ترقی اردو لاہور طبع اول

انتخاب حاتم - مرتبہ ڈاکٹر عبدالحق بہادر پور مچھلی شہر جون پور جنوری ۱۹۷۲ء

انتخاب - سراج اورنگ آبادی مرتب ڈاکٹر محمد حسین برقی آرٹ پریس دریا گنج دہلی ستمبر ۱۹۶۹ء

اندازے - فراق گورکھپوری ادارہ انیس الہ آباد ۱۹۵۹ء

پھولبن - ابن نشاطی - مرتبہ محمد اکبر الدین صدیقی - ترقی اردو بورڈ نئی دہلی پہلا ایڈیشن ۱۹۷۸ء

تحقیقی مطالعہ حالی - ظہیر احمد صدیقی - ایجوکیشنل بک ہاؤس علیگڈھ

تذکرہ شعرائے ہندی - تالیف میر حسن تدوین و ترتیب اکبر حیدری کشمیری

تنقیدی سرمایہ - عبدالشکور - مطبوعہ ایجوکیشنل بک ہاؤس علیگڈھ

تنقید شعر العجم - محمود شیرانی - انجمن ترقی اردو

تنقیدی مطالعہ - انور سیوانی - مکتبہ دین اور ادب لکھنؤ ——— ۱۹۶۷ء

www.urduchannel.in
اورنگ زیب قاسمی

جدید اردو تنقید شارب ردولوی کتاب پبلشر چوک لکھنؤ طبع اول ۱۹۶۸ء

اصول و نظریات

حالی اور نیا تنقیدی شعور۔ اختر انصاری اردو اکیڈمی سندھ کراچی پہلی اشاعت ۱۹۶۲ء

حیات جاوید۔ الطاف حسین حالی اکاڈمی پنجاب لاہور ۱۹۵۷ء

شبلی۔ ظفر احمد صدیقی ساہتیہ اکاڈمی نئی دہلی پہلا ایڈیشن ۱۹۸۸ء

شعر العجم جلد اول۔ مولانا شبلی نعمانی مطبع معارف اعظم گڈھ طبع ششم ۱۹۷۲ء

شعر العجم جلد دوم " " " ۱۹۴۷ء

" جلد سوئم " " طبع پنجم ۱۹۵۰ء

" جلد چہارم " " طبع پنجم ۱۹۵۱ء

" جلد پنجم " " طبع چہارم ۱۹۵۷ء

شعرائے اردو کے تذکرے ڈاکٹر سید عبداللہ۔ مکتبہ شعر و ادب دہلی

فن تنقید اور اردو تنقید نگاری۔ نورالحسن نقوی ایجوکیشنل بک ہاؤس علیگڈھ بار اول ۱۹۹۰ء

قطب مشتری۔ ملا وجہی مرتبہ ڈاکٹر مولوی عبدالحق انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی ۱۹۳۹ء

کلام سودا۔ ڈاکٹر خورشید الاسلام انجمن ترقی اردو ہند علی گڈھ طبع اول مارچ ۱۹۶۴ء

مجموعہ نظم حالی دیباچہ۔

محمد حسین آزاد جلد اول۔ اسلم فرخی انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۶۵ء

مرآۃ شعر۔ مولوی عبدالرحمن کتاب خانہ نورس لاہور ۱۹۵۰ء

www.urduchannel.in

مضامینِ نو ۔ خلیل الرحمٰن اعظمی ۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس علیگڈھ پہلا ایڈیشن ۱۹۸۱ء

مطالعۂ شبلی ۔ شجاعت علی سندیلوی وادارہ فروغ اردو لکھنؤ
ناظر کاکوروی

مطالعۂ ولی ۔ (تنقید وانتخاب) شارب ردولوی ۔ نصرت پبلشرز وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ ۳ طبع اول جنوری ۱۹۷۲ء

مقالاتِ حالی جلد دوئم ۔ خواجہ الطاف حسین پنجاب اکاڈمی لاہور ۱۹۵۷ء

مقالاتِ شبلی جلد دوم ۔ مولانا شبلی نعمانی ۔ مطبع معارف اعظم گڈھ طبع دوم ۱۹۵۰ء

مقدمہ شعر وشاعری ۔ الطاف حسین حالی ۔ مرتب وحید قریشی ایجوکیشنل بک ہاؤس علیگڈھ ۱۹۹۵ء

مقدمہ شعر وشاعری الطاف حسین حالی ۔ اتر پردیش اردو اکاڈمی لکھنؤ پہلا فوٹو آفسیٹ ایڈیشن ۱۹۸۲ء

موازنہ انیس ودبیر ۔ علامہ شبلی نعمانی ایجوکیشنل بک ہاؤس علیگڈھ پہلا ایڈیشن ۱۹۸۱ء

نقشِ حالی حصہ دوم ۔ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی سید احتشام حسین رضوی شجاعت علی سندیلوی سرفراز قومی پریس لکھنؤ

نکات الشعراء ۔ میر تقی میر ۔ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن ۱۹۵۳ء

یادگارِ غالب ۔ حالی ۔

اردو کراچی اپریل ۱۹۵۷ء

جمناتٹ ۔ ہریانہ اردو اکاڈمی جنوری تا مارچ ۱۹۹۴ء جلد نمبر ۲ شمارہ نمبر ۱

علی گڈھ میگزین ۔ علی گڈھ ۱۹۴۹ء ۱۹۵۵ء

فکر ونظر (حالی نمبر) علیگڈھ اکتوبر ۱۹۹۱ء

نقوش آپ بیتی نمبر